بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب ...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج: ۹

افادات ...... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب ...... محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ ...... مجیب الرحمٰن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت ...... ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

صفحات ۵۰۰

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد نہم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد نہم

فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح ------ ۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(الفصل الثالث)	
۱۶۹	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۲﴾ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت	۲۲۵
۱۷۰	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۳﴾ آداب جمعہ کی رعایت کرنے والے کا اجر	۲۲۶
۱۷۱	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۴﴾ دوران خطبہ امر خیر کا تکلم بھی ممنوع ہے	۲۲۸
۱۷۲	اشکال مع جواب	۲۲۹
۱۷۳	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۵﴾ جمعہ کے دن غسل کی تاکید	۲۳۰
۱۷۴	عرق گلاب ملا ہوا مشک	۲۳۱
۱۷۵	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۶﴾ ایضاً	۲۳۱
۱۷۶	غسل نماز جمعہ کے لئے ہے یا یوم جمعہ کے لئے	۲۳۲
۱۷۷	غسل جمعہ واجب ہے یا سنت؟	۲۳۳
	باب الخطبة والصلوٰة	
	﴿خطبہ اور نماز﴾	
۱۷۸	خطبہ کے معنی	۲۳۷
۱۷۹	نماز جمعہ سے پہلے خطبہ کی حکمت	۲۳۷
۱۸۰	دو خطبوں کی حکمت	۲۳۸
۱۸۱	خطبہ عربی زبان میں ضروری ہے	۲۳۸
۱۸۲	نماز جمعہ کے دوگانہ ہونے کی حکمت	۲۳۸
	(الفصل الاول)	
۱۸۳	حدیث نمبر ﴿۱۳۱۷﴾ نماز جمعہ کا وقت	۲۳۹
۱۸۴	زوال سے پہلے جمعہ اور اختلاف ائمہ	۲۳۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب صلوة الخوف	
	﴿خوف کی نماز کا بیان﴾	
۲۲۴	صلوة الخوف کی تعریف	۲۷۷
۲۲۵	صلوة الخوف کی مشروعیت	۲۷۷
۲۲۶	صلوة الخوف کی مشروعیت کیا باقی ہے	۲۷۷
۲۲۷	صلوة الخوف کی شرط	۲۷۸
۲۲۸	صلوة الخوف کی تفصیل	۲۷۸
	(الفصل الاول)	
۲۲۹	حدیث نمبر ﴿۱۳۳۶﴾ صلوة الخوف کا مسنون طریقہ	۲۸۰
۲۳۰	صلوة الخوف کی ادائیگی کا طریقہ اور اختلاف ائمہ	۲۸۴
۲۳۱	طریقۂ حنفیہ کی وجہ ترجیح	۲۸۵
۲۳۲	حدیث نمبر ﴿۱۳۳۷﴾ صلوة الخوف کا دوسرا طریقہ	۲۸۶
۲۳۳	حدیث نمبر ﴿۱۳۳۸﴾ ذات الرقاع میں صلوة الخوف اور ایک اہم واقعہ	۲۸۹
۲۳۴	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے یہودی کا تلوار اٹھانا	۲۹۰
۲۳۵	اشکال مع جواب	۲۹۱
۲۳۶	حدیث نمبر ﴿۱۳۳۹﴾ صلوة الخوف کا ایک اور طریقہ	۲۹۳
	(الفصل الثانی)	
۲۳۷	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۰﴾ ظہر کے وقت صلوة الخوف	۲۹۵
	(الفصل الثالث)	
۲۳۸	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۱﴾ صلوة الخوف کی ابتداء	۲۹۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	باب صلوۃ العیدین	
	﴿عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کا بیان﴾	
۲۳۹	وجہ تسمیہ	۳۰۱
۲۴۰	عیدین کی مشروعیت	۳۰۲
۲۴۱	دنوں کی تعیین میں حکمت	۳۰۳
۲۴۲	صلوۃ عیدین کا حکم	۳۰۳
	(الفصل الاول)	
۲۴۳	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۲﴾ نماز عیدین کا مسنون طریقہ	۳۰۴
۲۴۴	نماز عیدین کا وقت	۳۰۵
۲۴۵	نماز عیدین کا مسنون وقت	۳۰۵
۲۴۶	عید الاضحیٰ میں تعجیل کیوں؟	۳۰۶
۲۴۷	عید گاہ پیدل جانا	۳۰۶
۲۴۸	الصلوۃ قبل الخطبۃ	۳۰۶
۲۴۹	مضمون خطبہ	۳۰۷
۲۵۰	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۳﴾ عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت نہیں	۳۰۸
۲۵۱	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۴﴾ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہو	۳۰۹
۲۵۲	خطبۂ عیدین نماز سے مؤخر ہونے کی وجہ	۳۱۰
۲۵۳	خطبۂ عیدین نماز سے مقدم کرنے کا حکم	۳۱۰
۲۵۴	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۵﴾ عیدین میں عورتوں کو وعظ	۳۱۰
۲۵۵	حدیث نمبر ﴿۱۳۴۶﴾ نماز عید سے پہلے اور بعد میں نوافل	۳۱۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(الفصل الثانی)	
۲۷۵	حدیث نمبر ﴿۱۳۵۵﴾ عیدین کی مشروعیت	۳۳۰
۲۷۶	کفار کے تہواروں میں شرکت	۳۳۲
۲۷۷	حدیث نمبر ﴿۱۳۵۶﴾ نماز عید الاضحیٰ کے بعد کھانا	۳۳۲
۲۷۸	حدیث نمبر ﴿۱۳۵۷﴾ عیدین میں زائد تکبیرات	۳۳۳
۲۷۹	تکبیرات عیدین سے متعلق مسائل اربعہ	۳۳۴
۲۸۰	حدیث نمبر ﴿۱۳۵۸﴾ نماز عیدین میں قراءت	۳۳۶
۲۸۱	حدیث نمبر ﴿۱۳۵۹﴾ عیدین کی تکبیرات اربعہ	۳۳۷
۲۸۲	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۰﴾ کمان کا سہارا لے کر خطبہ دینا	۳۳۹
۲۸۳	عصا ہاتھ میں لینے کے سلسلہ میں مذاہب ائمہ	۳۳۹
۲۸۴	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۱﴾ خطبہ میں برچھی کا سہارا لینا	۳۴۱
۲۸۵	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۲﴾ خطبہ میں کسی انسان کا سہارا لینا	۳۴۱
۲۸۶	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۳﴾ عیدگاہ ایک راستہ سے جانا دوسرے سے واپس آنا	۳۴۲
۲۸۷	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۴﴾ بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں پڑھنا	۳۴۳
۲۸۸	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۵﴾ نماز عید الاضحیٰ میں تعجیل	۳۴۴
۲۸۹	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۶﴾ عید کی نماز اگلے دن پڑھنا	۳۴۵
۲۹۰	مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ	۳۴۶
	(الفصل الثالث)	
۲۹۱	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۷﴾ عیدین کی نماز کے لئے اذان و اقامت نہیں	۳۴۷
۲۹۲	حدیث نمبر ﴿۱۳۶۸﴾ نماز عیدین سے قبل خطبہ کی ممانعت	۳۴۸

تمت وبالفضل عمت

x—xx—xx—xx—x

x—xx—x

x—x

x

باب صلوۃ الضحیٰ

(چاشت کی نماز کا بیان)

رقم الحدیث: ۱۲۳۴/ تا ۱۲۴۵/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوۃ الضحیٰ

(چاشت کی نماز کا بیان)

لغوی تحقیق

ضحیٰ کے لغوی معنی ہیں: دن کا بلند ہونا۔

اصطلاح میں ضحیٰ چاشت کی نماز کو کہتے ہیں، جو دن کے کچھ بلند ہونے پر پڑھی جاتی ہے۔اس کا مختار وقت دن کے ابتدائی ربع حصہ کے گذرنے کے بعد ہے۔(مرقاۃ:۲/۱۷۸)

دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک چاشت کی نماز پڑھنا ثابت ہے۔(کما فی التعلیق الصبیح: ۲/۱۱۰) البتہ اکثر علماء کے نزدیک پسندیدہ چار رکعت ہے۔

صلوۃ الضحیٰ

بعض کہتے ہیں کہ یہ اضافت بحذف مضاف ہے:"ای صلوۃ وقت الضحیٰ" لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اضافت بمعنی فی ہے،"ای صلوۃ فی الضحیٰ" جیسے "صلوۃ اللیل ای صلوۃ فی اللیل"

ضحی ضحوۃٌ کی جمع ہے، جیسے قریٰ قریۃٌ کی۔ضحیٰ ایک مخصوص وقت کا نام ہے، یعنی وقت ارتفاع شمس سے لیکر ''الی قبیل نصف النهار'' لیکن وقت مختار اس نماز کا ربع نہار کے بعد سے ہے۔''کما فی الدر المختار'' وغیرہ۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ربع نہار تک کا وقت ضحوۂ صغریٰ ہے، اور ربع نہار سے الی نصف النہار یہ ضحوۂ کبریٰ کہلاتا ہے۔

اس باب میں صاحب مشکوۃ چاشت کی نماز کے بارہ میں احادیث پیش کریں گے، ان احادیث کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چند امور فوائد کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

صلوۃ الضحیٰ کا ثبوت

فائدہ نمبر: ۱/ احادیث صحیحہ کثیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چاشت کی نماز پڑھنا ثابت ہے، اسی طرح بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز کی ترغیب بھی دی ہے، ان میں سے چند احادیث صاحب مشکوۃ نے اس باب میں پیش کردی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔

صلوۃ الضحیٰ کے ثبوت کی احادیث کی کثرت کے پیش نظر ابن جریر طبریؒ نے یہ کہا ہے کہ صلوۃ الضحیٰ کی احادیث معنیً متواتر ہیں۔(التعلیق: ۲/۱۱۰)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چاشت کی نماز نقل کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تقریباً بیس ہے۔حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تقریباً تیئیس ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی احادیث کی تخریج کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً چاشت کی نماز نقل کررہے ہیں۔حاصل یہ ہے کہ صلوۃ الضحیٰ کی مشروعیت احادیث صحیحہ کثیرہ متواترہ یا کالمتواترہ سے ثابت ہے، اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

صلوۃ الضحیٰ کی حیثیت

فائدہ نمبر: ۲/ نماز چاشت کی حیثیت کیا ہے؟ اس میں سلف کا اختلاف ہوا ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ میں سے اکثر حضرات کے نزدیک مندوب و مستحب ہے، اکثر شافعیہ کے نزدیک سنت ہے، حتی کہ بعض نے اسے سنن راتبہ میں سے شمار کیا ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مواظبت کے بغیر مستحب ہے، مواظبت کرنا مستحب نہیں ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ نماز چاشت کی نفس مشروعیت پر متفق ہیں۔

ابن عربیؒ کی تحقیق

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نماز اشراق حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل حضرات انبیاء علیہم السلام کی نماز ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: "**انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق**" [ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔] (آسان ترجمہ)

پس دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں صلوۃ العشی صلوۃ العصر کو تو باقی رکھا، اور صلوۃ اشراق کو منسوخ فرمادیا۔ یعنی اس امت کے حق میں، البتہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں مختلف فیہ ہے، اور حضرت امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا منصوص مذہب یہ ہے کہ یہ نماز حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب تھی۔ کمافی ہامش الروضۃ، (اوجز المسالک: ۳/۲۲۰)

منکرین صلوۃ الضحیٰ کی توضیح

فائدہ نمبر: ۳/ بعض سلف سے صلوۃ الضحیٰ کی مشروعیت کا انکار بھی ثابت ہے، جن میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات بھی شامل ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت صاحب مشکوۃ نے بھی اس باب کے آخر میں پیش کی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! پھر پوچھا گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا نہیں! پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو بھی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ وہ پڑھا کرتے تھے یا نہیں؟ تو جواب دیا "لا اخاله" اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ اس نماز کی مشروعیت واستحباب احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے اس لئے ان حضرات کے اقوال کی مناسب توجیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

علماء نے ان اقوال کی توجیہات کی ہیں۔

بہتر توجیہ یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصد مطلق مشروعیت کا انکار نہیں بلکہ ان حضرات کا مقصد یہ ہے کہ یہ نماز لازم اور ضروری سمجھ کر پڑھنا یا مسجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے۔ اور غیر ثابت ہے، نفس مشروعیت کو یہ حضرات بھی مانتے ہیں، اس کا قرینہ یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے مسروق سے نقل کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ صبح تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاتے جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر چلے جاتے تو بعض لوگ وہیں بیٹھے رہتے اور تھوڑی دیر کے بعد وہیں مسجد ہی میں (اجتماعی طور پر) چاشت کی نماز پڑھتے، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا، آپ نے اس پر انکار فرمایا اور اس کے بعد فرمایا: "ان کنتم لا بد فاعلین ففی بیوتکم" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۴۰۵، بیروت)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نماز چاشت پڑھنے کی نفی کی ہے، تو اس سے بھی ان کا مقصد صرف مداومت ومواظبت کی نفی کرنا ہے، کہ میرے خیال میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہیں کی ہے، ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس پر مواظبت نہیں کی، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی متفق علیہ روایت ہے: "ما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یسبح سبحة الضحیٰ وانی لا سبحها" (بخاری شریف: ۱۵۷/۱، باب من لم یصلی الضحی الخ، حدیث نمبر: ۱۱۶۴) حالانکہ روایات صحیح کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صلوۃ الضحیٰ پڑھنا نقل کر رہی ہیں، اور اس حدیث میں خود ہی فرما رہی ہیں کہ میں یہ نماز پڑھتی ہوں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول کی توجیہ یہی ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبۃ ودواماً یہ نماز نہیں پڑھی۔

صلوۃ الضحیٰ کی پابندی

فائدہ نمبر: ۴؍ فائدہ نمبر: ۳؍ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھی تو ہے لیکن اس پر مواظبت نہیں فرمائی، اس باب کی فصل ثالث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صریح روایت بھی آرہی ہے۔

"کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الضحیٰ حتی نقول لا یدعها ویدعها حتی نقول لا یصلیها" [حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

چاشت کی نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب اس کو کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو چھوڑ دیتے تھے، یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب اس کو نہیں پڑھیں گے۔]

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی۔

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ امت کے لئے بہتر طریقہ کونسا ہے؟ مواظبت اور پابندی کے ساتھ پڑھنا یا ناغہ کرکے پڑھنا؟

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بغیر مواظبت کے پڑھنا اولیٰ ہے۔

ان حضرات نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ روایت سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں فرمائی، اس لئے ہمارے لئے بھی اولیٰ یہی ہے کہ مواظبت نہ کی جائے۔

لیکن راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مواظبت کرنا اولیٰ ہے۔ ایک تو اس لئے کہ احادیث میں اس عمل کو "احب الاعمال" کہا گیا ہے۔ جس کو پابندی سے نبھایا جائے۔ "احب الاعمال الی اللہ ماداوم علیہ صاحبہ وان قل" (عمدۃ القاری: ۷/۲۴۰) [اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل پسندیدہ ہے جس پر اس کا صاحب مداومت کرے، اگرچہ وہ عمل قلیل ہی ہو۔]

دوسرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز پر مداومت کی خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے۔ مثلاً فصل ثالث کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "من حافظ علی شفعة الضحیٰ غفرت له ذنوبه وان کانت مثل زبد البحر" (رواہ احمد والترمذی وابن ماجة)

یعنی جو شخص چاشت کے دوگانہ کی پابندی کرے گا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں

گے، خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی مرفوع حدیث ہے: "لایحافظ علی صلوۃ الضحیٰ الا اواب" [صلوۃ الضحیٰ کی پابندی نہیں کرتا مگر اوّاب۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا)]

ان قولی روایات میں اس نماز کی پابندی اور مواظبت ہی کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خاص عذر کی وجہ سے مواظبت کو ترک کیا ہے، وہ عذر یہ ہے کہ مواظبت کی صورت میں خدشہ تھا کہ کہیں اس نماز کو واجب یا سنت مؤکدہ نہ سمجھ لیا جائے، یا یہ نمازیں من جانب اللہ واجب نہ کر دی جائے، اور عام امتی کے بارے میں یہ عذر موجود نہیں ہے، س لئے کہ ان کی مواظبت احکام میں مؤثر نہیں۔ اس لئے ان کیلئے یہی انسب ہے کہ یہ عمل خیر پابندی سے کریں۔

تعداد رکعات

فائدہ نمبر: ۵/ چاشت کی نماز کتنی رکعات پڑھنی چاہئے؟ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مختلف عدد ثابت ہیں، دو، چار چھ، آٹھ، دس اور بارہ رکعتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اپنی فرصت و ہمت کے مطابق جس عدد کو بھی اختیار کر لے سنت ادا ہو جائے گی۔

صلوۃ ضحیٰ اور صلوۃ اشراق میں فرق

فائدہ نمبر: ۶/ صبح کو طلوع آفتاب سے لے کر نصف النہار تک دو نمازوں کا تذکرہ

کتب حدیث میں آیا ہے، ایک وہ نماز جو آفتاب کے مکمل طور پر طلوع ہو جانے کے بعد ہی جلدی پڑھ لی جاتی ہے۔

دوسری وہ جو گرمی میں ذرا شدت آجانے کے بعد پڑھی جاتی ہے، پہلی کو صلوۃ اشراق اور دوسری کو صلوۃ ضحیٰ کہا جاتا ہے، ان ناموں کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

اس بات میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ صلوۃ اشراق اور صلوۃ ضحیٰ ایک ہی نماز کے دو نام ہیں یا دو الگ الگ نمازیں ہیں؟

اکثر محدثین وفقہاء کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ فرق صرف اعتباری ہے، اگر یہ نماز طلوع آفتاب کے بعد جلدی پڑھ لی جائے تو یہ صلوۃ اشراق ہے، اور اگر کچھ دیر ٹھہر کر پڑھی جائے تو یہی نماز صلوۃ چاشت بن جاتی ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ دو نمازیں الگ الگ ہیں، حافظ سیوطی اور شیخ علی متقی صاحب کنز العمال کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ امام دارمی کے انداز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنی سنن میں پہلے باب قائم کیا ہے: "**باب فی اربع رکعات فی اول النهار**" اس کے بعد دوسرا عنوان قائم کیا ہے: "**باب صلوة الضحیٰ**" اکثر صوفیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اس بات کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱)...... بعض احادیث میں اس نماز کا وقت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: "**صلوة الاوابین حین ترمض الفصال**" (جیسا کہ فصل اول کی آخری حدیث بحوالہ مسلم میں ہے) یعنی صلوۃ الضحیٰ (جس کا دوسرا نام صلوۃ الاوابین بھی ہے) اس وقت پڑھی جاتی ہے جب کہ گرمی کی وجہ سے زمین اتنی گرم ہو جائے کہ اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگ جائیں، یعنی خوب دن چڑھنے کے بعد یہ نماز پڑھنی چاہئے۔ اور راوی حدیث

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے بعض لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اس کو خلافِ اولیٰ قرار دیا، دوسری طرف بعض احادیث میں سورج طلوع ہونے کے بعد ہی نماز پڑھنے کی ترغیب آ رہی ہے۔ (سنن دارمی: ۲۷۸/۱، طبع ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔ ایک نماز وہ ہے جو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اور دوسری وہ ہے جس کا وقت ذرا گرمی میں شدت آنے پر شروع ہوتا ہے۔

(۲)...... سنن نسائی میں روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیر فرض نمازوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: "کان اذا کانت الشمس من ھھنا کھیأتھا من ھھنا عند العصر صلی رکعتین فاذا کانت من ھھنا کھیأتھا من ھھنا عند الظھر صلی اربعا ویصلی قبل الظھر اربعا الخ" (نسائی شریف: ۱۱۰/۱، باب الامامۃ، الصلوۃ قبل العصر، ترمذی شریف: ۱۳۱/۱، کیف کان یتطوع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالنہار، شمائل ترمذی: ۱۹/۱، فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) [حضرت رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سورج ادھر (مشرق کی طرف) اس طرح ہوتا تھا جس طرح (مغرب کی طرف) عصر کے وقت ہوتا ہے، دو رکعت پڑھتے تھے، اور جب سورج اس طرح ہوتا تھا جس طرح ظہر کے وقت ہوتا ہے اس وقت چار رکعات پڑھتے تھے، اور ظہر سے قبل چار رکعات پڑھتے تھے۔]

نسائی ہی کی دوسری روایت کے لفظ ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی حین ترتفع الشمس رکعتین وقبل نصف النہار اربع رکعات یجعل التسلیم فی آخرہ. (نسائی شریف: ۱۰۰/۱، باب الامامۃ، الصلوۃ قبل

العصر الخ) [حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورج بلند ہونے پر دو رکعت پڑھتے تھے، اور نصف النہار سے قبل چار رکعات پڑھتے تھے، اور سلام ان کے اخیر میں پھیرتے تھے۔]

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلوع آفتاب اور نصف النہار کے درمیان دو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک طلوع آفتاب کے بعد، دوسری نصف النہار سے پہلے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ التعلیق: ۲/۱۱۱،۱۱۰، بذل: ۵/۵۱۲، اشرف التوضیح لمحات التنقیح: ۲/۴۸۰)

﴿الفصل الاول﴾

نماز چاشت آٹھ رکعات

﴿۱۲۳۴﴾ وَعَنْ اُمِّ هَانِىٍٔ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِىَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِىْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۵۲، باب الصلوة فی الثوب الواحد، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۳۵۷. مسلم شریف: ۱/۲۴۹، باب استحباب صلوة الضحی، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر: ۳۳۶.

ترجمه: حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا

[1] ام ہانی: ان کا اصل نام فاختہ تھا، اور بعضوں نے ہند کہا ہے، یہ ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن ہیں، ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، مشہور صحابیہ ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا۔ (مظاہر حق: ۲/۳۲۵)

کہ فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف لائے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، اور آٹھ رکعات نماز پڑھی، میں نے کوئی نماز اتنی ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع اور سجدے مکمل فرمائے، ایک دوسری روایت میں حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضحیٰ کی نماز پڑھی، پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے، ضحیٰ سے دو نمازیں متعلق ہیں:

(۱)......ضحوۂ صغریٰ: اس کو اشراق کی نماز کہا جاتا ہے۔

(۲)......ضحوۂ کبریٰ: یہ چاشت کی نماز ہے۔

صبح وقت مکروہ گذرنے کے بعد سے دن کا پہلا حصہ گذرنے تک جو نماز پڑھی جائے وہ اشراق ہے، اور دوسرا چوتھائی حصہ شروع ہونے سے دوپہر یعنی نصف النہار تک جو نماز پڑھی جائے وہ چاشت ہے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو نماز پڑھی وہ چاشت کی مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات نماز پڑھی تھی، بہت ہلکی نماز پڑھی، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختصر قرأت فرمائی، اور رکوع وسجود میں تسبیحات مختصر تعداد میں پڑھیں، لیکن رکوع وسجود کی تعداد میں کوئی کمی نہیں فرمائی۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں: صلوۃ الضحیٰ کا ثبوت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتراً ثابت ہے، اس کا انکار جیسا کہ بعض علماء سے منقول ہے صحیح نہیں، بلکہ نفی کی روایات مؤول ہیں، چنانچہ سنن ابو داؤد میں متعدد روایات اس کی ترغیب اور فضیلت میں موجود ہیں۔

صحیح بخاری شریف: ۱۵۷/۱ میں ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "اوصانی خلیلی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بثلاث لا ادعهن حتی اموت صوم ثلاثة

ایام کل شهر و صلوة الضحی و نوم علی وتر" ابن جریر طبری نے بھی اسکی روایات کا حدتواتر کو پہنچنا لکھا ہے،(کما فی هامش اللامع: ۲/۵۲) [مجھے میرے دوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی کہ مرنے تک ان کو نہ چھوڑوں، ہر ماہ تین دن کے روزے، نماز چاشت اور وتر پڑھ کر سونا۔]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں حاکم نے صلوۃ الضحیٰ کے اثبات میں جو روایات وارد ہیں ان کو ایک مستقل جزء میں جمع کیا ہے، اور اس کے رواۃ کو بیس صحابی تک پہونچا دیا ہے۔ تفصیل شروع میں گذر چکی۔ (الدر المنضود) التعلیق الصبیح: ۲/۱۱۱/۱۰۔

نماز چاشت چار رکعات

﴿۱۲۳۵﴾ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲۴۹/ ۱، باب استحباب صلوة الضحی، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر: ۷۱۹۔

ترجمه: حضرت معاذہؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاشت کی نماز کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ چار رکعت پڑھتے تھے۔ اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا اس میں اضافہ فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاشت کی نماز چار رکعات یا اس سے

زائد پڑھتے تھے، اس طرح کی روایات سے استدلال کر کے اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز چاشت کم از کم چار رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ صلوۃ الضحیٰ کے مصداق میں اشراق، چاشت دونوں نمازیں داخل ہوسکتی ہیں۔ (طیبی: ۳/۱۷۴)

صلوۃ الضحیٰ کی فضیلت

﴿۱۲۳۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ فَکُلُّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَیُجْزِئُ مِنْ ذٰلِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۰، باب استحباب صلوۃ الضحی، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۰۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر شخص پر اس کی ہر ہڈی کی طرف سے صدقہ لازم ہے، ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، اور الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، اور ہر تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اور ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اور صلوۃ الضحیٰ کی دو رکعت پڑھ لینا ان صدقات کی طرف سے کافی ہے۔

تشریح: یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقۃ:

صدقۃٌ ترکیب میں یصبح کا اسم ہے، اور جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر اس کی خبر ہے، ای تصبح الصدقۃ واجبۃ علی کل سلامی.

سلامی جمع ہے سلامیۃ کی، سلامیہ بمعنی انملہ (انگلی کا پورا) یعنی روزانہ تم میں سے ہر ایک شخص پر اس کے جوڑوں اور پوروں کی طرف سے صدقہ واجب ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی کے بدن میں جیسا کہ مشہور ہے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اور ہر روز ہر شخص اپنے تمام اعضاء اور جوڑوں کی سلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے، پس اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں ہر بندے پر اس کے اعضاء کی طرف سے روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے، اب یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ ہر شخص میں اتنی استطاعت کہاں ہے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سبحان اللہ کہنا، الحمدللہ کہنا، لا الہ الا اللہ کہنا، اللہ اکبر کہنا، نیکی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا، غرض کہ ہر نیکی صدقہ ہے، اور دو رکعت نماز چاشت کی ان تمام صدقات کے لئے کافی ہے، (ان کے قائم مقام ہے) اس لئے کہ مقصد تو ہر عضو اور جوڑ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا اس پر جو حق واجب ہے اس کو ادا کرنا ہے، اور نماز میں چونکہ بدن کا ہر عضو اور جوڑ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں متحرک ہو جاتا ہے، اس لئے سب اعضاء کی طرف سے حق واجب ادا ہو جاتا ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۱۱، طیبی: ۲/۱۷۵، مرقاۃ: ۲/۱۷۹) (الدر المنضود)

نماز چاشت کا افضل وقت

﴿۱۲۳۷﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ

اَلْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۷، باب صلوۃ الاوابین الخ، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۴۸.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کہ البتہ تحقیق کہ یہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ نماز اس وقت کے علاوہ میں افضل ہے، بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اوابین کی نماز اس وقت ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں تپنے لگیں۔''

تشریح: چاشت کی نماز کا مختار اور مستحب وقت وہ ہے جب زمین تپنے لگے، یعنی نصف النہار سے کچھ پہلے اس کو ڈیڑھ پہر بھی کہا جا سکتا ہے۔

رای قوما یصلون من الضحی: کچھ لوگ تھوڑی مقدار میں سورج بلند ہوا کہ چاشت کی نماز ادا کرنے لگے، اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نکیر فرمائی کہ جب چاشت کی نماز کا افضل وقت جانتے ہیں تو پھر اسی وقت اس نماز کو کیوں نہیں ادا کرتے۔

صلوۃ الاوابین: حدیث باب میں چاشت کی نماز کو اوابین کی نماز فرمایا گیا ہے، جب کہ مغرب کے بعد کی نوافل کو بھی اوابین کہا جاتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ "اواب" کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا، تو لغوی معنی کے اعتبار سے اشراق، چاشت، مغرب کے بعد کے نوافل، تہجد کی نماز سب "صلوۃ الاوابین" ہیں، کیونکہ یہ تمام نمازیں اہتمام کے ساتھ اللہ کے وہی نیک بندے ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

حین ترمض الفصال: فصال! فصیل کی جمع ہے، اونٹنی کا وہ بچہ جس کو اپنی ماں سے جدا کر دیا گیا ہو، رمض کا معنی ہے سورج کی گرمی کی وجہ سے کسی چیز کا گرم

ہوجانا۔ الفصال سے پہلے یہاں مضاف محذوف ہے، یعنی حین ترمض خفاف الفصال. جس وقت سورج کی گرمی کی وجہ سے اونٹنی کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں، یعنی یہ نماز اس وقت پڑھنی چاہئے جب سورج خوب بلند ہوجائے، بعض احناف نے اس کی تحدید ربع النہار سے بھی کی ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۱۲، مرقاۃ: ۲/۱۸۰) (اشرف التوضیح)

﴿الفصل الثانی﴾

نماز چاشت کی فضیلت

﴿۱۲۳۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ وَاَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ یَا ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ۔ (رواہ الترمذی) وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ نُعَیْمِ بْنِ هَمَّارٍ الْغَطْفَانِیِّ وَاَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۰۸، باب ما جاء فی صلوۃ الضحیٰ، حدیث نمبر: ۴۷۵۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرزند آدم! تو دن کے شروع میں میرے لئے چار رکعت پڑھ، میں دن کے آخر تک تیری کفایت کروں گا۔ (ترمذی) اس روایت کو ابوداؤد اور دارمی نے حضرت نعیم بن همار غطفانی

سے اور امام احمدؒ نے سب سے نقل کیا ہے۔

تشریح: چاشت کی چار رکعات نماز بڑی خیر و برکت والی نماز ہے، اگر کوئی شخص ان کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے شام تک کے مسائل حل فرماتے رہیں گے۔

ارکع لی: خالص اللہ کی رضا کے لئے دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھو، یہ کون سی چار رکعات ہیں، بعض لوگ اشراق کی یا چاشت کی چار رکعات مراد لیتے ہیں، جب کہ بعض لوگ فجر کی سنت اور فرض ملا کر جو چار رکعات ہوتی ہیں وہ مراد لیتے ہیں۔

اکفک اخرہ: مطلب یہ ہے کہ ان چار رکعات کی برکت سے اللہ تعالیٰ دن بھر کی تمام ضروریات پوری فرمادیں گے، تمام دشواریوں اور پریشانیوں سے نجات عطا کریں گے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۰)

صلوۃ الضحیٰ کی اہمیت

﴿۱۲۳۹﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ الْإِنْسَانِ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ مَفْصِلاً فَعَلَيْهِ اَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۷۱۱، باب فی اماطة الاذی عن الطریق، باب الادب، حدیث نمبر: ۵۲۴۲۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ

ہیں، اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ دے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی اس کی استطاعت کس میں ہوگی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو مٹی میں چھپا دینا، کسی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا صدقہ ہے، اور اگر کچھ نہ پاؤ تو دو رکعت چاشت کی نماز تمہاری طرف سے کافی ہوگی۔

تشریح: فعلیہ ان یتصدق: آدمی کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر روز ہر شخص اپنے تمام جوڑوں کی صحت وسلامتی کے ساتھ صبح کرتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ میں صدقہ کرے۔

قالوا ومن یطیق: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اتنی استطاعت کہاں ہو پائے گی کہ آدمی روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشواری کو رفع فرماتے ہوئے بتایا شکر بجالانے کے لئے تین سو ساٹھ صدقے ضروری نہیں ہیں، بلکہ چھوٹے موٹے نیک کام بھی صدقہ بن سکتے ہیں، چند نیک کام حدیث باب میں مذکور ہیں۔

بہر حال ہر نیک کام صدقہ ہے اور اگر کوئی چاشت کی دو رکعات نماز پڑھے، تو تمام صدقات کیلئے کافی ہے، اس وجہ سے کہ نماز کے ذریعہ سے تمام جوڑوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے، اور یوں ہر جوڑ کی طرف سے شکریہ ادا ہو جاتا ہے، حدیث باب کے اندر "فعلیہ ان یتصدق" سے یہ سمجھنا کہ چاشت کی نماز یا دیگر ثواب کے امور واجب ہیں اور اس کا تارک گنہگار ہے صحیح نہیں ہے، یہاں تو تاکید کے ساتھ ان امور کے ادا کرنے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۱)

چاشت کی بارہ رکعات

﴿۱۲۴۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا مِنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔

حواله: ترمذی شریف:١٠٨/١، باب ماجاء فی صلوة الضحیٰ، کتاب الوتر، حدیث نمبر:٤٧٣۔ابن ماجه شریف:٩٨، باب ماجاء فی صلوة الضحیٰ، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:١٣٨٠۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص چاشت کی بارہ رکعات نماز پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائیں گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اس وجہ سے کہ اس حدیث کو اس سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے ہم نہیں جانتے۔

تشریح: حدیث پاک میں چاشت کی بارہ رکعات پڑھنے پر جنت میں سونے کے محل کا وعدہ ہے، حدیث پاک کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہر روز چاشت کی بارہ رکعات پڑھے گا ہر روز سونے کا محل اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا کیا ٹھکانا ہے، کاش ہم اس کی قدر اور شکر گذاری کریں۔

نماز اشراق کی فضیلت

﴿١٢٤١﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَايَقُوْلُ اِلَّا

خَیْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَایَاهُ وَاِنْ کَانَتْ اَکْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۲، باب صلوۃ الضحیٰ، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۲۸۷۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ وہ اشراق کی دو رکعت نماز پڑھے، اور اس درمیان کلمۂ خیر کے علاوہ کچھ نہ بولے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اگرچہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

تشریح: فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ ہی پر بیٹھ کر ذکر و اذکار میں لگا رہے، اور جب سورج نکل کر ذرا بلند ہو جائے، یعنی وقت مکروہ نکل جائے تو اشراق کی نماز ادا کرے، اور فجر اور اشراق کے درمیانی وقت میں دنیوی امور سے متعلق کوئی بات نہ کی جائے، جو شخص اس عمل کا اہتمام کریگا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے تمام گناہ معاف فرمادیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں، حدیث پاک کا مصداق نماز اشراق ہی ہے، اور بظاہر تو یہ فضیلت اس وقت ہے جب کہ نماز فجر کے بعد اسی جگہ اشراق تک ذکر میں مشغول رہے، پھر نماز اشراق ادا کرے، اور مسجد تمام چونکہ محل واحد ہے، اس لئے مسجد میں کسی ضرورت سے ادھر ادھر ہو جانے سے بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۲)

﴿الفصل الثالث﴾

ایضاً

﴿۱۲۴۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَۃِ الضُّحٰی غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُہٗ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

حوالہ: مسند احمد: ۲/۴۹۹، ترمذی شریف: ۲/۱۰۸، باب ماجاء فی صلوۃ الضحیٰ، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۷۶۔ ابن ماجہ: ۹۸، باب ماجاء فی صلوۃ الضحیٰ، کتاب اقامۃ الصلوۃ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص اشراق کی دو رکعتوں کی پابندی کریگا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں اشراق کی دو رکعتوں پر مداومت کی بھی شرط ہے، جس سے اشارہ ہے کہ ان دو رکعتوں پر مداومت کرنا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۲)

نمازِ چاشت کی عظمت

﴿۱۲۴۳﴾ وَعَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّھَا کَانَتْ تُصَلِّی الضُّحٰی ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَلِیْ اَبَوَایَ مَاتَرَکْتُھَا۔ (رواہ مالک)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۵۳، باب صلوۃ الضحیٰ، کتاب قصر الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھتی

تھیں، اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ میرے لئے زندہ کر دیئے جائیں تو بھی میں اس نماز کو ترک نہ کروں گی۔

تشــــریح: یہ نماز مجھے اتنی محبوب ہے کہ اگر بالفرض میرے والدین کو زندہ کر دیا جائے اور مجھے اس کی اطلاع دی جائے اور ان سے ملاقات کیلئے مجھے چاشت کی نماز ترک کرنا پڑے تو میں چاشت کی نماز ترک کر کے ان کی ملاقات کیلئے نہیں جاؤں گی۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حیرت انگیز عمل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمارہی ہیں: "لــو نشــر لی ابوای مــا تــر کتھا" کہ اگر کوئی بالفرض مجھ سے یہ آ کر کہے کہ تمہارے ماں باپ دونوں زندہ ہو کر پھر دنیا میں آ گئے، (ان سے ملنے چلو) تو میں اس وقت بھی اس نماز کو نہیں چھوڑ سکتی، اللہ اکبر! ان حضرات صحابہ کرام وصحابیات رضی اللہ عنہم کے یہاں آخرت کی تیاری میں اعمال کا کس قدر اہتمام تھا، اور فی الواقع آخرت کا مسئلہ ہے ہی اس قابل کہ اس کا ایسا اہتمام کیا جائے، وہاں کی زندگی لا متناہی ہے کہ کروڑوں سال گذرنے پر بھی ختم ہونے کا نام نہیں، وہاں کی ہر چیز راحت ہو یا مصیبت دائمی ہے، ہمارے اسلاف واکابر بھی بحمد اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے۔ اللھم احشرنا معھم وارزقنا اتباع ھدیھم. (الدر المنضود) (مرقاۃ: ۲/۱۸۲)

نماز چاشت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

﴿۱۲۴۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّی الضُّحٰی حَتّٰی نَقُوْلَ لَا

يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا۔ (رواه الترمذى)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۰۸، باب ماجاء فی صلوة الضحیٰ، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کبھی اتنے اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہمارا گمان ہوتا کہ آپ اس نماز کو کبھی نہیں چھوڑیں گے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اس کو پڑھنا بند کردیتے تھے، یہاں تک کہ ہمارا گمان ہوتا ہے کہ اب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو کبھی نہیں پڑھیں گے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت پر شفقت کی وجہ سے خواہش کے باوجود نفلی عمل کی مداومت کو ترک فرمادیا کرتے تھے، کہ کہیں یہ عمل امت پر فرض وواجب نہ ہوجائے، اور پھر امت مشقت میں پڑ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے عمل کے ساتھ تھی کہ کسی عمل پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے التزام سے وہ عمل فرض ہوجاتا تھا، امت کے کسی فرد کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ لہٰذا امت کے لوگ اگر اس نماز پر التزام ومواظبت کریں تو مستحب ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۳، التعلیق: ۲/۱۱۳)

نماز چاشت کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا فرمان

﴿۱۲۴۵﴾ وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا تُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ لَا قُلْتُ فَأَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِخَالُہٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۵۷، باب صلوۃ الضحیٰ فی السفر، کتاب التھجد، حدیث نمبر: ۱۱۷۵۔

ترجمہ: حضرت مورق عجلیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کہ نہیں، میں نے پوچھا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے؟ فرمایا: نہیں، میں نے دریافت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ پڑھتے تھے؟ فرمایا: نہیں، میں نے سوال کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ فرمایا: کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔

تشریح: گذشتہ احادیث مبارکہ سے نماز ضحیٰ کی فضیلت واہمیت معلوم ہو چکی، حدیث الباب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی نفی فرمارہے ہیں، جو گذشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے، لہٰذا اس میں تاویل کی جائے گی، مثلاً

(۱)......حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشاء دوام کی نفی ہے۔

(۲)......یا رویت کی نفی فرمارہے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا۔

(۳)......اظہار کی نفی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اظہار واعلان کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

(۴)......مسجد میں پڑھنے کی نفی فرمارہے ہیں، کہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، باقی تفصیل اوپر گذر چکی۔ (مرقاۃ: ۳/۱۸۳، طیبی: ۳/۱۸۰،۱۷۹، التعلیق: ۲/۱۱۳)

❁❁❁

باب التطوع

(نفل نمازوں کا بیان)

رقم الحدیث: ١٢٤٦ / تا ١٢٥٤ /

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التطوع

(نفل نمازوں کا بیان)

تطوع کی تحقیق

تطوع طوع سے ماخوذ ہے، تابعداری کرنا وفرمانبرداری کرنا، نفلی عبادات کو تطوع اور نفلی عبادت کرنے والے کو مطوع کہا جاتا ہے، تطوع اور نفل کا اطلاق عموماً سنن غیر مؤکدہ پر ہوتا ہے، نوافل مقدماتِ فرائض اور مکملاتِ فرائض ہوتے ہیں، اس لئے علماء لکھتے ہیں کہ سنن ونوافل کی ادائیگی کے بعد فرائض کی ادائیگی ایسے ہی ہے جیسے گھر میں دروازے سے داخل ہونا اور بغیر پیشگی نوافل وسنن، فرائض میں مشغول ہونا، گھر میں پیچھے سے اور نقب لگا کر داخل ہونے کے مثل ہے۔

نوافل کی مشروعیت کی حکمت

حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ میں نوافل کی مشروعیت کی حکمت اس طرح بیان کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دنیوی واخروی ضروریات کو شریعت میں بیان

کر دیا ہے، اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، اس میں انسانوں کے مشاغل کا بھی لحاظ کیا، جو لوگ دنیا میں زیادہ مشغول ہیں وہ فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ دنیوی مشاغل میں مشغول رہیں گے، اور یہ دنیوی مشاغل شریعت کی پابندی اور حسن نیت کی برکت سے ان کے لئے عبادت اور قرب خداوندی میں زیادتی کا ذریعہ نے گی۔

جن لوگوں کے لئے دنیوی مشاغل زیادہ نہیں ان کے لئے حق تعالیٰ نے نوافل کو رکھا تاکہ نوافل میں مشغول ہو کر قرب خداوندی میں زیادتی اور آخرت کے بلند درجات حاصل کر سکیں، اس لئے کہ اگر نوافل کو نہ رکھا جاتا تو وہ حضرات تو غیر ضروری اور بے فائدہ کاموں میں مشغول ہوتے، یا تعطل کا شکار ہو جاتے، اس لئے رحمت خداوندی نے ان حضرات کی دستگیری کی اور ان کے لئے نوافل کو مشروع فرمایا، اور ان میں بعض کے اوقات واسباب متعین فرمائے، ان کے فوائد بھی بیان کئے اور ان کی ادائیگی اور ان پر پابندی کی ترغیب دی، ان کے علاوہ نوافل کی بالا جمال ترغیب دی۔ اور ان کے اسباب واوقات متعین نہیں کئے، ان کو اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ قرب خداوندی اوراخروی بلند درجات کا زیادہ سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔ فقط

خلاصہ یہ کہ نوافل خواہ موقت ہوں یا غیر موقت، بعض بندوں کی ضرورت ہیں، اور ضرورتیں مہیا کرنا پروردگار عالم کی رحمت کا تقاضہ ہے، اس لئے نوافل مشروع کئے گئے ہیں۔

(مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۴۷۳)

نوافل کے اقسام

تطوع کا اطلاق فرائض کے علاوہ عبادات پر ہوتا ہے۔ تطوع (نماز نوافل) دو قسم کے ہیں۔ (۱) وہ نوافل جن کے لئے جماعت مسنون ہے، جیسے نماز عیدین، نماز جنازہ، نماز

کسوف، نماز استسقاء اور نماز تراویح۔ (۲) وہ نوافل جن کو تنہا تنہا ادا کیا جاتا ہے۔

جن نمازوں میں جماعت مسنون ہے، وہ نمازیں تنہا پڑھنے کے مقابلے میں افضل ہوں گی ان نمازوں سے جن نمازوں میں جماعت مسنون نہیں ہے۔

ان میں سب سے افضل نماز عیدین پھر نماز کسوف پھر نماز استسقاء ہے، اور جن نفل نمازوں کو منفرداً ادا کرنا مسنون اور افضل ہے، ان میں وتر، پھر سنت فجر، پھر سنن مؤکدہ ہیں۔

جن نوافل کو منفرداً ادا کیا جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سنت معینہ، یعنی جن کا وقت اور جن کی تعداد متعین ہے۔ (۲) نوافل مطلقہ یعنی جن کی تعداد اور وقت متعین نہیں ہے۔

پھر سنت معینہ کی چند قسمیں ہیں۔ (۱) سنن مؤکدہ فرائض کے ساتھ۔ (۲) نوافل، سنن مؤکدہ کے ساتھ، یا فرائض کے ساتھ، جیسے چار رکعت زوال کے بعد اور چار رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے پہلے اور دو رکعت مغرب سے پہلے اور چھ رکعت سے لے کر بیس رکعت تک مغرب کے بعد اور انہیں میں سے معینہ نمازیں اس کے علاوہ ہیں۔ (۳) نماز چاشت۔ (۴) صلوۃ التسبیح۔ (۵) نماز استخارہ۔ (۶) صلوۃ الحاجۃ۔ (۷) صلوۃ التوبہ۔ (۸) تحیۃ الوضوء۔ (۹) تحیۃ المسجد۔ (۱۰) دو رکعت نماز دخول منزل اور خروج منزل کے وقت۔ (۱۱) دو رکعت نماز ابتداء سفر اور واپسی سفر کے وقت۔

نوافل مطلقہ ان کی کوئی تحدید نہیں دن یا رات کسی وقت بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اوقات ممنوعہ کے علاوہ، البتہ رات کی نوافل دن کی نوافل سے بہتر ہوں گی۔ (**مستفاد التعلیق الصبیح: ۲/۱۱۴**)

﴿الفصل الاول﴾

تحیة الوضو

﴿۱۲۴۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ! حَدِّثْنِیْ بِاَرْجیٰ عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَاعَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجیٰ عِنْدِیْ اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۵۴، باب فضل الطهور، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۱۴۹، مسلم شریف: ۲/۲۹۲، باب فی فضائل بلال رضی اللہ تعالیٰ عنه، کتاب فضائل الصحابة، حدیث نمبر: ۲۴۵۸۔

حل لغات: ارجی: اسم تفضیل رجاء سے امید کرنا، رجا (ن) رجوا توقع کرنا، امید رکھنا، دف (ض) دفا، بجانا، الطائر، پھڑ پھڑانا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام میں کون سا زیادہ نفع دینے والا کام کیا ہے؟ کیوں کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے تو اپنے نزدیک اس سے زیادہ امید والا کوئی عمل نہیں کیا کہ جب میں نے رات یا دن میں

کسی بھی وقت وضو کیا تو اس وضو سے نماز پڑھتا ہوں جو میری تقدیر میں لکھی ہے۔

تشــــریح: وضو کے بعد دو رکعت نفل نماز کو تحیۃ الوضو کہا جاتا ہے، جو مستحب ہے، جس کی فضیلت حدیث الباب سے ظاہر ہے، یہ واقعہ یا تو معراج میں پیش آیا، یا اور کسی موقعہ پر خواب میں جنت کی سیر کے دوران پیش آیا۔

اشـکـال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے، تو گویا وہ فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑھ گئے۔

جــواب: کسی کا محض پہلے داخل ہو جانا یا کسی سے آگے چلنا، آگے ہونا فضیلت کی دلیل نہیں، مشائخ کے آگے سلاطین کے آگے بعض دفعہ ان کے خدام چلتے ہیں، راستہ صاف کرنے کے لئے، یا دروازہ کھولنے اور تکیہ و مسند وغیرہ رکھنے کے لئے جو ان کے مقرب ہونے کی تو دلیل ہے، مگر افضل ہونے کی نہیں۔ گاڑی میں مالک پیچھے ہوتا ہے، اور ڈرائیور آگے، ڈرائیور کے آگے ہونے سے وہ مالک سے افضل نہیں ہو جاتا، ہوائی جہاز میں پائلیٹ آگے ہوتا ہے، اور بادشاہ پیچھے ہوتا ہے، آگے ہونے سے پائلیٹ بادشاہ سے افضل نہیں ہو جاتا، البتہ بادشاہ کے مقرب ہونے کی فضیلت ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فی نفسہ فضیلت تو ظاہر ہے، نہ کہ افضلیت۔ فــلا اشـــکـــال۔ (التعلیق: ۱۱۵/۱۱۶/۲، مرقاۃ: ۱۸۴/۲، طیبی: ۱۸۲/۳)

فــــائــدہ: حدیث الباب سے تحیۃ الوضو کی فضیلت ظاہر ہے، کہ اس نماز کی پابندی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

نماز استخارہ

﴿۱۲۴۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَۃَ فِی الْاُمُوْرِ کُلِّہَا، کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ یَقُوْلُ اِذَا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بِالْاَمْرِ فَلْیَرْکَعْ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیْضَۃِ ثُمَّ لِیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّی فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَہٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۵۵/۱، باب ماجاء فی التطوع مثنی، کتاب التہجد، حدیث نمبر: ۱۱۶۲۔

حل لغات: الاستخارۃ باب استفعال سے طالب خیر ہونا، آجلہ اجل (س) اجلا، دیر ہونا، آجلا ام عاجلا، دیر سویر، واصرف صرف (ض) صرفا الشیء ہٹانا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے، جیسے آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ فرض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے، ''اللھم انی استخیرک الخ'' [اے اللہ! آپ کے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت سے طاقت چاہتا ہوں، اور آپ سے آپ کے فضل عظیم کی درخواست کرتا ہوں، اس وجہ سے کہ آپ قدرت رکھتے ہیں، اور میں نہیں رکھتا، آپ کو علم ہے اور مجھے علم نہیں ہے، اور آپ ہی تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والے ہیں، پس اے میرے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے دین میری دنیا اور میرے انجام کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری دنیا اور میری آخرت کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے، تو اس کو میرے لئے مقدر فرما، اس کو میرے لئے آسان کر، اور میرے لئے اس میں برکت عطا فرما، اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے حق میں بہتر نہیں ہے تو اس کو مجھ سے دور رکھئے، اور مجھ کو اس سے دور رکھئے اور جہاں میرے لئے خیر و بھلائی ہو مقدر فرما، پھر مجھ کو اس سے راضی کر دیجئے] راوی کہتے ہیں کہ ''ھذا الامر'' کی جگہ اپنی حاجت کا نام لے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں صلوۃ الاستخارہ کا ذکر ہے، نماز استخارہ کے متعلق چند امور کی مختصر اوضاحت کر دینا مناسب ہے۔

حکم استخارہ

امر اول: کسی اہم مباح کام کے کرنے سے پہلے دو امر مستحب ہیں، ایک استشارہ دوسرا استخارہ۔ استشارہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اہم قدم اٹھانے سے پہلے کسی ایسے شخص سے مشورہ کرلیا جائے جو دیانتدار اور خیر خواہ بھی ہو، اور متعلقہ معاملہ کو سمجھتا بھی ہو، اور

استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کے یہ دعا کرلی جائے کہ حق تعالیٰ صحیح جانب قدم اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائیں، اور جس کام کا میں نے ارادہ کیا ہے اگر اس میں میرا کوئی دنیوی یا اخروی نقصان ہو تو مجھے اس سے بچالیں۔

حکمت استخارہ

امر ثانی: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے استخارہ کی حکمت پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کو جب کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہوتا تھا تو ایک جانب کو متعین کرنے کے لئے مختلف جاہلانہ طریقوں سے کام لیتے تھے، ان میں سے ایک اہم طریقہ استقسام بالازلام کا بھی تھا، یعنی تیروں کے ذریعے سے اس کام کا مفید یا مضر ہونا معلوم کرتے تھے، اس کی بھی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ اسلام نے ان تمام صورتوں سے منع کردیا اور اس کے بدلہ میں مسلمانوں کو صلوۃ الاستخارہ کا طریقہ عنایت فرمایا۔ اس میں بندہ ان مشرکانہ اور جاہلانہ طریقوں کو اپنانے کے بجائے براہ راست اس قادر مطلق اور علام الغیوب ذات کی بارگاہ میں یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ میرا علم بھی ناقص اور میری قدرت بھی ناقص اس لئے نہ تو میں خود اپنی بھلائی کا فیصلہ کرسکتا ہوں اور نہ ہی اس کو عملی جامہ پہنا سکتا ہوں، لیکن آپ کا علم بھی کامل ہے، اور قدرت بھی کامل ہے، اس لئے آپ کو میری بھلائی بھی خوب معلوم ہے، اور اس کو پورا کرنے پر آپ قادر بھی ہیں، اس لئے آپ کے علم میں اگر یہ معاملہ میری دنیا وآخرت کے لئے مفید ہے تو یہی میرے لئے مقدر کردیجئے۔ اور اس کو بسہولت پورا فرمادیجئے۔ اور اگر یہ معاملہ آپ کے کامل علم میں میرے لئے مضر ہے تو آپ خود ہی میری توجہ اس سے پھیر

دیجئے، اور میرے لئے وہ راستہ مقدر کیجئے جس میں میرے لئے خیر ہو، ظاہر ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کے سامنے عاجزانہ انداز میں یہ درخواست کرے گا تو وہ اس کی ضرور رہنمائی فرمائیں گے، اور اس کام کے دینی یا دنیوی نقصانات سے محفوظ رکھیں گے، اس کا یہ کام بھی درست ہو جائے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق اپنے مولیٰ کے ساتھ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا، اس کے برعکس دوسرے جاہلانہ طریقوں میں بھلائی کی بھی کوئی توقع نہیں ہوتی اس لئے ان طریقوں میں انسان ایسی چیزوں سے راہنمائی طلب کرتا ہے جو علم وقدرت میں اس سے بھی کم تر ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ طریقے بندے کو اپنے مالک حقیقی سے بھی دور کر دیتے ہیں۔
(حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۷۹ مطبوعہ حجاز دیوبند، التعلیق: ۲/۱۱۶)

استخارہ کن امور میں کیا جائے؟

امر ثالث: استخارہ صرف مباحات یا واجبات غیر مؤقتہ میں کرنا چاہئے۔ واجبات مؤقتہ یا مندوبات میں استخارہ کی ضرورت نہیں، بلکہ بغیر استخارہ کے ہی ان کو کرلینا چاہئے، ایسے ہی محرمات یا مکروہات میں بھی استخارہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ بغیر استخارہ کے ہی ان کاموں سے بچنا چاہئے۔ (معارف السنن: ۴/۲۷۸) اس لئے کہ واجبات ومندوبات کا نافع ہونا اور محرمات ومکروہات کا ضار ہونا پہلے ہی معلوم ہے۔

استخارہ کا طریقہ

امر رابع: استخارہ کا طریقہ حدیث میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا، یعنی دو رکعت نفل پڑھ کر دعاءِ استخارہ پڑھ لے، صرف اتنا کر لینے سے استخارہ کی سنت اداء ہو جائے گی،

سونا وغیرہ اداءِ سنت کے لئے ضروری نہیں۔ البتہ مشائخ نے اپنے تجربات کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ یہ دعاء پڑھنے کے بعد کچھ دیر لیٹ جانا بھی چاہئے۔
اسی طرح حدیث میں کوئی خواب وغیرہ نظر آنے کا بھی کوئی وعدہ نہیں ہے، بعض اوقات اس دعاء کی قبولیت کا ظہور اس طرح بھی ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے یا چھوڑنے کا شدید داعیہ دل میں پیدا ہوجاتا ہے، یا اسباب وآلات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ اگر وہ کام مفید ہوتو استخارہ کرنے والا اس کو کرہی لیتا ہے، اور اگر مضر ہوتو وہ شخص وہ کام کرہی نہیں پاتا، اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض اوقات خواب میں بھی اس کا مفید یا مضر ہونا دکھلا دیتے ہیں، یا ایسی علامات دکھلا دیتے ہیں جن سے ایک جانب کا رجحان ہوجاتا ہے۔ لیکن ہر شخص کے لئے یا ہر وقت میں ایسا ہونا ضروری نہیں۔

استخارہ کب تک کیا جائے؟

امر خامس: اگر استخارہ کے بعد بھی اس امر میں تحیر وتردد ختم نہ ہوتو بار بار استخارہ کرنا چاہئے۔ بعض نے سات مرتبہ تک استخارہ کرنا لکھا ہے، بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۷)

مشائخ کے تجربات کا حکم

امر سادس: اصل سنت استخارہ تو وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے، اس کے علاوہ بعض مشائخ نے اپنے تجربات سے اس کے کچھ آداب بھی بتائے ہیں، اور دعائیں اور طریقے بھی لکھے ہیں ان میں سے بعض تجربہ سے مفید بھی ثابت ہوئے ہیں، ان کو سنت تو نہیں سمجھنا چاہئے، بغیر اعتقادِ سنیت کے عملیات کے درجہ میں ان کو کرلیا جائے

تو کوئی حرج نہیں۔ (اشرف التوضیح)

استخارہ کا فائدہ

استخارہ کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہوگا کہ بندہ کے حق میں جو امر خیر ہوگا اس پر اس کا دل متشرح ہو جائے گا، لہٰذا جس امر کے اوپر دل مطمئن ہو جائے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ کسی امر پر دل کا مطمئن ہونا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہے، اور کبھی رہنمائی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ خواب میں جانب خیر سمجھا دیا جاتا ہے، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ استخارہ کے بعد آدمی کو چاہئے کہ باوضو قبلہ رخ ہو کر سو جائے، پھر اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو اس کام کو کر گذرے کہ اس میں خیر ہے، اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو اس سے گریز کرے، اور سمجھے کہ اس کے کرنے میں شر ہے، اگر استخارہ کرنے کے باوجود تذبذب باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے، اور جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے کسی بھی پہلو کو اختیار نہ کرے۔

استخارہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا بہتر ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۵، التعلیق: ۲/۱۱۶)

ویسمی حاجتہ: مطلب یہ ہے کہ دعاء میں "ھذا الامر" کا جو لفظ ہے اس جگہ پر اس کام کا ذکر کرے جس کے حوالے سے استخارہ مقصود ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

نمازِ توبہ

﴿۱۲۴۸﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ حَدَّثَنِيْ

اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ وَصَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ یُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَهَّرُ ثُمَّ یُصَلِّی ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ قَرَءَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَکَرُوْا اللّٰہَ فَاَسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ) اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَۃَ لَمْ یَذْکُرِ الْاٰیَۃَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۹،۱۳۰، ومن سورۃ آل عمران، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر:۳۰۰۶۔ ابن ماجہ شریف: ۱۰۰، باب ماجاء فی ان الصلوۃ کفارۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۳۹۵۔

حل لغات: یُذْنِبُ اَذْنَبَ، اِذْنَابًا باب افعال سے، گناہ کرنا، غلطی کرنا، الذَّنْبُ، گناہ، غلطی، جرم، فاحشۃ، فاحش کا مؤنث ہے، برا اور قابل نفرت قول یا عمل، جمع فواحش.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل سچ بیان کیا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کہ کسی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو وہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''والذین اذا فعلوا الآیۃ'' وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کرلیں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ابن ماجہ میں آیت کا تذکرہ نہیں ہے۔

تشریح: توبہ کے معنی رجوع اور لوٹنے کے ہیں، یعنی اگر کسی بندے سے نادانی یا

جہالت کے سبب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرے اپنے گناہوں سے معافی مانگے اور اپنے فعل پر نادم اور شرمندہ ہو تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

حدیث پاک میں توبہ کا طریقہ بتادیا کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھے، پھر توبہ واستغفار کرے، تو اس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور اگر بندہ گناہ کے بعد توبہ نہیں کرتا تو گناہوں کا زنگ اس کے دل پر جمتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر خیر کی کوئی بات اثر نہیں کرتی، اور توبہ کی توفیق چھن جاتی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اگر اس سے نادانی یا جہالت سے کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ میں جلدی کرے، تاخیر نہ کرے۔

وصدق ابوبکر: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لی ہے، اس کو "روایۃ الاقران" کہتے ہیں، یعنی کسی کا اپنے ہم عمر ساتھی سے روایت کرنا، جیسے امام مالکؒ کا امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرنا یا امام شافعیؒ کا امام محمد بن حسنؒ سے روایت کرنا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت صداقت اتنی بلند تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "صدیق" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ (مرقاۃ: ۳/۱۸۷)

صداقت صدیقؓ

سوال: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت مسلم ہے، لیکن اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خاص وجہ سے ان کی یہ صفت ذکر فرمائی؟

جواب: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی سے بھی حدیث قبول کرتے تو اس سے قسم لیتے تھے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور اس کو میں

نے سنا ہے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنتے تو اس کو فوراً قبول کر لیتے اور قسم نہ کھلواتے، اور یہ حدیث بھی انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے لی ہے، لہٰذا ان کی صفت صداقت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ ان سے قسم لینے کی ضرورت نہیں ہے، بقیہ لوگوں سے قسم اپنے اطمینان کے لئے لیتے تھے، ورنہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام صحابہ "عدول" ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۸۸)

نماز سے رنج دور ہوتا ہے

﴿۱۲۴۹﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۷، باب قیام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اللیل، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ۱۳۱۹۔

حل لغات: حزبہ حزب (ن) حزبا الامر سخت وسنگین ہونا، الامر فلانا، درپیش ہونا اور مصیبت بن جانا، صلی، تصلیۃ تفعیل سے ہے، نماز پڑھنا، بالناس لوگوں کو نماز پڑھانا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جوں ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی فکر لاحق ہوتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھنے لگتے۔

تشریح: نماز اور ذکر الٰہی ہر مرض کے لئے تریاق ہے، اس سے رنج وغم کافور ہو جایا کرتا ہے، لہٰذا حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی حادثہ رنج وغم یا کسی

بھی قسم کی کوئی پریشانی لاحق ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوجاتے، اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمام پریشانیوں کا ازالہ فرمادیتے ہیں۔

تحیۃ الوضو کی فضیلت

﴿۱۲۵۰﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۰۹، باب مناقبة عمر بن الخطابؓ، کتاب المناقب، حدیث نمبر:۳۶۸۹۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ کس چیز کی وجہ سے تم نے مجھ پر سبقت کی؟ میں جب کبھی بھی جنت میں داخل ہوا، میں نے تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب کبھی بھی اذان دیتا ہوں تو دو رکعت (نفل) ضرور پڑھتا ہوں، اور مجھے جوں ہی حدث لاحق ہوتا ہے میں فوراً وضو کرلیتا ہوں، اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ کے لئے دو رکعتیں پڑھنا میرے لئے لازم ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان ہی دو کاموں کی وجہ سے تمہیں یہ عزت ملی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جنت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگے خادمانہ انداز میں چلیں گے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس پر پہلے ہی مطلع کر دیا گیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کیا کہ جنت میں میرے خادم ہونے کا شرف تمہیں کس عمل کی بنا پر میسر آیا، تو انہوں نے تین عمل بتائے۔ (۱) اذان کے بعد دو رکعت ادا کرتا ہوں۔ (۲) ہمیشہ باوضو رہتا ہوں، یعنی جوں ہی وضو ٹوٹتا ہے فوراً تازہ وضو کر لیتا ہوں۔ (۳) دو رکعت نماز تحیۃ الوضو کی وضو کے شکرانہ کے طور پر ادا کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب کو سن کر ارشاد فرمایا: کہ یہ ایسے نیک عمل ہیں کہ ان ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عزت بخشی ہے کہ جنت میں تم خادم کے طور پر میرے آگے چلو گے۔ (مرقاۃ: ۳/۲۸۹)

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استفسار فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا عمل بیان کریں، اور دوسرے حضرات کو بھی اس کا علم ہو جائے تاکہ وہ بھی اس پر عمل کریں۔

نماز حاجت کے بعد دعا

﴿۱۲۵۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَی اللّٰهِ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِنْ بَنِیْ آدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ

رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (رواه الترمذى وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۰۹ / ۱، باب ماجاء فی صلوة الحاجة، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۴۷۹۔ ابن ماجہ شریف: ۹۸، باب ماجاء فی صلوة الحاجة، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۳۸۴۔

حل لغات: لیُثْنِ، اثناء، باب افعال سے، تعریف کرنا، لاتدع، فعل نہی، ودع (ف) ودعا چھوڑنا، هم ج هموم، غم، فرجته، فرج، تفریجا، کھولنا، قضیتها، قضی (ض) قضاء، پورا کرنا۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے خواہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی انسان سے، تو اس کو چاہئے کہ خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نفل پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: "لا اله الا الله الحليم الخ" [اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ بردبار ہے، معزز ہے، پاک ہے، وہ اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے، میں آپ سے آپ کی مہربانی واجب

کرنے والی چیزوں اور آپ کی بخشش کے ذرائع کا سوال کرتا ہوں، اور ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں، آپ میرے کسی گناہ کو بخشے بغیر نہ چھوڑیئے، اور میری کسی پریشانی کو دور کئے بغیر نہ چھوڑیئے، اور میری کسی ضرورت کو جس سے آپ راضی ہوں، پورا کئے بغیر مت چھوڑیئے، اے سب مہربانوں میں سب سے بڑے مہربان۔] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو "**صلوۃ الحاجۃ**" کا اہتمام کرنا چاہئے، اس نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ حاجت پوری فرمادیتے ہیں، اگر بندہ کے حق میں بعینہٖ وہی چیز مفید نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتے ہیں، یا پھر اس دعا کو ذخیرۂ آخرت بنادیتے ہیں، یا اس دعا کی برکت سے کوئی آفت یا بلا ٹال دیتے ہیں، بہر حال دعا کرنا رائیگاں نہیں جاتا، اگر حاجت اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے تو اس کو طلب کرنے سے پہلے نماز حاجت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی، اور اس کا قرب میسر آئے گا۔ اور دعا قبول ہوجائیگی۔ ارشاد باری عز اسمہ ہے: "**یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ**" [اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔] یعنی اس کا قرب طلب کرو، اور اس کا قرب نیک اعمال ہی ہیں، اور اگر حاجت کسی بندہ سے متعلق ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''صلوۃ الحاجۃ'' تلقین فرمائی، تا کہ اس کے ذریعہ سے کسی بندہ کا دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تمہارے حق میں نرم کردیں۔

امور عادیہ میں بندوں سے مدد لینا درست ہے۔ بندہ سے حاجت متعلق ہے تو نماز حاجت پڑھنے کے سلسلہ میں ''تحفۃ الالمعی'' میں دو حکمتیں لکھی ہیں۔

پہلی حکمت: اس صورت میں صلوۃ الحاجۃ عقیدۂ توحید کی حفاظت کے لئے ہے،

کیونکہ جب بندہ کسی سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے تو اس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ سے استعانت کسی درجہ میں سہی جائز سمجھتا ہے، پس یہ حاجت طلبی اس کے عقیدۂ توحید واستعانت میں خلل انداز ہوگی، توحید استعانت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقۃً مدد طلب نہ کرے۔ "ایاک نستعین" میں اسی توحید استعانت کا بیان ہے۔ جس کو بندہ بار بار ہر نماز کی ہر رکعت میں دہراتا ہے، اس لئے شریعت نے یہ نماز مقرر کی ہے، اور اس کے بعد دعا سکھلائی، تاکہ عقیدۂ توحید میں فساد نہ پیدا ہو، کیونکہ جب حاجت مند نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ وہ حاجت روائی کے لئے اس بندے کا دل تیار کریں تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین پختہ اور مستحکم ہوگا کہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، وہی کارساز اور کام بنانے والے ہیں، بندے محض واسطہ ہیں، بلکہ آلۂ کار ہیں، ان کے اختیار میں کچھ نہیں، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری حکمت: حاجت کا پیش آنا اور اس کی وجہ سے کسی کے دروازے پر دستک دینا ایک دنیاوی معاملہ ہے، شریعت چاہتی ہے کہ یہ دنیا کا معاملہ نیکوکاری کا ذریعہ بن جائے چنانچہ اس موقعہ پر نماز اور دعا شروع کی، تاکہ بندے کی نیکوکاری میں اضافہ ہو۔

صلوۃ التسبیح کی فضیلت

﴿۱۲۵۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا

اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِيْمَهٗ وَحَدِيْثَهٗ خَطَاَهٗ وَعَمَدَهٗ صَغِيْرَهٗ وَكَبِيْرَهٗ سِرَّهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتِلْكَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجة، والبيهقی فی الدعوات الكبير) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١٨٣/١، باب صلوۃ التسبیح، کتاب التطوع، حدیث نمبر: ١٢٩٧۔ ابن ماجہ شریف: ٩٩، باب ماجاء فی صلوۃ التسبیح، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ١٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: ''کہ اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں آپ کو نہ دوں؟ کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ کو نہ بتاؤں؟ کیا میں آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟ آپ اگر ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے پرانے اور نئے، ارادۃً کئے ہوئے، یا بلا ارادۃً، سہواً

کئے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے، آپ چار رکعت نماز پڑھئے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھئے، جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہوجائیں تو کھڑے کھڑے پندرہ مرتبہ یہ کلمات کہئے: ''**سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر**'' پھر رکوع میں جائیے اور رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے، پھر رکوع سے سر اٹھائیے اور (قومہ میں) دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھئے، پھر سجدہ میں جائیے، اور یہ تسبیح دس مرتبہ پڑھئے، پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھائیے، اور دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھئے، پھر آپ دوسرے سجدہ میں جائیے اور دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھئے پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھائیے اور دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھئے، یہ کل پچھتر تسبیحات ہیں، ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجئے، اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھئے، نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھئے، اگر ہفتہ میں نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھئے، اگر ایک مہینہ میں نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھئے اور اگر سال میں نہ پڑھ سکیں تو عمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھ لیجئے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی فی الدعوات الکبیر) اور ترمذی نے اسی طرح کی حدیث حضرت ابورافع سے روایت کی ہے۔

تشریح: اس نماز میں تسبیحات بکثرت پڑھی جاتی ہیں، اسی لئے اس نماز کا نام ''صلوۃ التسبیح و صلوۃ التسابیح'' رکھا گیا، یہ بڑی بابرکت اور فضیلت والی نماز ہے، اس کے فوائد خود حدیث شریف میں مذکور ہیں، کہ اس سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں آرہا ہے: ''**غفر الله لک ذنبک اوله وآخره قديمه وحديثه خطأه وعمده صغيره وكبيره سره وعلانيته**''

امام ترمذیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ اس نماز کا اہتمام فرماتے تھے، اور اس کے فضائل بیان کرتے تھے، اس نماز کے طریقوں میں سے ایک

طریقہ وہ ہے جس کو وہ خود اختیار فرماتے تھے، جس کا بیان آگے آئیگا۔

حدیث صلوۃ التسبیح کی تخریج وتحقیق

صلوۃ التسبیح کی حدیث صحاح ستہ میں سے ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ میں ہے، صحیحین میں نہیں، اور اصحاب السنن میں سے امام نسائی نے اس کی تخریج نہیں کی، اس کے علاوہ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم میں موجود ہے، امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ابن مندہ نے تو اس کی تصحیح میں ایک مستقل تصنیف فرمائی ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک صلوۃ التسبیح پڑھتے تھے اور ہر زمانہ میں صلحاء اس کو ایک دوسرے سے لیتے چلے آئے ہیں، علماء کے تعامل وتداول سے حدیث مرفوع کو تقویت ملتی ہے۔

یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ صاحب ابوداؤد نے اس کو تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ایک انصاری صحابی بلا تعیین اسم، حافظ مزی کی رائے یہ ہے کہ انصاری سے مراد جابر بن عبداللہ ہیں، اور حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ بظاہر وہ ابو کبشۃ الانماری ہیں۔

لیکن ابن الجوزیؒ نے صلوۃ التسبیح کی حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اس پر بعد کے علماء نے ان کا تعاقب کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے لکھا ہے: "اساء ابن الجوزی، افرط ابن الجوزی" یعنی ابن الجوزی نے بہت مبالغہ سے کام لیا، اور برا کیا کہ اس کو موضوعات میں داخل کردیا۔ موسیٰ بن عبدالعزیز راوی جس کی وجہ سے ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے، اول تو اس راوی کی یحییٰ بن معین اور نسائی نے توثیق کی ہے، دوسرے یہ کہ ابراہیم بن الحکم نے صحیح ابن خزیمہ میں اس کی متابعت کی ہے، بذل المجہود میں ان

امور کی تفصیل اور حوالے مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ بذل المجھود: ۷/۵۲ تا ۵۳۸/ ۵، التعلیق: ۱۲۰/ ۲، مرقاۃ: ۱۹۳/ ۲.

الا اعطیک الا افعل بک عشر خصال: [کیا میں تم کو دس چیزیں نہ بتاؤں اس سے مراد یا تو انواع ذنوب ہیں، جو متن میں مذکور ہیں، (اور ہمارے یہاں شروع میں گذر چکے ہیں) یا اس سے مراد عشرہ تسبیحات ہیں اس لئے کہ قیام کے علاوہ باقی سب ارکان صلوۃ میں یہ تسبیحات دس دس مرتبہ ہیں۔

صلوۃ التسبیح کی کیفیت

صلوۃ التسبیح کا جو طریقہ اس حدیث مرفوع میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور سبحانک اللھم کے بعد حسب معمول قراءت سے فارغ ہو کر رکوع میں جانے سے قبل پندرہ بار یہ تسبیحات پڑھے: "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور طبرانی کی ایک روایت میں جیسا کہ حاشیہ ترمذی میں لکھا ہے: "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" کا اضافہ ہے۔ پھر دس بار رکوع میں رکوع کی تسبیح کے بعد، پھر دس بار قومہ میں، پھر دس بار دونوں سجدوں میں، اور دس بار جلسہ بین السجدتین میں، اور دس مرتبہ سجدۂ ثانیہ سے اٹھ کر (جلسہ استراحت میں) یہ ایک رکعت میں تسبیحات کی تعداد پچھتر (۷۵) ہوئی۔ اور چاروں رکعات میں تین سو مرتبہ ہے، اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن المبارک سے جو کیفیت اس نماز کی نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے: "سبحانک اللھم" کے بعد قرأت سے قبل پندرہ مرتبہ اور پھر رکوع میں جانے سے قبل دس مرتبہ، اس صورت میں حالت قیام میں بجائے پندرہ کے تعداد پچیس ہوئی۔ اس صورت میں سجدۂ ثانیہ کے بعد جلسۂ استراحت میں یہ تسبیحات نہیں پڑھی جائیں گی۔ لہٰذا مجموعی تعداد ایک رکعت میں پچھتر ہی رہے گی۔

(الدالمنضود) مرقاۃ:۱۹۱/۱۹۲/۳ التعلیق:۲/۱۱۸۔

نوافل کا فائدہ

﴿۱۲۵۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰی ذٰلِكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ الزَّكٰوةُ مِثْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰی حَسَبِ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۲۶، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل صلوۃ الخ، کتاب الصلوۃ. حدیث نمبر:۸۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے اس کی نماز کے بارے میں حساب لیا جائے، چنانچہ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا، اور اگر نماز میں کمی ہوئی تو وہ ناکام ونامراد ہوگا، چنانچہ اگر اس کی فرض نماز میں کوئی کمی ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے میرے بندے کے نامہ اعمال میں دیکھو کیا کچھ نفل نمازیں بھی ہیں؟ چنانچہ نوافل کے ذریعہ سے فرائض کی کمی پوری

کردی جائے گی، پھر اس کے بقیہ تمام اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ پھر اسی طرح زکوۃ کا حساب ہوگا، پھر بقیہ اعمال کا حساب اسی قاعدہ کے موافق ہوگا۔ (ابوداؤد) اور احمد نے اس روایت کو ایک شخص سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے نوافل کی اہمیت سمجھ میں آ رہی ہے، کہ بندہ کے ذمہ جو فرائض ہیں جب ان میں کسی جہت سے کوئی خامی رہ جائے گی، مثلاً فرض نماز خشوع وخضوع اور آداب کے اعتبار سے اس لائق نہیں کہ اس کو قبول کیا جائے لیکن اگر ساتھ میں نوافل بھی رکھی ہیں تو یہ کمی نوافل سے پوری کر کے اس نماز کو قبولیت کے لائق بنا دیا جائے گا، یہی معاملہ روزہ، زکوۃ اور دیگر تمام فرائض کا ہے۔ لہٰذا بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے خوب فائدہ اٹھانا چاہئے، اور کثرت سے نوافل کا اہتمام کرنا چاہئے، نفلی نماز، نفلی روزہ، نفلی صدقات، سب کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، یہ درحقیقت فرائض کے مکملات ہیں۔

اول ما یحاسب به العبد یوم القیامة: بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، کیونکہ نماز ام العبادات ہے۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، جب کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ "اول ما یقضی بین الناس یوم القیامة الدماء" یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے خون اور قصاص کا فیصلہ ہوگا۔

دفع تعارض: یہ ظاہری تعارض ہے، اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... حدیث باب کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اور بخاری کی جو روایت یہاں ذکر کی گئی ہے اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، تو اب دونوں کی طرف اولیت کی نسبت صحیح ہے، اس لئے کہ دونوں الگ الگ اعتبار سے ہیں، حقوق اللہ میں سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، اور حقوق العباد میں سے سب سے پہلے خون اور قصاص کا فیصلہ ہوگا۔

(۲)......حدیث باب میں ''محاسبہ'' کا ذکر ہے، اور بخاری شریف کی روایت میں ''قضاء'' کا ذکر ہے، اور دونوں میں فرق ہے، دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق ہوگی کہ حساب سب سے پہلے نماز کا ہوگا، لیکن فیصلہ سب سے پہلے خون اور قصاص کا ہوگا۔

(۳)......بعض وہ عبادات ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور بعض وہ اعمال ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے، تو عبادات کے ترک کرنے پر سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا اور سیئات پر عمل کرنے سے متعلق سب سے پہلے قتل کرنے کی بابت مؤاخذہ ہوگا، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

سوال: فی نفسہٖ حقوق اللہ کا پہلے مواخذہ ہوگا یا حقوق العباد کا، یعنی الگ الگ اعتبار سے دونوں کی طرف اولیت کی نسبت صحیح ہے، لیکن ان دونوں میں کون مقدم ہے؟

جواب: احادیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے حقوق اللہ کا محاسبہ ہوگا، پھر حقوق العباد کا محاسبہ ہوگا۔

فان انتقص من فریضتہ: اگر فرض میں کچھ نقصان ہے تو نوافل سے اس کو پورا کر دیا جائے گا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نقصان سے مراد خشوع وخضوع یا آداب کا نقصان ہے، نفسِ صلوۃ کا نقصان مراد نہیں ہے، جب کہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے، اگر مطلقاً فرض پڑھنا رہ گیا ہوگا تو بھی اللہ تعالیٰ نوافل سے اس نقصان کو پورا فرمادیں گے۔ (مرقاۃ: ۲/۱۹۴)

نماز کی عظمت

﴿۱۲۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَیْنِ یُصَلِّیْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَیُذَرُّ عَلٰی رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَاخَرَجَ مِنْهُ یَعْنِیْ الْقُرْآنَ۔

(رواه احمد والترمذی)

حوالہ: مسند احمد: ۲۶۸/۵، ترمذی شریف: ۱۱۹/۲، باب کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا اس کے دو رکعت پڑھنے کی طرف ہوتا ہے، بلاشبہ بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے، اس کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی رہتی ہے، اور بندہ کسی چیز سے اللہ کا اتنا تقرب نہیں حاصل کرپاتا جتنا وہ اس سے نکلی ہوئی چیز یعنی قرآن سے حاصل کرتا ہے۔

تشریح: نماز تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نمازی کے اوپر خصوصی فضل فرماتے ہیں اور چونکہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، لہٰذا کلام اللہ سے شغف رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب میسر آتا ہے۔

ما اذن اللّٰه: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی، رحمت اور رضا کے ساتھ خصوصی توجہ نمازی کی طرف مبذول فرماتے ہیں، نمازی کی طرف غایت توجہ کی وجہ نماز کا افضل عبادت ہونا ہے، جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ "الصلوة خیر موضوع" یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی خیر کی ایسی چیزیں بنائی ہیں جن سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے ان میں سب سے بہتر نماز ہے۔

وما تقرب العباد: مطلب یہ ہے کہ تمام اذکار جو وقت اور زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں ان میں سب سے بہتر قرآن مجید کا پڑھنا ہے۔

یعنی القرآن: یہ کلمات راوی کے ہیں، جوانہوں نے وضاحت کے لئے ذکر کئے ہیں۔(التعلیق:۲/۱۲۰،مرقاۃ:۲/۱۹۴)

❁❁❁

باب صلوة السفر

مسافر کی نماز کا بیان

رقم الحدیث: ۱۲۵۵/تا ۱۲۷۵۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوۃ السفر

(مسافر کی نماز کا بیان)

سفر سے مراد وہ سفر شرعی ہے جس میں قصر کی اجازت ہو۔ اور وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ۴۸ رمیل ہے، سفر کے ارادے سے جب کوئی شخص شہر کی آبادی اور فناء شہر سے باہر نکل جائے تو اب وہ رباعیہ نماز میں قصر کرے گا، قصر شریعت کی جانب سے ایک سہولت ہے، جس کا تمام شریعتوں میں لحاظ کیا گیا ہے، اور جس کے ذریعہ شریعت کی تکمیل ہوتی ہے، تا کہ مکلّف بندے حسب استطاعت عبادتیں کر سکیں، جیسے مریض اور معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت، بیمار یا پانی پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے تیمم کی اجازت، اسی طرح مسافر کے لئے قصر کا حکم ہے، سفر میں بالعموم دشواری اور پریشانی لاحق ہوتی ہے، اس لئے شارع نے مسافر کو چند سہولتیں دی ہیں۔

(۱)...... رباعی نماز میں قصر کرنا۔

(۲)...... رمضان میں افطار کرنا، یعنی روزے نہ رکھنا۔

(۳)...... سنن مؤکدہ نہ پڑھنا۔

(۴)......نوافل سواری پر ادا کرنا وغیرہ۔

یہ قصر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اور ائمہ ثلاثہ قصر واتمام دونوں کے جواز کے قائل ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

ذوالحلیفہ میں قصر

﴿۱۲۵۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّهْرَ بِالْمَدِیْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّی الْعَصْرَ بِذِیْ الْحُلَیْفَةِ رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۴۸/۱، باب یقصر الصلوۃ اذا خرج من موضعه، کتاب تقصیر الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۸۹۔ مسلم شریف: ۲۴۲/۱، باب صلوۃ المسافرین وقصرها، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۶۹۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز مدینہ میں ظہر کی چار رکعت پڑھی، اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت پڑھی۔

تشریح: مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقیم تھے، اس لئے ظہر کی نماز پوری چار رکعات ادا فرمائیں، اور عصر کے وقت مدینہ طیبہ سے سفر کے ارادہ سے نکل کر ذوالحلیفہ مقام پر پہنچ چکے تھے، جو مدینہ طیبہ سے تقریبا تین میل کے فاصلہ پر ہے، اور اب

"تنر علی" سے مشہور ہے اور مدینہ والوں کی میقات ہے، اس لئے وہاں قصر فرمایا اور عصر کی دو رکعت پڑھیں۔ (مرقاۃ: ۲/۱۹۵، التعلیق: ۲/۱۲۲،۱۲۱)

قصر کی حیثیت

اس بات پر تمام علماء اور ائمہ کا اتفاق ہے کہ سفر شرعی میں چار رکعت والی نماز میں قصر مشروع ہے، خواہ امن کی حالت ہو یا خوف کی، اس میں اختلاف ہوا ہے کہ قصر کی حیثیت کیا ہے؟ اس اختلاف کی تعبیر یوں بھی کردی جاتی ہے کہ آیا قصر کی یہ رخصت، رخصت اسقاط ہے، یا رخصت ترفیہ؟ اس میں ائمہ اربعہ کے مذاہب حسب ذیل ہیں۔

(۱)......حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ رخصت رخصت اسقاط ہے۔ یعنی سفر میں اصل فرض ہی چار کی جگہ دو رکعتیں ہیں، اس لئے قصر واجب ہے، اتمام جائز نہیں، امام مالکؒ اور احمدؒ کی بھی ایک ایک روایت اسی طرح ہے، جمہور صحابہؓ وتابعین اور اکثر اہل علم کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۲)......حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قصر اور اتمام دونوں جائز ہیں، ان کے نزدیک یہ رخصت رخصت ترفیہ ہے۔

(۳)......حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ایک ایک قول یہ بھی ہے کہ قصر اور اتمام دونوں جائز ہیں، لیکن قصر افضل اور اولیٰ ہے۔

احناف کے دلائل

حنفیہ کے اس مسئلہ میں کافی دلائل ہیں۔

(۱)......حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سفر کے موقعہ پر کہیں اتمام کرنا ثابت نہیں، اگر اتمام جائز ہوتا تو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ ضرور بیان جواز کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتمام فرماتے۔

(۲)......اس باب کی تیسری حدیث بحوالہ مسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قصر کے متعلق سوال کیا کہ آیت قصر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر صرف حالت خوف میں ہونا چاہئے، اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته**" اس میں اول تو قصر کو حق تعالیٰ کی طرف سے صدقہ وعطیہ کہا گیا ہے، حق تعالیٰ کا صدقہ مسترد کرنا سخت توہین ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قصر واجب ہے، پھر صیغۂ امر کے ساتھ صدقہ قبول کرنے کا حکم دیا، امر کا اصل مقتضا وجوب ہے۔ معلوم ہوا قصر واجب ہے۔

(۳)......فصل ثالث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث آرہی ہے، بحوالہ شیخین، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اصل میں نمازوں کی فرضیت دو دو رکعت ہوئی تھی۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو حضر کی نماز چار رکعت کردی گئی، اور سفر کی نماز اپنی اصلی حالت پر رکھی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں اصل واجب دو ہی رکعت ہیں، دو کی بجائے چار پڑھنا ایسا ہوگا، جیسے فجر کی چار رکعتیں پڑھی جائیں۔

شوافع کے دلائل اور جواب

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ جمہور صحابہؓ وتابعین کا مذہب یہی ہے کہ سفر میں قصر ضروری ہے،

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہم کا یہی مسلک ہے، حضرات شیخین سے سفر میں اتمام ثابت نہیں، حضرت عثمانؓ بھی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں قصر ہی کرتے رہے ہیں، اس کے بعد مکہ میں اتمام کرنے لگ گئے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے کہ وہ اتمام کرلیا کرتی تھیں، ان دونوں حضرات کے عمل سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں۔

لیکن ان حضرات کی روایات سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ روایات میں تصریح ہے کہ یہ حضرات کسی تاویل کی وجہ سے اتمام کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ان کے بھانجے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ فصل ثالث میں آرہے ہیں، "تاولت کما تاول عثمان" تاول کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس کوئی نص صریح موجود نہیں تھی، ورنہ اسے ضرور پیش کرتے، معلوم ہوا یہ ان کا اجتہاد تھا، لیکن جمہور صحابہؓ، حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف ہے۔

باقی یہ حضرات کیا تاویل کرتے تھے یہ الگ بحث ہے، جواب کے لئے اتنی بات ثابت ہو جانا ہی کافی ہے کہ ان کا عمل تاول پر مبنی تھا۔ التعلیق: ۲/۱۲۱، بذل: ۵/۳۳۲۔ (اشرف التوضیح)

فائدہ: حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ سفر شرعی کے ارادہ سے جب بستی کی آبادی سے نکل جائیں تو قصر کرنا لازم ہو جاتا ہے، خواہ بستی بالکل قریب ہی ہو۔

سفر میں حالت اطمینان میں بھی قصر

﴿۱۲۵۶﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

عَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَاٰمَنُهُ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۷/ ۱، باب الصلوة بمنی، کتاب تقصیر الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۸۳۔مسلم شریف: ۲۴۳/ ۱، باب صلوة المسافرین وقصرها، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر: ۶۹۰۔

ترجمه: حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی جب کہ ہم وہاں اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ اس قدر کبھی نہ تھے اور ہم پوری طرح مامون تھے۔

تشریح: چونکہ منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسافر شرعی تھے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قصر کیا، اور چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھائی، اس حدیث سے اس بات کی صراحت بھی ہوگئی کہ نماز میں قصر کے لئے یہ شرط نہیں کہ سفر پر خطر ہو تب ہی قصر کی اجازت ہے، سفر شرعی ہو، چاہے وہ ہر طرح باعث اطمینان ہو آدمی قصر کریگا۔ (مرقاۃ: ۲/۱۹۶)

قصرِ صلوۃ! اللہ کا انعام ہے

﴿۱۲۵۷﴾ وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۴۱، باب صلوۃ المسافرین، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر:۶۸۶۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم الآیۃ" [نماز میں قصر کرو اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر تم کو فتنہ میں ڈال دیں گے] اب تو لوگ حالت اطمینان میں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے بھی اس چیز پر تعجب ہوا تھا جس پر تم کو تعجب ہو رہا ہے، چنانچہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ ایک صدقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر صدقہ کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت "واذا ضربتم فی الارض الآیۃ" (سورۃ النساء: ۱۰۱) سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ "قصر فی الصلوۃ" اس وقت ہے جب کہ مسافر کو دشمن سے خطرہ ہو، اور اگر خطرہ نہیں ہے تو "قصر فی الصلوۃ" کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسافر شرعی ہوتے تو قصر فرماتے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، یہی معمول حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، حضرت یعلیؓ کو اس بات پر تعجب تھا، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ مجھے بھی اس امر پر حیرت تھی، چنانچہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا: کہ قصر کا حکم درحقیقت اس امت پر اللہ کا انعام ہے، یہ حکم نازل تو اس وقت ہوا تھا جب کہ دشمن کا خطرہ

لاحق تھا، مگر اب خوف وخطر کے خاتمہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس احسان کو باقی رکھا، لہٰذا تم لوگ اس صدقہ کو قبول کرو، یعنی مسافر شرعی ہونے کے وقت قصر کرو، خواہ دشمن کا ڈر ہو یا نہ ہو۔ (التعلیق:۲/۱۲۲، مرقاۃ:۲/۱۹۶)

فائدہ: حدیث الباب سے قصر صلوۃ کا وجوب ظاہر ہے۔

دس دن قیام میں قصر

﴿۱۲۵۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ اِلٰی مَکَّۃَ فَکَانَ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ قِیْلَ لَہٗ اَقَمْتُمْ بِمَکَّۃَ شَیْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِہَا عَشْرًا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۱/۱۴۷، باب ماجاء فی تقصیر الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۰۸۱۔ مسلم شریف:۱/۲۴۳، باب صلوۃ المسافرین، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر:۶۹۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ گئے، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو دو رکعت پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آ گئے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ مکہ میں ہم دس دن رہے۔

تشریح: اگر کوئی مسافر کہیں دس دن قیام کرتا ہے تو وہ مقیم نہیں کہلائے گا، لہٰذا وہ

قصر ہی کرے گا، مسافر اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت سے ٹھہرتا ہے تب وہ پوری نماز پڑھے گا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ میں دس دن رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے، اور چودہ ذی الحجہ کی صبح مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کیلئے روانگی ہوئی، چوں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس دن ٹھہرے اس لئے اس دوران آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قصر ہی کرتے رہے۔

اتمام کی مدت قیام میں اختلاف ائمہ

قصر کو ساقط کرنے والی مدت قیام میں اختلاف ہے، اس مسئلہ میں کوئی صریح حدیث مرفوع نہیں ہے، صحابہ کرامؓ وتابعین کے آثار ہیں، ان ہی سے ائمہ نے استدلال کیا ہے، چونکہ احناف قصر کو اللہ تعالیٰ کا صدقہ مانتے ہیں اس وجہ سے انہوں نے جو زیادہ سے زیادہ مدت مروی ہے اس کو لیا ہے، ائمہ ثلاثہ قصر کو رخصت مانتے ہیں اور رخصت کم سے کم کی جاتی ہے، اس لئے وہ اس اثر کو لیتے ہیں جس میں کم مدت مروی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک مدت اقامت پندرہ دن ہے، مسافر جب کم از کم پندرہ دن قیام کی نیت کرلے تب اس کو اتمام کرنا چاہئے۔

دلائل احناف: (۱)...... "عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذا کنت مسافرا فوطنت نفسک علی اقامۃ خمسۃ عشر یوما فاتم الصلوۃ وان کنت لاتدری فاقصر" (آثار السنن: ۲۶۲) [حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر تم مسافر ہو اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تو نماز پوری پڑھو، اور اگر اس بات کا علم نہیں ہے تو پھر قصر ہی کرتے رہو۔]

(۲)...... "عن ابن عباس قال اذا قدمت بلدۃ وانت مسافر وفی نفسک ان

تقیم بها خمسة عشر لیلة فاکمل الصلوۃ بها و ان کنت لاتدری متی تظعن فاقصرها" (اعلاء السنن: ٢٧٥/٧، باب القصر الخ) [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی شہر میں مسافر ہونے کی حالت میں ہو اور تمہارے دل میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر نماز مکمل کرو، اور اگر اس بات کا علم نہ ہو کہ کب جانا پڑ جائے تو پھر قصر کرو] حاصل یہ نکلا کہ اگر مسافر کی پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت ہے تو اتمام کرے، اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے یا پتہ نہیں کہ کس وقت جانا پڑ جائے تو قصر کرے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: چار دن کی اقامت کی نیت سے قصر باطل ہو جاتا ہے، اور اتمام ضروری ہوتا ہے۔

دلیل: "عن سعید بن المسیب انہ قال اذا اقام اربعا صلی اربعا.
(ترمذی: ١٢٢/٢، باب ماجاء فی کم تقصر الصلوۃ)

جواب: سعید بن المسیب کا دوسرا قول حنفیہ کے مطابق ہے، اور وہ ہے: "اذا قدمت بلدة فاقمت خمسة عشر یوما فاتم الصلوۃ" (آثار السنن: ٦٦/٢) "عن سعید بن المسیب قال اذا اجمع الرجل علی اقامة خمس عشرة اتم الصلوۃ" (ابن ابی شیبه: ٣٨٣/٥، حدیث نمبر: ٨٢٩٦) لہٰذا "اذا تعارضا تساقطا" حنفیہ کے مذہب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں، اور صحابہ کے اقوال ان جیسے امور میں حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتے ہیں، کیونکہ یہ مسئلہ قیاس سے متعلق نہیں ہے، غیر مدرک بالقیاس ہے، لہٰذا اس بارے میں انہوں نے جو کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہا ہے۔

سوال: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

انیس دن تک قصر کرنا درست ہے، تو حنفیہ نے انیس دن قصر والی روایت کیوں نہیں لی، اس میں تو اورزیادہ اللہ کی طرف سے ہدیہ قبول کرنا ہوتا، وہ روایت ہے: "عن ابن عباس قال سافر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفرا فاقام تسعۃ عشر یوما یصلی رکعتین رکعتین" (بخاری شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء فی التقصیر الخ، حدیث: ۱۰۸۰) معلوم ہوا کہ انیس دن تک قصر کرنا درست ہے۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قصر کرنا یعنی انیس دن تک قصر کرنا عدم نیت اقامت کی بنا پر تھا، کیونکہ پہلے سے پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ آج یا کل جانے کا ارادہ تھا، لیکن جا نہیں سکے، ایسی صورت میں تو مطلقاً قصر ہے، خواہ کتنی مدت بھی ٹھہرے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامو برامهر مز تسعۃ اشھر یقصرون الصلوۃ" (آثار السنن: ۲/۶۵) اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اذربایجان" میں بلا اقامت نیت چھ ماہ قیام کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درمیان میں قصر کرتے رہے۔ (آثار السنن: ۲/۶۵) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اعلاء السنن: ۷/۲۷۴، باب القصر الخ، بذل: ۵/۳۸۸، التعلیق: ۲/۱۲۳، مرقاۃ: ۲/۱۹۶۔

بلا نیت قیام میں قصر

﴿۱۲۵۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ یَوْمًا یُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ رَكْعَتَیْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّیْ فِیْمَا بَیْنَنَا وَبَیْنَ

مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعاً۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء فی التقصیر، کتاب تقصیر الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا اور اس سفر میں ایک جگہ انیس دن تک ٹھہرے، اور دوران سفر دو رکعت نماز پڑھتے رہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اس جگہ جو ہمارے اور مکہ کے درمیان ہے انیس دن تک دو دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں انیس دن تک ٹھہرے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ٹھہرنا اقامت کی نیت سے نہیں تھا، بلکہ حالت کے تابع ہو کر تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ہوازن کے قبائل مکہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں، لہٰذا ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوچ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مدت اقامت کی نیت سے ٹھہرے بھی نہیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقینی اطلاعات ملیں کہ ہوازن کے قبائل کوچ کر چکے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مکہ سے نکلے اور پھر غزوۂ حنین پیش آیا، الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکہ میں انیس دن ٹھہرنا قیام کی نیت سے نہیں تھا، اور جب ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ آج کل میں کوچ کا ارادہ ہو، ایسے چاہے جتنی مدت گذر جائے، قصر ہی کیا جائے گا، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انیس دن ٹھہرے اگرچہ حالات کے تابع ہو کر ٹھہرے اور دوران سفر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قصر کرتے رہے، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مذہب یہی قرار دیا کہ انیس دن یا اس سے کم اگر کہیں ٹھہرنا ہے تو قصر کیا جائے اور اگر اس سے زائد ٹھہرا جائے تو اتمام کیا جائے۔ (مرقاۃ:۲/۱۹۷)

دوران سفر ترک نوافل

﴿۱۲۶۰﴾ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَآءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمْ كَذٰلِكَ۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۴۹/۱، باب من لم یتطوع فی السفر، کتاب تقصیر الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۰۱۔مسلم شریف: ۲۴۲/۱، باب صلوۃ المسافرین، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر:۶۸۹۔

ترجمہ: حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مکہ کے راستہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا، تو انہوں نے ہم کو دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی پھر وہ اپنے کجاوے میں آکر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے لوگوں کو نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوتے دیکھا، تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نوافل پڑھ رہے ہیں،

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو میں اپنی نماز ہی پوری کرلیتا، میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دورانِ سفر دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول میں نے دیکھا ہے۔

تشــریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ دورانِ سفر سنن ونوافل نہ پڑھنا چاہئے، لیکن یہاں سنن ونوافل سے مراد وہ سنن ونوافل ہیں جو فرضوں کے ساتھ لاحق ہیں، جہاں تک نوافل مطلقہ یعنی تہجد یا چاشت وغیرہ کا تعلق ہے تو اس کا ادا کرنا بالاتفاق مستحب ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمول کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران سفر سنتیں نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ بعض روایات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دورانِ سفر سنتیں پڑھنا بھی ثابت ہے، دونوں طرح کی روایات میں علماء نے مختلف طریقوں سے تطبیق دی ہے۔

(۱)......جن روایات سے نہ پڑھنا ثابت ہے وہ اکثر احوال پر محمول ہیں، اور نفی تاکید پر محمول ہیں، اور جن سے پڑھنا ثابت ہے ان کا تعلق بعض اوقات سے ہے، اور یہ اباحت پر محمول ہے۔

(۲)......اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران سفر کچھ وقفہ کیلئے کہیں قیام کرتے اور سکون میسر آتا تو سنن ونوافل پڑھتے تھے، اگر درمیانِ سفر میں سواری سے اتر کر صرف نماز کی غرض سے ٹھہرنا ہوتا پھر سفر کی جلدی ہوتی تو فرائض پر اکتفا فرماتے تھے۔

سفر میں جمع بین الصلوٰتین

﴿۱۲۶۱﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

(رواه البخاري)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۹/۱، باب الجمع فی السفر بين المغرب والعشاء، کتاب تقصير الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۰۷۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز جمع فرمالیتے تھے، جب کہ سفر میں چلتے ہوتے تھے، اور مغرب وعشاء بھی جمع کر لیتے تھے۔

مسئلہ "جمع بين الصلاتين" اور اختلاف ائمہ

سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ "جمع بين الصلاتين" کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جمع حقیقی۔ (۲) جمع صوری۔

جمع حقیقی یہ ہے کہ دو فرض نمازوں کو ایک فرض نماز کے وقت میں پڑھ لیا جائے اور جمع صوری یہ ہے کہ دو فرض نمازوں کو اپنے وقت میں اس طرح ادا کیا جائے کہ دونوں کے درمیان قرب واتصال ہو، اور اس کا طریقہ ہے کہ فرض اول کو اس کے وقت اخیر میں ادا کیا جائے، اور فرضِ ثانی کو اس کے وقت اول میں ادا کیا جائے، مثلاً ظہر کو مؤخر کر کے اس کے وقت اخیر میں پڑھا جائے، اور عصر کو مقدم کر کے اس کے بالکل اولِ وقت میں پڑھا جائے، تو یہ جمع صوری ہے، اس میں صورتاً دو نمازوں کا جمع کرنا ہوتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے۔

جمع صوری بالاتفاق جائز اور درست ہے، جب کہ حقیقی کے جواز وعدم جواز میں

اختلاف ہے، آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......جمع تقدیم۔ (۲)......جمع تاخیر۔

جمع حقیقی تقدیم! یہ ہے کہ فرضِ ثانی کو مقدم کر کے فرض اول کے وقت میں ادا کیا جائے، جیسا کہ میدانِ عرفات میں عصر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

جمع حقیقی تاخیر! یہ ہے کہ فرضِ اول کو مؤخر کر کے فرضِ ثانی کے وقت میں ادا کیا جائے، جیسا کہ مزدلفہ میں مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔

جمع حقیقی کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین حقیقی جائز اور درست ہے، البتہ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، جس میں اس بات کی صاف صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دورانِ سفر ظہر وعصر کو جمع فرماتے تھے، اسی طرح مغرب وعشاء کو جمع فرماتے تھے، ائمہ ثلاثہ کی دوسری بہت مضبوط دلیل فصل ثانی میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آرہی ہے، جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمع تقدیم وتاخیر دونوں غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران فرمائے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: مزدلفہ وعرفات کے علاوہ کسی بھی موقعہ پر جمع بین الصلوٰتین حقیقی درست نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ: "**ان الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً**" (سورة النساء: ۱۰۳) اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ نماز

کے اوقات مقرر ہیں، ان ہی اوقاتِ مقررہ میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں، مثلاً: ”**فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة**“ (**سورۂ مریم: ۵۹**) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو اپنے مقررہ وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا نماز کو ضائع کرنا ہے، بہر حال نماز کے اوقات کی رعایت کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید کی آیات قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں، لہٰذا ان سے ثابت شدہ حکم اخبار آحاد سے ساقط نہیں ہوگا، اور قرآن مجید کی آیات کا اخبار احاد سے معارضہ درست نہ ہوگا، اور جہاں تک عرفہ ومزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کا مسئلہ ہے تو وہ دلیل قطعی متواتر سے ثابت ہے، اور یہ بالاجماع مناسک حج میں سے ہے، مؤطا امام محمدؒ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ ”**ان الجمع بين الصلاتين في وقت واحد كبيرة من الكبائر**“ (**موطأ امام محمد: ۱۳۲، باب الجمع بين الصلوتين فى السفر والمطر**)

اشکال: جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا تعلق حضر سے ہے، سفر میں جائز ہے، آپ جو ممانعت کی روایات وغیرہ پیش کر رہے ہیں، وہ حضر سے متعلق ہیں، نہ کہ سفر سے۔

جواب: طحاوی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”**وليس في النوم تفريط انما التفريط في اليقظة بأن تؤخر صلوة الى وقت اٰخر**“ (**طحاوی: ۱/۱۲۲، باب الجمع بين الصلوتين**) یہ حدیث مطلق ہے، لہٰذا مقیم ومسافر سب کو شامل ہے، اس لئے مسافر کے لئے بھی جمع بین الصلاتین کی گنجائش نہیں نکلتی، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد سفر میں فرمایا، لہٰذا مقیم کے ساتھ مسافر تو ضرور شامل ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: ائمہ ثلاثہ جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں ان کے بارے میں اصولی بات یہ ہے کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے، اور جمع صوری مراد لینے میں رخصت بھی رہے گی، اور قرآن وحدیث کے درمیان کسی قسم کا تضاد محسوس نہ ہوگا، بلکہ سب پر عمل ممکن ہوگا، جمع صوری مراد لینے پر دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد ہے: ”**صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الظھر والعصر جمیعاً والمغرب واالعشاء جمیعا فی غیر خوف ولا مطر**“ (طحاوی: ۱۱۹/۱، باب الجمع بین الصلوتین) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمع بین الصلوتین کا مقصد کیا تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”**اراد ان لایحرج امتہ**“ (**طحاوی ۱۱۹/۱، باب الجمع بین الصلوتین**) امت کو دشواری نہ ہو، اب ظاہر بات ہے کہ جمع سے مراد جمع صوری ہی لینا پڑے گا، اس لئے کہ جمع حقیقی بلاعذر کے کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہے، ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی تائید میں مشکوۃ شریف میں آگے جو حدیثیں آرہی ہیں ان کا جواب وہیں دیا جائے گا، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس حدیث کا اوپر ذکر ہے اس کا تفصیلی جواب بھی آگے اسی حدیث کے ذیل میں نقل کیا جائے گا۔

جمع بین الصلوتین کے بارے میں غیر مقلدین کا عمل

غیر مقلدین نے نماز کو ایک طرح سے کھلواڑ بنا رکھا ہے، لہٰذا جمع بین الصلوتین کے سلسلہ میں بھی ان کا عمل بالکل منفرد ہے، ہر طرح کے عذر، بلکہ خود ساختہ اعذار کی بناء پر وہ جمع بین الصلوتین کے قائل ہیں، غیر مقلدین کے مسلک کو سمجھنے کے لئے صرف ان کے دو فتاویٰ

نقل کردینا کافی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ کا فتویٰ

مولانا ثناء اللہ امرتسری سے کسی نے پوچھا: ''مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے، اور عصر میں فرصت نہیں ملتی، تو کیا ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے؟'' مولانا نے فرمایا: ''واقعی اگر عصر کا وقت نہیں ملتا تب ظہر کے ساتھ عصر جمع کرلیا کریں، صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء جمع کی تھیں۔'' (فتاویٰ ثنائیہ:۱/۴۳۶) بخاری میں جو روایت ہے وہ سفر حج سے متعلق ہے، اور جمع بین الصلوتین کا تعلق عرفہ مزدلفہ سے ہے، اس کو مولانا نے اپنے اجتہاد سے عام کردیا، اسی طرح مولانا سے سوال کیا گیا۔

ایضاً

سوال: فی زمانناکثرت سے رواج ہے کہ مسلم حصول انعام کے لئے مثلاً فٹ بال کھیلا کرتے ہیں اور کھیلنے کے باعث عصر ومغرب کی نماز ترک کردیتے ہیں، پھر قضا نماز پڑھ لیتے ہیں کیا جائز ہے؟

جواب: نماز قضا بلاوجہ اچھا نہیں ہے، کھیلنے والوں کو چاہئے کہ پہلے افسروں سے تصفیہ کرلیں کہ نماز کے وقت کھیل کود چھوڑدیں گے، اگر وہ نہ مانیں تو ظہر کے ساتھ عصر ملا لیں، یا عصر کے ساتھ ظہر ملا کر جمع کرلیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ:۶۳۱، ۱/۶۳۲)(ماخوذ از ارمغان حق)

حاصل یہ نکلا کہ غیر مقلدین کے یہاں بلاوجہ حتی کہ کھیل کود کی غرض سے بھی جمع بین

الصلوتین درست ہے، حالانکہ نماز کے اوقات متعین ہیں، ان ہی اوقات میں نماز ادا کرنا فرض ہے، وقت سے پہلے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، اور وقت کے بعد نماز ادا کرنا قضا ہے ادا نہیں ہے۔ (تفصیلات کے لئے طحاوی، بذل المجہود، التعلیق: ۱۲۳/۲ دیکھیں)

سواری پر نوافل پڑھنا

﴿۱۲۶۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِيْ إِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۳۶/۱، باب الوتر فی السفر، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۔ مسلم شریف: ۲۴۴/۱، باب جواز الصلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں رات کی نماز اپنی سواری پر اشارے سے پڑھا کرتے تھے، سواری آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رخ جس طرف بھی کردیتی تھی (آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادھر ہی نماز پڑھتے تھے) مگر فرض نمازیں، اور وتر اپنی سواری پر پڑھ لیتے تھے۔

سواری پر استقبال قبلہ شرط ہے یا نہیں؟

تشریح: صلوۃ نافلہ حالت سفر میں "دابہ" پر بالاتفاق جائز ہے اگرچہ "دابہ" یعنی

سواری قبلہ کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو، تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک تحریمہ کے وقت استقبالِ قبلہ ضروری ہے بعد میں جدھر سواری کا رخ ہو اسی سمت میں رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اگر ابتداءً تحریمہ کے وقت ہی سواری کا رخ قبلہ کی طرف نہیں ہے، تو نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: "عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا سافر فاراد ان یتطوع استقبل بناقتہ القبلۃ فکبر ثم صلی حیث وجھہ رکابہ." (ابوداؤد: ۱/۱۷۳، باب التطوع علی الراحلۃ والوتر) اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سواری پر نماز شروع کرنے سے پہلے سواری کا رخ قبلہ کی طرف کر لیتے تھے۔ پھر جدھر کو بھی سواری متوجہ ہوتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک استقبالِ قبلہ سواری پر کسی حال میں واجب نہیں ہے نہ ابتداءً اور نہ بعد میں، البتہ ابتداءً مستحب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ روایت ہے جو کہ ابوداؤد میں منقول ہے: "عن سالم عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسبح علی الراحلۃ ای وجہ توجہ" (ابوداؤد: ۱/۱۷۳، باب التطوع علی الراحلۃ والوتر) اس حدیث میں استقبالِ قبلہ کی شرط نہ ابتداءً ہے، نہ بعد میں ہے، بلکہ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جدھر سواری کا

رخ ہوتا تھا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: امام شافعیؒ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس روایت سے استدلال کرتے ہیں، وہ استحباب پر محمول ہے، یعنی مستحب یہ ہے کہ ابتداءً استقبالِ قبلہ کرلیا جائے، لیکن یہ شرط نہیں ہے۔

یوتر علی راحلته: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتر کی نماز سواری پر ادا کرتے تھے، حدیث باب بظاہر احناف کے خلاف ہے، اس لئے کہ حنفیہ سواری پر وتر کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

وتر سواری پر جائز ہے یا نہیں؟

دورانِ سفر سواری پر وتر کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف وتر کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دوران سفر سواری پر وتر کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صاف صراحت ہے کہ "**یوتر علی راحلة**" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری پر وتر ادا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک "**وتر علی الراحلة**" یعنی سواری پر وتر ادا کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: امام صاحبؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو طحاوی اور مسند احمد میں ہے: "**عن ابن عمر انه كان يصلي على راحلته ويوتر بالارض ويزعم ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان**

يفعل كذا" (طحاوی: ۲۸۴/ ۱، باب الوتر هل يصلی فی السفر علی الراحلة) [حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نفل نماز اپنی سواری پر ادا کرتے تھے اور نماز وتر زمین پر پڑھتے تھے، اور کہتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔] یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی وتر زمین پر اتر کر ادا فرماتے تھے، اور نوافل سواری پر ادا فرماتے تھے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: (۱)......حدیث الباب جو کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کی دلیل ہے اور جس میں وتر کی نماز کا سواری پر ادا کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اس زمانہ سے متعلق ہے جب وتر کے وجوب کا حکم نہیں ہوا تھا، وتر کے وجوب کے بعد وتر زمین پر ہی ادا فرماتے تھے، اس طرح دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔

(۲)......حالت عذر پر محمول ہے۔

(۳)......حدیث باب اور مذکورہ حدیث ابن عمر میں تعارض ہے، لہٰذا دفع تعارض کے لئے اس کو راجح قرار دیا جائے گا جو کہ قیاس کے زیادہ مطابق ہو، اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ وتر سواری پر درست نہ ہو، اس لئے کہ نفل نماز سواری پر درست ہے اور فرض درست نہیں ہے، اور وتر فرض کے قریب ہے، کیونکہ یہ واجب یا واجب کے مانند ہے۔ وتر کے وجوب کے دلائل باب الوتر میں گذر چکے۔ (التعليق: ۱۲۵/ ۲، مرقاة: ۱۹۸/ ۲، بذل المجهود: ۵/۳۸۲، باب التطوع علی الراحلة والوتر)

الفصل الثانی

سفر میں قصر و اتمام

(۱۲۶۳) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كُلُّ

ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ۔ (رواه فی شرح السنة)

حواله: شرح السنة للبغوی: ۳/۹۶، باب قصر الصلوة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۲۳۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قصر بھی فرمایا، اور اتمام بھی فرمایا۔

تشریح: جو حضرات قصر کو رخصت فرماتے ہیں وہ حدیث الباب سے استدلال فرماتے ہیں، کہ حدیث الباب سے قصر و اتمام دونوں کا جواز معلوم ہوتا ہے، احناف کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں مغرب وفجر میں اتمام کیا ہے، اور ظہر، عصر اور عشاء میں قصر۔ یا مطلب یہ ہے کہ حالت حضر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اتمام کیا ہے، اور حالت سفر میں قصر۔ (اشرف التوضیح)

تیسرا مطلب یہ ہے کہ سفر شرعی میں قصر فرمایا، اور سفر غیر شرعی میں اتمام فرمایا، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

مسافر کا مقیم کی امامت کرنا

﴿۱۲۶۴﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَايُصَلِّيْ اِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ الْبَلَدِ اَرْبَعاً فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۷۳ ، باب متی یتم المسافر، کتاب صلوۃ المسافر، حدیث نمبر: ۱۲۲۹۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ میں تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں اٹھارہ رات قیام کیا، اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے رہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (سلام پھیرنے کے بعد) فرماتے اے اہل شہر! تم چار رکعت پوری کرلو، بلاشبہ ہم مسافر ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ٹھہرنا اقامت کی نیت سے نہیں تھا، بلکہ واپسی کا ارادہ آج یا کل کرتے کرتے اٹھارہ دن گذر گئے تھے، اگر شروع سے اتنا عرصہ ٹھہرنے کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارادہ فرماتے تو قصر نہ فرماتے، بلکہ اتمام فرماتے، اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسافر مقیم کی امامت کرسکتا ہے، لیکن مسافر اپنے اعتبار سے دو رکعت پڑھانے کے بعد سلام پھیر دے اور مقیم حضرات سے کہہ دے کہ وہ اپنی نمازیں پوری کرلیں، اور اگر مسافر مقیم کی اقتداء کررہا ہے تو امام کی اتباع کرتے ہوئے چار رکعت مکمل پڑھے گا۔

اشکال: فاقام بمکۃ ثمانی عشرۃ لیلۃ: ماقبل میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گذری، جس میں ہے کہ "فاقام تسعۃ عشر یوما" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر انیس دن قیام کیا، یہاں اٹھارہ دن قیام کا تذکرہ ہے، ایک روایت میں سترہ دن کا بھی ذکر ہے، یہ روایات میں تعارض ہوگیا۔

جـــــواب: اصل بات یہ ہے کہ زیادہ مشہور اور صحیح روایت انیس والی ہے، اور اختلاف روایت کی وجہ یہ ہے کہ جس نے یوم الدخول و یوم الخروج یعنی مکہ آنے اور مکہ سے جانے کے دنوں کو مستقل شمار کیا ہے اس نے انیس دن بیان کئے، اور جس نے ان دونوں کو ساقط کر دیا اس نے سترہ دن بیان کئے، اور جس نے دونوں کو ملا کر ایک شمار کیا اس نے اٹھارہ دن ذکر کئے۔ (مرقاۃ:۲/۱۹۷)

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ اگر امام مسافر ہو تو سلام کے بعد اعلان کر دے کہ میں مسافر ہوں تم لوگ بقیہ نماز پوری کر لو، اور یہ اعلان کرنا مستحب ہے۔ (اعلاء السنن:۷/۲۸۵، مرقاۃ:۲/۱۹۸)

سفر میں سنن پڑھنا

﴿۱۲۶۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَهَا رَکْعَتَیْنِ وَفِی رِوَایَةٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّیْتُ مَعَهٗ فِی الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعاً وَبَعْدَهَا رَکْعَتَیْنِ وَصَلَّیْتُ مَعَهٗ فِی السَّفَرِ الظُّهْرَ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَهَا رَکْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَکْعَتَیْنِ وَلَمْ یُصَلِّ بَعْدَهَا شَیْئاً وَالْمَغْرِبَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَآءً ثَلٰثَ رَکْعَاتٍ وَلَا یَنْقُصُ فِی حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِیَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَکْعَتَیْنِ۔ (رواه الترمذی)

حـوالہ: تـرمـذی شـریف:۱/۱۲۳، بـاب مـاجـاء فـی التطوع فی

السفر ، كتاب الجمعة، حدیث نمبر:۵۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سفر میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی دو رکعت فرض نماز پڑھی، اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھی، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں نماز پڑھی، تو میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضر میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھی، اور اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھی، اور میں نے سفر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی دو رکعت پڑھی، اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھی، اور عصر کی دو رکعت نماز پڑھی، اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں پڑھی، اور مغرب کی نماز سفر و حضر میں یکساں طور پر تین رکعت ہیں، نہ سفر میں کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ حضر میں کمی ہوتی ہے، اور یہ دن کے وتر ہیں، اور مغرب کے بعد دو رکعت سنت پڑھتے تھے۔

تشریح: حدیث الباب سے تین چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱)......قصر چار رکعات والی نماز میں ہوگا، تین رکعات یا دو رکعات والی نماز میں نہیں ہوگا۔

(۲)......سفر میں سنتیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۳)......وتر کی تین رکعات ہیں۔

سفر کے دوران سنن ونوافل وغیر پڑھنے کا کیا حکم ہے، اس میں مذاہب بھی مختلف ہیں، اور روایاتِ حدیث بھی۔

مذاہب

اس مسئلہ میں سلف کے اقوال مختلف ملتے ہیں، بعض نے اس کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے، بعض نے مطلقاً جائز، اور بعض نے رواتب اور نوافل مطلقہ میں فرق کیا ہے، ائمہ اربعہ میں

سے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ سفر میں بھی نمازوں کے ساتھ سنن قبلیہ وبعد یہ پڑھ لینی چاہئیں، امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں کوئی صریح روایت منقول نہیں، مشائخ احناف کے اس میں اقوال مختلف ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اگر امن اور قرار کی حالت ہو تو پڑھ لینی چاہئیں، لیکن فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی سنن کا تاکد بہر حال ختم ہو جاتا ہے۔

مختلف روایات اور ان میں تطبیق

سفر میں نماز کے ساتھ سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات مختلف ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر انکار فرمایا ہے، مثلاً پہلی فصل میں حفص بن عاصمؒ کی متفق علیہ روایت گذر چکی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سفر میں دو رکعت نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ کی سواری لائی گئی اور آپ (اس میں) بیٹھ گئے، اس وقت آپ نے چند لوگوں کو سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "لو کنت مسبحا اتممت صلوتی" اگر مجھے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں فرضوں ہی میں اتمام کر لیتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ رہا ہوں وہ سفر میں دو رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔

اس کے برعکس زیر بحث حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں، ان مختلف روایات میں تطبیق کی علماء نے مختلف تقریریں کی ہیں۔ مثلاً

(۱)...... نفی والی روایات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد سنتیں پڑھنے کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ تاکد کی نفی مقصود ہے، یعنی سفر میں ان کی تاکید نہیں رہتی۔

(۲)...... مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غالب حالات میں تو نہیں پڑھتے

تھے، کبھی کبھی پڑھ بھی لیتے تھے۔

(۳)......حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ نفی حالت سیر میں ہے اور اثبات حالت اقامت میں ہے۔

(۴)......حضرت شیخ الحدیث صاحب سہارنپوری قدس سرہ نے تطبیق یوں دی ہے کہ نفی زمین پر اتر کر پڑھنے کی ہے اور اثبات سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کا ہے۔(التعلیق الصبیح:۲/۱۲۵، مرقاۃ:۲/۱۹۹، اعلاء السنن:۷/۲۸۸، باب التطوع فی السفر)(اشرف التوضیح)

جمع بین الصلوتین

﴿۱۲۶۶﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۷۰، باب الجمع بین الصلوتین، کتاب صلوۃ المسافر، حدیث نمبر:۱۲۲۰۔ترمذی شریف: ۱/۱۲۴، باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین، ابواب السفر، حدیث نمبر:۵۵۳۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر ڈھل جاتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے ہمغرب کی نماز میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے، اگر آفتاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہوجاتا تو مغرب وعشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے، اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ کرتے تو نماز مغرب میں تاخیر فرماتے، یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر جمع بین الصلوتین فرمایا تھا۔ اوراس میں جمع تقدیم وجمع تاخیر دونوں کی صراحت ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی تو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں کو جمع کیا ہے۔ اور کبھی عصر کے وقت میں عصر اور ظہر دونوں کو جمع کیا ہے، اسی طرح مغرب وعشاء کا معاملہ ہے۔ حدیث الباب ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث جمع صوری پر محمول ہے، اس پر بہت سے قرائن موجود ہیں۔ مثلاً: سنن ابوداؤد (ص: ۱/۱۷۱، **باب الجمع بین الصلوتین، کتاب صلوۃ المسافر**) اور دارقطنی (ص:۱/۳۰۵، حدیث نمبر:۱۴۴۲) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستہ میں ان کے مؤذن نے کہا: ''**الصلوۃ**'' یعنی مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''سر سر'' [چلتے رہو] اس کے بعد لفظ ہیں: ''**حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء**'' یعنی آپؓ نے مغرب

غروب شفق سے تھوڑی دیر پہلے پڑھی پھر کچھ دیر انتظار کے بعد جب شفق غروب ہوگئی تو آپؐ نے عشاء پڑھی، دونوں میں جمع صوری ہوئی اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جلدی میں ہوتے تھے تو ایسا ہی فرماتے تھے۔

حدیث الباب کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً صحیح نہیں، بہت سے محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں: "**هذا حديث منكر وليس في جمع التقديم حديث قائم**"

پھر اگر اس حدیث کی صحت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی اس کو جمع صوری پر محمول کرنا ممکن ہے، یعنی حدیث کا مطلب یہ بیان کیا جائے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زوال کے بعد کوچ کرنے کا خیال ہوتا تو وقت ظہر کے آخری حصہ تک انتظار کرتے، آخر وقت ظہر میں ظہر پڑھتے اور عصر کی نماز ابتداءِ وقت میں پڑھتے، اس طرح کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی بار بار اترنے چڑھنے کی مشقت سے بچ جاتا ہے، یہ مطلب اس حدیث کے کسی لفظ کے خلاف بھی نہیں ہے، بلکہ طبرانی وغیرہ کی بعض روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ (اشرف التوضیح)

فتح الملہم میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی جمع کا ذکر ہے، مراد جمع صوری ہے، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جمع بین الصلوتین کا ثبوت صرف اس صورت میں ملتا ہے جہاں پہلی نماز کے آخری وقت اور دوسری نماز کے اول وقت میں پڑھ کر صورۃً جمع کر سکے، اور یہ چیز ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع کرنے میں ہے، ان دونوں نمازوں کے درمیان وقت مکروہ نہیں ہوتا، فجر اور ظہر کے درمیان وقت مکروہ ہے، عصر اور مغرب کے درمیان وقت مکروہ ہے، عشاء اور فجر کے درمیان بھی وقت مکروہ ہے، لہٰذا ان اوقات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازوں کو جمع نہیں فرمایا،

معلوم ہوا کہ جمع سے جمع صوری مراد ہے۔ (فتح الملہم: ۲۶۴/ ۲، باب جواز الجمع بین الصلوتین فی السفر) باقی جمع بین الصلوتین کی تفصیلی بحث اوپر گذر چکی۔

سواری پر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ

﴿۱۲۶۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ یَتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ بِنَاقَتِہٖ فَکَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰی حَیْثُ وَجَّھَہٗ رِکَابُہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۷۳/ ۱، باب التطوع علی الراحلۃ، کتاب المسافرین، حدیث نمبر: ۱۲۲۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنی اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف کر لیتے، پھر تکبیر تحریمہ کہتے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے، چاہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سواری جس رخ پر لے جاتی۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سواری پر نفل نماز پڑھتے وقت ابتداء میں استقبال قبلہ کر لینا چاہئے، یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت سواری کا رخ قبلہ کی طرف کر لینا چاہئے، درمیانِ صلوۃ میں اگر سواری قبلہ رخ نہیں رہتی ہے، تو کوئی حرج نہیں۔

حدیث الباب سے حدیث کے اسی جز سے استدلال کر کے شوافع کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت استقبال قبلہ واجب ہے، حنفیہ استحباب کے قائل ہیں۔ اور وہ اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

سواری پر اشارہ سے نماز پڑھنا

﴿۱۲۶۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَاجَۃٍ فَجِئْتُ وَھُوَ یُصَلِّیْ عَلیٰ رَاحِلَتِہٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَیَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّکُوْعِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۷۳، باب التطوع علی الراحلۃ، کتاب صلوۃ المسافر، حدیث نمبر: ۱۲۲۷۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت سے بھیجا، جب میں واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی سواری پر مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، اور سجدے رکوع سے زیادہ پست کرتے تھے۔

تشریح: نفل نماز سواری پر بیٹھ کر اشارہ کے ذریعہ پڑھنا درست ہے، اشارہ سے پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ قرأت تو بیٹھ کر کی جائے، باقی رکوع وسجدے وغیرہ اشارے سے کئے جائیں، سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلے میں پست ہوگا، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سواری پر نفل پڑھنے کی صورت میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

مسافر مقیم کی اقتدا میں اتمام کرے

﴿۱۲۶۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا قَالَ صَلّٰی

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْبَکْرٍ بَعْدَہٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰی اَرْبَعاً وَاِذَا صَلَّاھَا وَحْدَہٗ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف:۱۴۷/۱، باب الصلوۃ بمنی، کتاب تقصیر الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۰۸۲۔مسلم شریف:۲۴۳/۱، باب قصر الصلوۃ بمنی، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر:۶۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں دو رکعت نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی منی میں دو رکعت نماز پڑھی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں دو ہی رکعت پڑھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار رکعت نماز پڑھنے لگے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب منیٰ میں امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت نماز پڑھتے، اور جب تنہا نماز پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ قصر کو عزیمت قرار دیتے ہیں، اور مسافر شرعی کے لئے قصر کو لازم قرار دیتے ہیں، امام شافعیؒ قصر کو رخصت قرار دیتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے، چاہے قصر کرے یا اتمام کرے۔

حضرات شوافعؒ جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے ایک حدیث باب بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع میں قصر کیا، بعد میں اتمام کیا، معلوم ہوا کہ قصر و اتمام دونوں کی گنجائش ہے۔ حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اتمام فرمانا کسی نص صریح کی بنا پر نہ تھا، بلکہ اجتہاد کی وجہ سے تھا، اور یہ تاویل پر مبنی تھا۔

(۱)......حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ میں شادی کر لی تھی، اور وہاں گھر بنالیا تھا، اور وہ متاہل ہونے کی بنا پر اتمام کرتے تھے۔

(۲)......سفر حج کے موقعہ پر دور دراز سے لوگ آتے تھے، ان کو دین کی زیادہ سمجھ نہیں ہوتی تھی، لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اتمام کیا تا کہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ نماز صرف دو رکعت ہی ہے۔

(۳)......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وہ امام ہیں اور امام کا تصرف عام ہے، لہٰذا وہ جس جگہ بھی رہے وہ جگہ اس کے وطن کے مانند ہوگی، اسی اجتہاد کی بناء پر انہوں نے اتمام کیا، بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اتمام کرنا اور اتمام کے لئے تاویل پیش کرنا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ عام لوگوں کے لئے سفر شرعی میں قصر ہی لازم ہے، اتمام کی گنجائش نہیں ہے۔(التعلیق: ۱۲۶ / ۲، اعلاء السنن: ۲۶۹ /۷، تتمه فی بیان سبب اتمام عثمان فی حجته)

سفر میں دو رکعت ہی عزیمت ہے

﴿۱۲۷۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعاً وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَابَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ

عُثْمَانُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۵۱، باب کیف فرضت الصلوت فی الاسراء، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۵۰۔مسلم شریف: ۱/۲۴۱، باب صلوة المسافرین وقصرها، کتاب صلوة المسافرین، حدیث نمبر:۶۸۵۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نماز دو رکعت فرض تھی، پھر جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو چار رکعت فرض ہوگئی، اور سفر میں پہلا فریضہ باقی رکھا گیا، امام زہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پوری نماز سفر میں کیوں پڑھتی تھیں؟ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تاویل کی ہے، جیسے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاویل کی۔

تشــریح: اس حدیث شریف میں دو اہم باتیں منقول ہیں: (۱) سفر میں قصر کرنا رخصت نہیں بلکہ اصل فریضہ پر عمل ہے، اس لئے کہ مغرب کے علاوہ ہجرت سے قبل تمام نمازیں دو دو رکعت ہی تھیں، ہجرت کے بعد تین نمازوں ظہر، عصر، اور عشاء کی نماز کی رکعات میں اضافہ ہوا، اور یہ اضافہ مقیم کے حق میں ہے، مسافر کے حق میں اضافہ ہوا ہی نہیں، لہٰذا مسافر کا دو رکعت نماز پڑھنا اصل فریضہ پر عمل کرنا ہے نہ کہ رخصت پر۔ (۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سفر میں اتمام کرتی تھیں، اور ان کا اتمام کرنا اجتہادی عمل تھا، اس پر کوئی نص نہیں ہے۔

تاولت کما تاول عثمان: جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں قصر کیا ہے، تاویل کی وجہ سے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کوئی تاویل کرتی تھیں، یہاں تشبیہ نفس تاول میں دینا مقصود ہے، یہ ضروری نہیں کہ دونوں

کی تاویل بھی ایک ہی ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاویل کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

حضرت عائشہؓ کی پہلی تاویل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ قصر کی اس وقت قائل تھیں جب کہ سفر میں مشقت زیادہ ہو، اگر مشقت نہ ہوتو اتمام کرلیا کرتی تھیں۔

دوسری تاویل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوران سفر اپنے اتمام پر یہ دلیل پیش کرتی تھیں کہ ان کے حق میں سفر متحقق نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں، لہٰذا وہ دنیا کے جس گوشہ میں بھی رہیں اپنے بیٹوں کے گھر میں ہیں، اور ماں اپنے بیٹوں کے گھر میں مسافر نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتمام تاویل کے بعد کیا اب تاویل صحیح ہے یا نہیں اس کی جواب دہی حنفیہ پر نہیں ہے، ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ سفر شرعی میں اتمام صحیح نہیں، اور اتمام کسی صحابیؓ نے نہیں کیا، اگر کسی صحابیؓ نے اتمام کیا تو اس پر تاویل پیش کی ہے۔
(مرقاۃ: ۲/۲۰۰، التعلیق: ۲/۱۲۷) (اشرف التوضیح)

قصر کا حکم من جانب اللہ ہے

﴿۱۲۷۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ **(رواہ مسلم)**

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۴۱، باب صلوۃ المسافرین و قصرھا،

کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۶۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔

تشریح: وفی السفر رکعتین: یہ حنفیہ کی مضبوط دلیل ہے۔ کہ سفر میں قصر رخصت نہیں، بلکہ اصل حکم اور اصل فریضہ ہے، لہٰذا اتمام مقدار مفروض پر زیادتی ہوگا۔

وفی الخوف رکعۃ: صلوۃ الخوف رکعات وتعداد میں صلوۃ الامن کی طرح ہے، یہاں ایک رکعت پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ دو جماعتیں بن جائیں، ایک دشمن سے مقابلہ کرے اور دوسری جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے، اور پھر دوسری جماعت آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھے، اور دونوں جماعتیں مزید ایک ایک رکعت تنہا پڑھیں، یہ صورت دو رکعت والی نماز کی ہے، اور تین اور چار رکعات والی نماز میں پہلی جماعت دو رکعت امام کیساتھ پڑھے، باقی تنہا پڑھے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۰۱، التعلیق: ۲/۱۲۷)

دوران سفر وتر کا حکم

﴿۱۲۷۲﴾ وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلوٰةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۸۳، باب ماجاء فی الوتر فی السفر، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز دو رکعت مقرر فرمائی اور یہ دو رکعت نماز پوری ہے، ناقص نہیں ہے، اور سفر میں وتر کی نماز سنت ہے۔

تشریح: سفر میں قصر کا حکم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے نافذ کیا ہے، اصل حکم تو قرآن مجید میں موجود ہے، سفر میں قصر ہی اصل ہے، اس لئے دو رکعت نماز پڑھنا مکمل نماز ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی کمی ہوئی ہو، وتر کی نماز سفر میں پڑھنا ثابت بالسنہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وتر کی نماز سفر میں واجب نہیں رہتی ہے۔

سن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے قصر کا حکم نافذ ہوا ہے، ورنہ تو قصر کا حکم قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہے۔

غیر قصر: سفر میں دو رکعت نماز پڑھنا ہی اصل ہے، اس میں کوئی نقصان یا کمی نہیں ہوتی ہے، اور سفر میں دو رکعت پڑھنے کو قصر کہنا مجازاً ہے، یا پھر حضر کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے۔

والوتر سنۃ: وتر کا ثبوت سنت سے ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ سفر میں بھی وتر کی نماز اسلامی طریقہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان وتر کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ یہ جملہ اگرچہ دو صحابہ کا قول ہے، لیکن حکم میں حدیث مرفوع کے ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۰۱، التعلیق:۲/۱۲۷)

مقدار مسافت قصر

﴿۱۲۷۳﴾ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

عَنْهُمَا كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِيْ مِثْلِ مَا يَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِيْ مِثْلِ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔ (رواہ فی المؤطا)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۵۲، باب مایجب فیہ قصر الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۵۔

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف، مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برید ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار برید کی مسافت یا اس سے زائد کا سفر کررہا ہے تو وہ مسافر شرعی ہے اور وہ قصر کرے گا، چار برید اڑتالیس میل شرعی کہلاتا ہے، جو کہ انگریزی میل سے چون میل ٹھہرتا ہے۔

اقوال ائمہ

کتنی مسافت کا سفر کرنے سے آدمی شرعاً مسافر بنتا ہے، اور اس کے لئے قصر جائز ہوتی ہے، اس میں فقہاء کے اقوال بہت مختلف ہیں، تقریباً بیس کے قریب اقوال ہیں، یہاں صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے مسافت سفر کی مقدار چار برید منقول ہے، یہ ایک دن کی مسافت بنتی ہے، پھر اس مقدار کی میلوں کے ساتھ تحدید میں ان حضرات کے اقوال مختلف ہیں۔ (اوجز المسالک: ۲/۷۰)

امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مسافت قصر تین دن کی مسافت ہے، درمیانی

چال کے ساتھ، ایک روایت یہ بھی ہے کہ تین مراحل ہیں، دونوں روایتیں قریب قریب ہی ہیں، امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ مسافت قصر دو دن اور تیسرے دن کے اکثر حصے کی مسافت ہے۔امام صاحب سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، تین دن کی مسافت والا قول حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ، سوید بن غفلۃؓ، حذیفہ بن الیمانؓ وغیرہ بہت سے سلف سے منقول ہے۔(معارف السنن:۳/۴۷۳/۴)

بعض مشائخ حنفیہ نے مقدار سفر کی تحدید فراسخ کے ساتھ بھی کی ہے اس میں بھی پھر کئی قول ہیں، ایک یہ کہ مسافت قصر پندرہ فرسخ ہے، دوسرا یہ کہ اٹھارہ فرسخ ہے، تیسرا یہ کہ اکیس فرسخ ہے، فتویٰ بھی مختلف قولوں پر دیا گیا ہے، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، ایک میل چھ ہزار ذراع کا ہوتا ہے، اور ایک ذراع چوبیس انگل کا، ان مقداروں کی تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے رسالہ ''اوزان شرعیہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے، ہمارے بہت سے مشائخ نے اڑتالیس میل والے قول کو اختیار کیا ہے، یہ پندرہ فرسخ والے قول کے قریب ہی ہے۔

حنفیہ کی ظاہر الروایۃ تین دن کی مسافت کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ سفر کے دوسرے احکام میں شریعت نے تین دن کی مدت کو معیار بنایا ہے۔مثلاً: ہر مسافر کیلئے تین دن رات تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔اور یہ رخصت تبھی ممکن ہے جب کہ اقل مدت سفر تین دن رات ہو، ورنہ یہ رخصت بعض مسافروں کو شامل ہوگی، بعض کو نہیں حالانکہ حدیث میں ''المسافر'' محلی باللام ذکر کیا گیا ہے، اور اس سے مقصود استغراق جنس ہے، معلوم ہوا سفر شرعی اس وقت بنتا ہے جب کہ آدمی کھانا پینا اور آرام جاری رکھ کر تین دن سفر میں گذارے یا اتنی مسافت طے کرلے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا تسافر المرأۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم" (بخاری شریف:۱۴۷/۱، باب فی کم یقصر الصلوۃ، رقم الحدیث:۱۰۷۵، اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے،

غرضیکہ سفر کے دوسرے احکام میں تین دن ہی کا اعتبار کیا گیا ہے۔

زیر بحث حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جن مسافتوں میں قصر کرنا آ رہا ہے، امام مالکؒ نے ان کی تحدید "اربعة برد" کے ساتھ کی ہے۔ "برد" برید کی جمع ہے۔ برید کے مختلف معانی آتے ہیں۔ (۱) دو فرسخ۔ (۲) بارہ میل۔ (۳) دو منزلوں کے درمیان جتنی بھی مسافت ہو، اسی لئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے جن روایات میں مسافت قصر کی تحدید "برید" کے ساتھ کی گئی ہے، ان سے استدلال کسی بھی مسلک پر مناسب نہیں، اس لئے اس کے معنی میں ابہام پایا جاتا ہے۔ مالکیہ نے جو اس کی تفسیر کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ تو چار برید سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے۔ (التعلیق: ۱۲۷، ۲/۱۲۸، مرقاۃ: ۲/۲۰۱) (اشرف التوضیح)

دوران سفر نفل نماز پڑھنا

﴿۱۲۷۴﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔ (رواه ابو داؤد، والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۱/۱۷۲، باب التطوع فی السفر، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۱۲۲۲۔ ترمذی شریف: ۱/۱۲۳، باب ماجاء فی التطوع فی السفر، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۵۰۔

ترجمه: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ دن سفر میں رہا، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنا ترک کیا ہو۔ (ابو داؤد، ترمذی)

امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دورانِ سفر بھی سنن کا اہتمام فرماتے تھے، حدیث باب میں ظہر سے پہلے جو دو رکعت پڑھنا مذکور ہے، اس سے مراد یا تو تحیۃ الوضوء کی نماز ہے، یا پھر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختصر کر کے دو رکعت پڑھتے ہوں گے۔

صاحب بذل نے علامہ عینی کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد صلوۃ الزوال کی دو رکعت ہیں، جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر سے پہلے پڑھتے تھے، دوران سفر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنن پڑھی بھی ہیں اور ترک بھی کیا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں پر عمل کی گنجائش ہے۔ (بذل: ۵/۳۷۹، مرقاۃ: ۲۰۲) تفصیل اوپر گذر چکی۔

ایضاً

﴿۱۲۷۵﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا كَانَ يَرىٰ ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔

(رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۵۳، باب صلوة النافلة فی السفر الخ، کتاب قصر الصلوة فی السفر، حدیث نمبر: ۲۴۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو منع نہیں کرتے تھے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ سفر میں نفل کے ادا کرنے اور ترک کرنے دونوں کی گنجائش ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسا اوقات نفل کی ادائیگی پر نکیر فرمائی ہے، اور بسا اوقات کوئی نکیر نہیں کی ہے، ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت نکیر کی ہو جب لوگوں نے سفر میں مشقت کے باوجود التزاماً نفل کی ادائیگی کی ہو، اور جب وقت اور موقعہ میں گنجائش رہتے ہوئے نفل ادا کی ہو، تو آپ رضی اللہ عنہ نے نکیر نہ کی ہو۔

اصل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ گنجائش ہو تب سنن سفر میں پڑھی جائیں، بلاوجہ کی مشقت برداشت کر کے سنن کا اہتمام درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں فرض دو رکعت رکھی ہے، تا کہ مشقت نہ ہو۔ (مرقاۃ:۲/۲۰۲)

باب الجمعة

جمعہ کا بیان

رقم الحدیث: ۱۲۷۶ تا ۱۲۸۹۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الجمعة

(جمعہ کا بیان)

لفظ جمعہ کی تحقیق اور وجہ تسمیہ

لفظ ''جمعہ'' کے ضبط میں مختلف اقوال ہیں: مشہور لغت میں ضم المیم ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ بسکون المیم ہے، ان دونوں صورتوں میں اس کے معنی "المجموع" ہیں، یعنی یوم الفوج المجموع. تیسری لغت بفتح الجیم ومیم ہے۔ چوتھی لغت بفتح الجیم وکسر المیم ہے۔ اس وقت معنی ہونگے "الجامع" ای یوم الوقت الجامع. اور جمعہ یہ اسلامی نام ہے، اس سے پہلے جاہلیت میں اس کا نام یوم العروبۃ تھا، جس کے معنی رحمت کے ہیں، اب جمعہ کو جمعہ نام رکھنے کی چند وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(۱)......چونکہ اس دن بہت لوگ جمع ہوتے ہیں۔

(۲)......اس دن حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر جمع کیا گیا تھا۔

(۳)......اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام وحواء علیہا السلام کا اجتماع ہوا تھا۔

(۴)......بعض حضرات کہتے ہیں کہ کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کر کے وعظ کرتے تھے

اس لئے اس کا نام پڑ گیا۔(بذل المجھود: ۵/۶۰۵، اوجز: ۲/۲۰۰، التعلیق: ۲/۱۲۹، مرقاۃ: ۲/۲۰۲، معارف السنن: ۴/۳۰۳)

جمعہ کی فرضیت

جمعہ کی فرضیت کے بارے میں احناف کی تحقیق یہ ہے کہ اس کی فرضیت مکہ میں ہوگئی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ادا کرنے کی قدرت نہیں تھی، اس لئے ادا نہیں کیا، اور مکہ مکرمہ سے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور چودہ روز قبا میں مقیم رہے، وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لئے جمعہ نہیں پڑھا کہ قریہ تھا، جب مدینہ شریف تشریف لے آئے تو جمعہ ادا کیا۔

شوافع اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ آیت جمعہ مدنی ہے، اس لئے جمعہ کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوئی، لیکن علامہ سیوطیؒ ''الاتقان'' میں شافعی ہونے کے باوجود تصریح فرماتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی، اگرچہ آیت مدنی ہے، اور اس کی بہت مثالیں ہیں، کہ احکام مکہ مکرمہ میں آئے، لیکن اس کے بارے میں آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، خود وضو کا حکم مکہ مکرمہ میں آیا، لیکن اس کی آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

احناف کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ آئے، ہجرت سے پہلے تو آپ نے ان کو بہت سے احکام سکھائے، اور یہ بھی فرمایا کہ تم مدینہ طیبہ جا کر جمعہ قائم کرنا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبل الہجرت فرضیت جمعہ ہوگئی تھی۔(اعلاء السنن: ۹/۲۵، ابواب الجمعۃ، تتمۂ اولیٰ، معارف السنن: ۴/۳۰۴)

اجتماعی عبادت کے لئے دن کی تعیین

اجتماعی عبادت کیلئے ہفتہ واری اجتماع کیا گیا، اور ہفتہ میں جمعہ کے دن کا انتخاب امت

کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نوازش ہے، سارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ نے اولاً بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب پر القاء کیا۔ رحمۃ اللہ الواسعۃ میں اس کی تفصیل لکھی ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، مدینہ میں اسلام کی اشاعت میں ان کی مساعی جمیلہ کا بڑا حصہ ہے، انہوں نے ایک مرتبہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر ایک باغ میں جمع کیا، تاکہ پتہ چلے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور وہ کس حال میں ہیں، جب سب حضرات جمع ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد توقع سے زیادہ تھی، سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے، حضرت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بکرا ذبح کر کے سب کی دعوت کی، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا، کھانا کھا کر سب نے جماعت سے دوگانہ شکر ادا کیا، اور مشورہ ہوا کہ آئندہ بھی ہفتہ میں ایک بار جمع ہونا چاہئے، تاکہ ایک دوسرے کے احوال کا پتہ چلے، پھر یہ بات زیر غور آئی کہ کس دن جمع ہوا جائے، سب نے جمعہ کے دن کی رائے دی، اور وجہ یہ بیان کی کہ ہم اہل کتاب سے پیچھے کیوں رہیں؟ دین کے کاموں میں ہمیں ان سے ایک دن آگے رہنا چاہئے، اس طرح جمعہ کے دن کا انتخاب عمل میں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ثانیاً یہ علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کھولا، مصنف ابن شیبہ (ص: ۱۵۷/۴، باب فی فضل صلوۃ الجمعۃ الخ، حدیث نمبر: ۵۵۶۰) کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے، ان کے ہاتھ میں آئینہ جیسی کوئی چیز تھی، اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا، میں نے پوچھا کہ جبرئیل! یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ جمعہ ہے، میں نے پوچھا کہ جمعہ کیا ہے؟ فرمایا تمہارے لئے اس میں خیر ہے، میں نے پوچھا کہ اس میں کیا خیر ہے؟ فرمایا: وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے لئے روزِ عید ہے، اور یہود و نصاریٰ تمہارے پیچھے ہیں، یعنی ان کی عبادت کے دن بعد میں آرہے ہیں، میں نے پوچھا کہ اس دن میں کیا خصوصیت

ہے؟ فرمایا: اس میں ایک ساعت قبولیت ہے، میں نے پوچھا کہ اس میں سیاہ نقطہ کیا ہے؟ فرمایا: یہی وہ ساعت قبولیت ہے، جو جمعہ کے دن ہوتی ہے، اور یہ سید الایام ہے، قیامت کے دن اس کو ہم یوم المزید کہیں گے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵۹۹/۳، جمعہ کا بیان، التعلیق: ۲/۱۲۹)

﴿الفصل الاول﴾

جمعہ مسلمانوں کا خاص دن ہے

﴿۱۲۷۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِیْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ، اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔ (متفق عليه) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الآخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَحْنُ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَيْدَ اَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلٰى آخِرِهٖ، وَفِیْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ آخِرِ الْحَدِيْثِ، نَحْنُ الآخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَقْضِیُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۰/۱، باب فرض الجمعة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۶۔ مسلم شریف: ۲۸۲/۱، باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ہم بعد میں آنے والے ہیں، قیامت میں سب سے آگے ہوں گے، علاوہ ازیں اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے، پھر یہ وہ دن ہے، (جمعہ) جو ان پر فرض کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں ہمیں ہدایت فرمائی، اور لوگ ہمارے تابع ہیں، یہود نے کل (سنیچر) کو اختیار کیا، اور نصاریٰ نے پرسوں (اتوار) کو اختیار کیا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ ہم بعد میں آئے ہیں، اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، علاوہ ازیں اور آخر تک اسی طرح ذکر کیا، مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث کے آخیر میں ارشادفرمایا: کہ ہم اہل دنیا کے اعتبار سے پیچھے آنے والے ہیں، قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے جن کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔

تشریح: نحن الآخرون السابقون یوم القیامة: کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کے اعتبار سے دنیا میں اگر چہ ہم دوسری دو قوموں سے بہت بعد میں آئے، لیکن ان امتوں کا پہلے آنا کوئی شرف کی بات نہیں، اور ہمارا بعد میں آنا ہمارے مرتبہ میں کمی کا باعث نہیں ہے، بلکہ ہم اگر چہ بعد میں آئے ہیں، لیکن دوسری قوموں سے ہمارا مقام ومرتبہ بلند ہوگا، چنانچہ ہم کو دوسری تمام امتوں سے پہلے میدان محشر میں جمع کیا جائے گا، اور سب سے پہلے ہمیں ہی پل صراط سے گذارا جائے گا، اور ساری مخلوق سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ (مرقاۃ:۲/۲۰۲، التعلیق:۲/۱۳۰)

بَیْدَ اَنَّھُمْ اُوْتُوْا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا: بید لفظاً ومعنیً غیر کی طرح ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہود ونصاریٰ وغیرہ کو دنیا میں کتابیں پہلے ملیں اور ہم کو قرآن مجید جو ہمیں بعد میں آنے کی وجہ سے بعد میں ملا، لیکن تقدم زمانی یہ کوئی فضل وشرف کا موجب نہیں ہے، بلکہ یہ چیز تو ہمارے لئے باعث شرف وکمال ہے، اس لئے کہ جو کتاب بعد میں آتی ہے وہ ناسخ ہوتی ہے، اور جو کتابیں پہلے آتی ہیں، وہ منسوخ ہوجاتی ہیں، لہٰذا ہماری کتاب نے دوسری امتوں کی کتابوں کو منسوخ کردیا، جو ہمارے لئے باعث افتخار وفضیلت ہے۔ (مرقاۃ:۲۰۳/۲، التعلیق:۱۳۰/۲)

ثُمَّ ھٰذَا یَوْمُھُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ: یہود ونصاریٰ پر جمعہ کا دن فرض کرنے اور اس میں یہود ونصاریٰ کا اختلاف کرنے کا کیا مطلب ہے، اس سلسلہ میں شراح حدیث نے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو حکم دیا تھا اور ان پر فرض کیا تھا کہ وہ ایک دن جمع ہوکر اپنے خالق ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری کرکے اس کی عظمت کا اظہار کریں، لیکن دن کی تعیین نہیں کی تھی، بلکہ معاملہ ان پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے غور وفکر کے ذریعہ اس کو متعین کریں، کہ وہ کونسا دن ہے، اور ہر قبیلہ پر یہ واجب کردیا تھا کہ وہ اپنے اجتہاد کی اتباع کریں، چاہے اجتہاد صحیح ہو یا غلط۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا، اور وہ اس امتحان میں ناکام ہوئے، چنانچہ یہودیوں نے سنیچر کے دن کا انتخاب کیا، اور اس کی وجہ یہ قرار دی کہ سنیچر کے دن زمین وآسمان پوری کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ فارغ ہوئے تھے۔ لہٰذا مخلوق خدا کو بھی چاہئے کہ وہ اس دن کو اپنی تمام مشغولیات سے فارغ کرکے اپنے مولیٰ کی عبادت میں منہمک ہوجائے۔

اور نصاریٰ نے اتوار کو چن لیا، اور دلیل یہ پکڑی کہ یہی دن ہے کہ جس میں تخلیق کائنات کی ابتدا ہوئی تھی، اس لئے عبادت وشکر کے لئے بہترین دن یہی ہے، الغرض اہل

کتاب کے دونوں فرقے تعیین جمعہ کو نہ سمجھ سکے، اور اس فضیلت سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ نے یہ خوش نصیبی امت محمدیہ کے لئے متعین کردی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ہدایت دی اور وہ یوم جمعہ کو متعین کرنے میں کامیاب وکامران ہوئے، اور یہ فضیلت ان کے حصہ میں آئی، اس لئے کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت خداوندی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: ”وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون“ اور انسان کی خلقت جمعہ کے دن ہوئی، اور اس لئے اس دن عبادت کرنا اولیٰ ہوگا، اس لئے کہ دوسرے ایام میں وہ چیزیں پیدا کی گئیں جو انسانوں کی منفعت کی ہیں، اور جمعہ کے دن خود انسان کو پیدا کیا گیا، لہٰذا جب جمعہ کے دن انسان متبوع کو پیدا کیا گیا تو اس دن کی عبادت بھی متبوع ہوگی، اور اس کے پورے دن کی عبادت تابع ہوگی، اس لئے جمعہ کے دن کا انتخاب سب سے بہتر ہے۔
(مرقاۃ: ۳/۲۰۳، التعلیق: ۲/۱۳۱، طیبی: ۳/۲۰۶)

خصائص جمعہ

﴿۱۲۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۸۲، باب فضل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ ان سب دنوں میں جن میں سورج طلوع ہوتا ہے، سب

سے بہترین جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا، اور قیامت بھی جمعہ کے روز ہی قائم ہوگی۔“

تشریح: ہفتہ کے سات دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، یہ دن سید الایام ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بابرکت اور محترم ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **”ان یوم الجمعة سید الایام واعظمها عند الله“** (مشکوۃ شریف: ۱۲۰) یہی وہ بابرکت دن ہے جس دن سارے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عمل میں آئی، اسی دن قابل شکر امر یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے دخول جنت کا عمل متحقق ہوا۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش

فیہ ادخل الجنة: اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جنت سے باہر ہوئی، اس کے بعد ان کو جنت میں داخل کیا گیا۔

اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین کی طرف اخراج ہوا، اور ان کو خلیفۃ اللہ ہونے کی سعادت روئے زمین پر حاصل ہوئی، اسی دن قیامت قائم ہوگی، جو کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے جنت میں داخل ہونے اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔ اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر خود حق تعالیٰ شانہ کی زیارت و دیدار ہے، جو مومنوں کو جنت میں میسر آئے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۰۵، التعلیق: ۲/۱۳۱، بذل: ۵/۱۰)

جمعہ کے دن کیا کیا چیزیں ہوئیں؟

جمعہ کے دن کیا کیا چیزیں ہوئیں؟ جن کا احادیث مبارکہ میں ذکر ہے، وہ یہ ہیں:

(۱)......حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش۔

(۲)......حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں داخلہ۔

(۳)......حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں نزول۔

(۴)......حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت۔

(۵)......ساعت اجابت اسی دن میں ہے۔

(۶)......قیامت کا قیام اسی دن ہوگا۔

جمعہ اور یوم عرفہ

تعارض: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن اس حدیث میں فرمایا ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام دنوں میں سب سے افضل عرفہ کے دن کو بھی فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: "**ما من یوم افضل عند اللہ تعالیٰ من یوم عرفة**" [اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ کے دن سے افضل کوئی دن نہیں ہے۔] بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

دفع تعارض: دونوں کی فضیلت کا مدار الگ الگ اعتبار سے ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے، جمعہ کو افضل الایام سات دن کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی ہفتہ میں جو سات دن ہوتے ہیں ان سات دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اور عرفہ کا دن پورے سال میں سب سے بہتر دن ہے، یعنی مجموعی اعتبار سے "عرفہ کا دن" سب سے بہتر ہے۔ فصل ثانی میں حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**ان من افضل ایامکم یوم الجمعة**" یہاں "من" تبعیضیہ ہے، جس سے یہ بات

معلوم ہورہی ہے کہ جمعہ ایام فاضلہ کے قبیل سے ہے۔لہٰذا یہاں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ یوم عرفہ جمعہ سے افضل ہو۔(بذل:۸/۵،التعلیق:۱۳۱/۲،مرقاۃ:۲۰۵/۲)

فیہ خلق آدم: جمعہ ہی کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن جنت میں دخول اور جنت سے اخراج متحقق ہوا، حدیث باب سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تینوں عمل ایک دن میں انجام پاگئے، چنانچہ منقول ہے: حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی صبح پیدا ہوئے اور ظہر کے وقت جنت میں داخل ہوئے اور عصر کے وقت جنت سے نکالے گئے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔(مرقاۃ:۳۰۵/۲)

جنت میں قیام کی مدت

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں کتنا قیام فرمایا؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں:

(۱)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آخرت کے دنوں میں سے نصف یوم رہے، جس کی تعداد دنیا کے دنوں کے اعتبار سے پانچ سو برس ہوتے ہیں، کلبی کا قول بھی یہی ہے۔

(۲)......حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: آخرت کے دنوں کے اعتبار سے ایک ساعت قیام کیا، جس کی مقدار دنیا کے دنوں کے اعتبار سے ایک سوتیس برس ہوتے ہیں۔

(۳)......مختصر الجامع میں وہب ابن منبہؒ کا قول منقول ہے کہ چھ ساعات قیام کیا، آخرت کے دنوں کے اعتبار سے۔

(۴)......ایک قول یہ ہے: پانچ ساعات۔

(۵)......ایک قول ہے کہ تین ساعات قیام کیا۔واللہ اعلم۔(اوجز المسالک:۴۳۷/۲)

اشکال: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کا جنت میں دخول تو ایسے امور ہیں جن

سے جمعہ کی عظمت معلوم ہوتی ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے سے جمعہ کی عظمت کا کیا واسطہ ہے، جو جمعہ کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا بھی ذکر فرمایا۔

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکالا جانا بھی انسانیت کے حق میں سراپا خیر ہے، اس سے روئے زمین کو نور ہدایت عطا ہوا، یہی "اخراج" انبیاء ورسل اور کتب کے نزول کا ذریعہ بنا، اسی سے صلحا اور اولیا کا وجود عمل میں آیا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کا یہ اخراج شیطان کی طرح ذلت کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف فرما کر اپنی حکمت بالغہ کے تحت زمین پر بھیجنے کے لئے جنت سے ان کا اخراج کیا تھا، اسی اخراج کی بدولت ان کو زمین پر خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے حاصل ہوئی، اور ان کی اولاد میں نبوت ورسالت کا عظیم سلسلہ قائم ہوا، لہٰذا یہ عمل جس دن میں پیش آیا وہ دن بھی عظیم ہوگا، اور وہ دن جمعہ کا دن ہے۔ (طیبی: ۳/۲۰۷، التعلیق: ۲/۱۳۱، مرقاۃ: ۲/۲۰۵، بذل: ۵/۱۰)

نزول آدم علیہ السلام اور ہجرت نبی علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے دنیا میں نزول اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے درمیان فاصلہ کی مدت چھ ہزار دو سو سولہ برس بیان کی گئی ہے، تورات یونانیہ کے مطابق محققین مؤرخین کے نزدیک یہی معتمد علیہ ہے۔ (تاریخ الخمس: ۱/۵۳، اوجز المسالک: ۲/۴۴۸)

ولا تقوم الساعۃ: جمعہ ہی کے دن قیامت آئے گی، قیامت سے مراد "نفخۂ اولیٰ" ہے، کہ جس سے سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے، یا پھر "نفخۂ ثانیہ" مراد ہے، کہ اس کے پھونکے جانے کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔

سوال: قیامت میں کون سی خوبی ہے کہ جمعہ کو اس کی بنا پر فضیلت حاصل ہوگی۔

جواب: قیامت اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندوں کے جنت میں دخول کا ذریعہ ہے، اور یہ جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی، لہٰذا جمعہ کو اس کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اخراج اور قیامت کے قائم ہونے کا تذکرہ جمعہ کی فضیلت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اس دن میں بڑے بڑے واقعات رونما ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (بذل: ۵/۸، طیبی: ۳/۲۰۷)

نزول حضرت آدم علیہ السلام

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے درمنثور میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط (نزول) ارض ہند میں اور حضرت حواء علیہا السلام کا جدہ میں اور ابلیس کا نزول ایلہ میں مصر کے قریب۔

اور تاریخ خمیس میں معالم التنزیل سے نقل کیا ہے کہ ابلیس کو ایلہ میں اور حواء علیہا السلام کو جدہ میں اور آدم علیہ السلام کو سرزمین ہند میں سراندیپ میں ایک پہاڑ کے اوپر جس کو نود کہا جاتا ہے، اور یہ ہند کے بالائی حصہ پر ہے، چین کی طرف ایک بلند پہاڑ ہے، جو سمندر میں رہنے والوں کو کئی دن کی مسافت سے نظر آتا ہے، اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان بھی ہے، جو اندر گھسا ہوا ہے۔

عرائس الثعلبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف وادی سراندیپ میں ایک پہاڑ پر اتارا گیا، اس لئے کہ اس کی چوٹی تمام پہاڑوں کے مقابلہ میں آسمان کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات

جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی، حضرت آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار برس ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ ۹۳۰ برس، ایک قول ہے کہ ۹۴۰ برس، ایک قول ۹۶۰ برس۔ یہ اقوال زرقانی نے نقل فرمائے ہیں، صاحب الخمیس نے ان اقوال کو مفصلاً بیان فرمایا ہے۔

وفات مکۃ المکرمہ میں ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑھائی، ملائکہ اور اولاد آدم علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نماز جنازہ حضرت شیث علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے پڑھائی۔

تدفین

حضرت آدم علیہ السلام کی تدفین کے بارے میں کئی قول ہیں:

(۱)...... ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، اور وہیں جبل ابوقبیس کے غار میں تدفین ہوئی۔

(۲)...... دوسرا قول یہ ہے کہ منیٰ میں مسجد خیف کے پاس تدفین ہوئی۔

(۳)...... تیسرا قول یہ ہے کہ ہندوستان میں وفات اور تدفین ہوئی، ابن کثیر نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴)...... چوتھا قول یہ ہے کہ قدس میں تدفین ہوئی، سر مبارک عند الصخرۃ اور پیر مبارک مسجد خلیل کے پاس، اس کو زرقانی نے بیان کیا ہے۔

اور خمیس میں بحر العلوم سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

نے بیان فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام جب حج سے فارغ ہوئے تو ہندوستان واپس تشریف لائے، اور ہندوستان میں نود پر وفات پائی، اور وہیں دفن ہوئے، اور حضرت ثابت البنانیؒ سے مروی ہے کہ ان کو سراندیپ میں اس جگہ دفن کیا جس جگہ ان کا نزول ہوا تھا، حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور زمخشریؒ نے کشاف میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سراندیپ میں دفن کیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، جیسا کہ خمیس میں تفصیل ہے۔ (اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک: ۲/۴۴۹)

جمعہ کے دن قبولیت کی ایک خاص ساعت

﴿۱۲۷۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَايُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔ (متفق عليه) وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِىَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا قَالَ اِنَّ فِىْ الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَايُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُّصَلِّى يَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۲۸، باب الساعة التى فى يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۲۵۔ مسلم شریف: ۱/۲۸۱، باب فى الساعة التى فى يوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۲۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جمعہ کے دن میں بلاشبہ ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر

کوئی مسلمان بندہ پالے اور اس میں وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر و بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرماتے ہیں۔" (بخاری، ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں: "قال وهي ساعة خفيفة الخ" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ وہ ساعت بہت مختصر ہوتی ہے۔"] اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں: "ان في الجمعة لساعة" بلاشبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مؤمن جو نماز کے لئے کھڑا ہو پالے اور خدا سے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرما دیتا ہے۔"

تشریح: جمعہ کے دن ایک مخصوص گھڑی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ مانگی ہوئی مراد ضرور عطا کرتے ہیں، وہ گھڑی کون سی ہے؟ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔

ان في الجمعة لساعة: جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں مسلم بندہ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

جمعہ کی ساعت اجابت

بہت سی احادیث میں یہ بات آرہی ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے جس میں بندہ حق تعالیٰ شانہ سے جو دعاء بھی مانگتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے، یہ مقبول گھڑی کونسی ہے، اس کی کوئی قطعی تعیین نہیں کی جاسکتی، حق تعالیٰ شانہ نے اپنی خاص حکمتوں کی وجہ سے اس قسم کی مقبول ساعات کی حتمی تحدید نہیں فرمائی تاکہ بندے کہیں اسی پر اکتفاء کر کے نہ بیٹھ جائیں، شب قدر کے معاملہ میں بھی ایسا ہی فرمایا، اس کی بھی قطعی تحدید نہیں کی گئی کہ کونسی رات ہوتی ہے، لیکن نصوص میں ایسی باتیں موجود ہیں، جن سے ان مقبول ساعات کی ظنی تعیین کی جاسکتی ہے۔

ساعت جمعہ کی تعیین میں علماء کے کافی اقوال ہیں، تقریباً پچاس کے قریب قول ہیں، لیکن حضرت شیخ الحدیث محدث سہارن پوری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں سے مشہور قول گیارہ ہیں۔

(۱)......طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور عصر بعد سے غروب شمس تک ہے، ابن المنذرؒ نے کہا کہ ہم نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۲)......عند الزوال ہے، ابن المنذرؒ نے اس کو حسن بصریؒ اور ابو العالیہؒ سے ذکر کیا ہے۔

(۳)...... جب مؤذن جمع کی اذان دیتا ہے۔ ابن المنذرؒ نے کہا کہ ہم نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۴)...... جب امام منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے، خطبہ سے فارغ ہونے تک ابن المنذرؒ نے کہا کہ ہم نے اس کو حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے۔

(۵)......وہ وقت جس کو اللہ تعالیٰ نے نماز کے لئے منتخب کیا ہے، ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کہا ہے۔

(۶)......زوال کے بعد سے نماز شروع کرنے تک، ابو السوار العدویؒ نے اس کو کہا ہے۔

(۷)......سورج ایک بالشت بلند ہونے سے ایک ہاتھ ہونے تک، ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کہا ہے۔

(۸)......عصر بعد سے غروب شمس تک، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عطا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو کہا ہے۔

(۹)......عصر کے بعد آخری ساعت ہے، امام احمدؒ، جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

(۱۰)...... امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے وقت سے نماز سے فارغ ہونے تک ہے، امام

نوویؒ وغیرہ نے اس کو کہا ہے۔

(۱۱)......دن کی تیسری ساعت ہے، اس کو صاحب مغنی نے نقل کیا ہے۔(اوجز:۲/۴۳۸)
بذل المجہود میں ۴۲ رقول تفصیل کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، جنہیں تفصیل دیکھنی ہو وہ بذل کی طرف رجوع کریں۔(صفحہ:۱۹رتا۲۲/۵)

پھر ان گیارہ میں سے بھی زیادہ مشہور اور قابل اعتماد قول دو ہیں، ایک یہ کہ یہ گھڑی امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے، پہلے قول کی تائید حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے، جو فصل اول میں بحوالۂ مسلم موجود ہے، اور دوسرے قول کی تائید حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جو فصل ثانی میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے:
"التمس الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة بعد العصر الی غیبوبة الشمس"
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے، جیسا کہ فصل ثانی کی پہلی روایت میں ہے۔

اکثر سلف کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر اس ساعت کے بارہ میں مذاکرہ کیا اور اس بات پر ان کا اتفاق ہوا، کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن کے اخیر میں ہوتی ہے، حنفیہ کا میلان بھی زیادہ تر اسی قول کی طرف ہے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطبہ ونماز کا وقت قبولیت دعا کا ہے، اس کے انکار کی ضرورت نہیں، لیکن وہ ساعۃ مخصوص جس کی خاص طور پر فضیلت بیان کی گئی ہے وہ عصر کے بعد ہی ہوتی ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ گھڑی ان دونوں وقتوں کے درمیان دائر رہتی ہے، اس لئے ان دونوں وقتوں میں ہی دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے، حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "وعندی ان الکل بیان اقرب مظنة ولیس بتعیین" یہ ذہن میں رہے کہ خطبہ کے وقت زبان سے دعاء کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے دل ہی دل میں دعاء کرنی چاہئے۔ (اوجز المسالک: ۳۴۹/۲تا۲۵۱/۲، باب ماجاء فی الساعة التی فی یوم الجمعہ) (اشرف التوضیح)

اشکال: عصر کے بعد مغرب تک کا وقفہ کیسے مراد ہوسکتا ہے جب کہ حدیث باب میں یہ کلمات بھی ہیں: "قائم یصلی الخ" یعنی اس ساعت میں بندہ کھڑا ہوکر نماز پڑھتا ہے، ظاہر بات ہے عصر بعد سے مغرب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

جواب: یصلی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ وضو وغیرہ کرکے اس وقت میں نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہو اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتا ہو۔ (مرقاۃ: ۲۰۶/۲)

ساعت اجابت کے مخفی ہونے کی حکمت

سوال: اللہ تعالیٰ نے اس ساعت اجابت کو ظاہر کیوں نہیں فرمایا، پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: ساعت اجابت کے پوشیدہ رکھنے میں فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس کی امید اور اس کی تلاش کی وجہ سے پورے دن عبادت میں مشغول رہیں گے، اگر حتمی تحدید کردی جاتی تو اسی وقت پر تکیہ کرکے بیٹھ جاتے، اسی مصلحت سے 'لیلة القدر' کو بھی مبہم رکھا گیا ہے۔

تحدید کا فائدہ

اشکال: جب ساعت اجابت کے ابہام میں فائدہ ہے تو لوگ اس کی تحدید کیوں کرنا چاہتے ہیں؟

جــــواب: سلف صالحین کو عبادت کا شوق تھا ان کے حق میں ابہام ہی بہتر ہے، لیکن بعد والے سستی وغفلت کی وجہ سے بالکلیہ اس ساعت کی تلاش ترک ہی نہ کردیں، اس لئے ان کے حق میں نرمی کا تقاضا یہ تھا کہ ظنی ہی سہی تحدید کردی جائے تا کہ بالکلیہ محرومی نہ ہو، کیونکہ اگر تحدید نہ ہوتی تو پورے دن عبادت کی مشقت سے بچنے کے لئے اس طرف معدودے چند ہی لوگ متوجہ ہوتے ورنہ اکثر لوگ تو ترک ہی کردیتے۔ (معارف السنن: ۴/۳۰۷، التعلیق: ۲/۱۲۳، مرقاۃ: ۲/۲۰۶)

جمعہ میں ساعت قبولیت کی تعیین

﴿۱۲۷۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ هِیَ مَابَیْنَ اَنْ یَجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تُقْضَی الصَّلٰوةُ۔ (رواه مسلم)

حــواله: مسلم شریف: ۱/۲۸۱، بــاب فــی الســاعة التی فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۳۔

تــرجــمــه: حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی ساعت قبولیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”جب امام منبر پر بیٹھ جائے اس وقت سے نماز ختم ہونے تک ساعت قبولیت ہے۔

تشریح: اتنی بات تو طے ہے کہ جمعہ میں ایک ساعت ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، اس ساعت کی ظنی تحدیدات ذکر کی گئی ہیں، انہی میں سے ایک تحدید کا ذکر حدیث باب

میں بھی ہے، یہ کوئی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خطبہ اور نماز جمعہ کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف بندوں کے خصوصی طور پر متوجہ ہونے کے اوقات ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ ساعت قبولیت ''اسی وقت میں ہو۔''

امام کے منبر پر بیٹھنے سے مراد یا تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہے، یا پھر منبر پر چڑھنے کے بعد اذان ثانی سے پہلے کا بیٹھنا ہے۔

اشکال: امام کے خطبہ دینے کے وقت اسی طرح نماز پڑھانے کے وقت دعا مانگنا تو ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ دوران خطبہ خاموش رہنے کا حکم ہے، اسی طرح نماز کے درمیان بھی دعاء مانگنا درست نہیں ہے۔

جواب: دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے، صرف دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے، وہ بندہ کے خاموش رہتے ہوئے بھی تمام حاجات پوری کردیگا۔ (مرقاۃ:۲/۲۰۶)

الفصل الثانی

جمعہ کے دن پیش آنے والے چند واقعات

﴿۱۲۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ خَرَجْتُ اِلَی الطُّوْرِ فَلَقِیْتُ كَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرٰةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِیْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ

عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقاً مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرٰةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِيْ مَعَ كَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبُنِ التَّوْرٰةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَدْ عَلِمْتُ اَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ هِيَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ اٰخِرَ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِساً يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِيْ صَلٰوةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ ذٰلِكَ۔ (رواہ مالک وابوداؤد والترمذی والنسائی) وَرَوَى اَحْمَدُ اِلٰى قَوْلِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک:۳۸، باب ماجاء فی الساعة التی فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۱۶۔مسند احمد:۲/۴۸۶. ابوداؤد شریف:۱۵۰/۱۴۹/۱، باب تفریع ابواب الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۰۴۶۔ترمذی شریف:۱۱۱/۱، باب ماجاء فی الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۴۹۱۔نسائی شریف:۱۶۰/۱، باب ذکر الساعة التی یستجاب فیها الدعا یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۱۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں طور کی طرف نکلا، وہاں میں نے کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی، ان کے ساتھ میں بیٹھا، انہوں نے مجھ سے تورات کی کچھ باتیں بیان کیں، میں نے ان کے سامنے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں بیان کیں، میں نے ان کو جو حدیثیں سنائیں ان میں یہ بھی میں نے بتایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ان تمام دنوں میں جس میں سورج نکلتا ہے، سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن وہ زمین پر اتارے گئے، اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی، اور جمعہ ہی کے دن ان کی وفات ہوئی، اور جمعہ ہی کے دن قیامت بھی قائم ہوگی، اور کوئی چوپایہ ایسا نہیں ہے جو قیامت آنے کے ڈر سے جمعہ کو صبح ہوتے ہی سورج نکلنے تک قیامت کا منتظر نہ رہتا ہو، سوائے جنات اور انسان کے، اور جمعہ کے دن میں ایک خاص ساعت ہے، جس کو اگر کوئی مسلمان بندہ اس حال میں پالے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو، اور اللہ سے کچھ مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتے ہیں، حضرت کعب نے سن کر فرمایا: یہ ساعت مخصوصہ سال میں ایک دن آتی ہے۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں یہ ساعت آتی ہے، حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تورات پڑھا، اور فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سچ ارشاد فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنی نشست گاہ کا ذکر ان سے کیا، اور مین نے جمعہ کے سلسلہ کی حدیث ان سے بھی بیان کی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ ساعت مخصوصہ ہر سال میں ایک دن آتی ہے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے غلط کہا۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے ان سے کہا کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تورات پڑھی، اور کہا کہ بلکہ یہ ساعت ہر جمعہ میں آتی ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کعب رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ پھر عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے میں جانتا ہوں کہ وہ ساعت کب آتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے بھی اس کے بارے میں مطلع فرمائیے، اور اس کے بتلانے میں مجھ سے بخل نہ کیجئے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن آخیر حصہ میں ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن آخر حصہ میں کیوں کر ہوسکتی ہے، جب کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ **"لایصادفھا عبد مسلم وھو یصلی فیھا"** اس ساعت کو اگر کوئی مسلم بندہ نماز کی حالت میں پالے الخ، عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ **"من جلس مجلسا الــخ"** جو شخص اپنی جگہ بیٹھا ہوا نماز کا انتظار کر رہا ہے وہ اس وقت تک حکماً نماز کی حالت

میں ہے، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پس اس سے مراد یہی ہے۔ (مؤطا امام مالک، ابو داؤد، ترمذی، نسائی) اور امام احمدؒ نے اس روایت کو ''صدق کعب'' تک ہی نقل کیا ہے۔

تشــریح: جمعہ کے روز پیش آنے والے جن امور کا ذکر اس حدیث میں ہے اس کے بارے میں شراح کے دو قول ہیں، جن کو امام نووی نے نقل کیا ہے۔

(۱)...... قاضی عیاضؒ کی رائے یہ ہے کہ ان امور کو ذکر کرنے سے مقصود اثبات فضیلۃ للیوم نہیں ہے، بلکہ جو امور عظام اس دن میں پیش آئے یا آنے والے ہیں صرف ان کی اطلاع دینا مقصود ہے تا کہ انسان اس دن میں اعمال صالحہ کیلئے تیار ہو جائے، حصول رحمت اور دفع نقمت کیلئے، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج جنت سے اس دن میں ہونا اور اس دن میں قیامت کا قائم ہونا یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

(۲)...... اس کے بالمقابل ابو بکر بن العربیؒ کی رائے عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی میں یہ ہے کہ یہ تمام امور اثبات فضیلت ہی کے لئے ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے کہ آدم علیہ السلام کا جنت سے نکل کر دنیا میں آنا نسل عظیم اور اس ذریت کے وجود میں آنے کا سبب ہے، جو انبیاء، اولیا، صلحاء پر مشتمل ہے، نیز ان کا جنت سے نکلنا طرداً نہ تھا، بلکہ چند مدت کے لئے قضاء حوائج کے طور پر تھا، اور پھر لوٹ کر وہیں جانا تھا، اسی طرح اہل حق کا جنت میں دخول اور اہل باطل کا جہنم میں داخل ہونا یہ روز قیامت پر ہی موقوف ہے، لہٰذا اس سے اس دن کی فضیلت ظاہر ہے۔

وما من دابۃ الا وھی مصیخۃ الخ: یعنی جمعہ کے دن صبح صادق سے لے کر طلوع شمس کے وقت تک جتنے بھی حیوانات ہیں جن وانس کے علاوہ وہ کان

لگائے رہتے ہیں، (صور کی آواز سننے کے لئے) قیامت کے خوف سے کیونکہ قیامت اسی دن میں آئے گی، جیسا کہ اس سے پہلے اسی حدیث میں گذر چکا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا وقوع جمعہ کے دن صبح صادق کے وقت میں ہوگا، یہ بڑی عبرت کا مقام ہے کہ قیامت کا خوف اور اس کا فکر عام جانوروں کو تو لاحق ہو، اور انسان کو نہ ہو۔

آگے اس حدیث میں ساعۃ اجابۃ کا ذکر ہے، جس کو سن کر کعب احبار (جو کہ مخضر مین سے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایمان لائے اور توراۃ کے بڑے عالم تھے) وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ ساعۃ اجابۃ سال کے صرف ایک جمعہ میں ہوتی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نہیں ہر جمعہ میں، اس پر کعب رحمۃ اللہ علیہ نے توراۃ اٹھا کر دیکھی، اور پھر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کی، اور کہا: "صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ گذشتہ آسمانی کتابوں کے لئے مصدق ہے، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ آسمانی کتابیں اس کے لئے مصدق ہیں۔

قال ابو هريرة ثم لقيت عبد الله بن سلام: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور جو کچھ گفتگو ان کی کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی اس کو ان سے ذکر کیا، اس پر عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں جانتا ہوں وہ کون سی ساعت ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ جمعہ کے دن آخری ساعت ہے، آگے مضمون حدیث واضح ہے۔ (الدر المنضود)

جمعہ کی ساعت قبولیت کی تلاش

﴿۱۲۸۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوْا السَّاعَةَ الَّتِيْ تُرْجٰى فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔ (رواه الترمذي)

حواله: ترمذی شریف: ۱۱۱/۱، باب ماجاء في الساعة التي ترجي في يوم الجمعة، حدیث نمبر:۴۶۰ا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم اس گھڑی کو جس کی جمعہ کے دن میں امید باندھی گئی ہے عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔''

تشریح: جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا کی جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی، بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے، عصر کے بعد سے لے کر سورج غروب کے درمیان اس ساعت کے ہونے پر کئی احادیث ہیں، اس حدیث سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں آتی ہے، لہٰذا اس وقت میں خاص طور پر ذکر واذکار اور دعا ومناجات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

جس طرح شب قدر کی تعیین نہیں کی گئی ہے اسی طرح جمعہ کی ساعت مرجوء کی بھی صراحت نہیں کی گئی ہے، البتہ احادیث کے اشارات سے ظنی تحدید ہوتی ہے، یقینی صراحت نہ کرنے میں فائدہ ہے کہ اس کی تلاش میں مؤمن بندہ خوب جد وجہد کرے، اور جمعہ کا پورا دن عبادت میں گذارے، اور ظنی تحدید کا فائدہ یہ ہے کہ غفلت کا شکار لوگ مکمل طور پر سستی سے بچیں اور کچھ ہی دیر سہی جمعہ کے دن تلاش میں اپنا وقت صرف کریں۔ (مرقاۃ:۲/۲۰۸)

جمعہ کے روز کثرت درود شریف

﴿۱۲۸۲﴾ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی والبيهقی فی الدعوات الكبير)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۰ / ۱، باب تفریع ابواب الجمعة، باب فضل الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۴۷۔ نسائی شریف: ۱۵۴ / ۱، اکثار الصلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۱۳۷۳۔ ابن ماجہ شریف: ۱۱۸، باب ذکر وفاته ودفنه، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۶۳۶۔ دارمی: ۴۴۵/ ۱، باب ماجاء فی فضل صلوة الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۵۷۲۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اس دن میں ان کی روح قبض کی گئی، اسی میں دوسرا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا، لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن کثرت سے میرے اوپر درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہمارا درود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیسے پیش کیا جائے گا، جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہڈیاں پرانی ہوگئیں ہوں گی، راوی کہتے ہیں کہ ''ارمت'' سے مراد ''بلیت'' یعنی آپ کا جسم اطہر تو ریزہ ریزہ ہوگیا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ اللہ

تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام قرار دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں خاص طور پر چند باتیں قابل توجہ ہیں۔

(۱)...... جمعہ کا دن بہت افضل دن ہے، لہٰذا اس کی قدر کرنا چاہئے۔

(۲)...... اس دن میں بہت سے اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں، اور بہت سے اہم امور اسی دن میں انجام پائیں گے، مثلاً "نفخۂ ثانیہ" کا وقوع اسی دن ہوگا۔

(۳)...... اس دن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا چاہئے، بندہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے، تو اس کی طرف رحمت الٰہی خصوصی طور پر متوجہ ہوتی ہے، اور یہ بندہ کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۴)...... حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے قبر میں خصوصی حیات عطا فرمائی ہے، اسی حیات کا اثر ہے کہ ان کے جسم سڑنے گلنے سے محفوظ ہیں۔

عدد نفخات میں علماء کا اختلاف

"نفخہ" سے مراد "نفخة البعث" ہے، جس کو "نفخة الاحياء" بھی کہتے ہیں، یعنی "نفخۂ ثانیہ" جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے، اور صعقہ سے مراد "نفخة الصعق" ہے، یعنی "نفخۂ اولیٰ" جس سے سب جاندار مر جائیں گے، "كما في قوله تعالىٰ ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الارض الا من شاء الله ثم نفخ فيه اخرى فاذا هم قيام ينظرون" اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ "نفخة الصعق" "نفخۂ اولیٰ" ہے جس سے سب مر جائیں گے، اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، جس سے سب زندہ ہو جائیں گے، جس کو "نفخة البعث" کہا

جاتا ہے، لیکن آیت شریفہ کی ترتیب تو قیاس کے مطابق ہے کہ اول کو اولاً ذکر کیا اور ثانی کا ثانیاً، لیکن حدیث میں ترتیب اس کے برعکس ہے، جاننا چاہئے کہ عدد نفخات میں اختلاف ہے، دو تو متفق علیہ ہیں، نفخة الاماتة اور نفخة البعث [نفخة الاحیاء] اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نفخات تین ہیں، دو تو وہ جو اوپر مذکور ہوئے، اور ایک ان دونوں سے پہلے ہوگا جس سے زمین میں زلزلہ آئے گا اور تسییر جبال وتکویر شمس اور انکدار نجوم اور تسجیر البحار وغیرہ امور عظام کا وقوع ہوگا، لیکن اس نفخہ سے لوگ مریں گے نہیں سخت حیران وسرگرداں ہو جائیں گے، پھر اس کے بعد نفخۂ ثانیہ وثالثہ پائے جائیں گے، جن کا ذکر اس حدیث میں ہے، اور بعض نے چوتھی اور پانچویں قسم بھی ذکر کی ہے، جس کی تفصیل لامع الدراری: ۴۷/۳ رمیں ہے۔

فاکثروا علی من الصلوة فیه: اس سے جمعہ کے دن خاص طور سے صلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مامور بہ ہونا معلوم ہو رہا ہے، اور بھی بہت سی روایات میں جمعہ کے دن خصوصیت سے درود کی ترغیب وارد ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۰۹،۲۰۸) (الدرالمنضود)

ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبر میں خصوصی حیات عطا فرما رکھی ہے، اس کی وجہ سے ان کے جسم بھی محفوظ رہتے ہیں، اور مرور زمانہ کا ان کے جسم پر اثر بھی نہیں پڑتا، نہ تو ان کے جسم سڑتے اور گلتے ہیں، اور نہ زمین میں رل مل جاتے ہیں۔

قبر میں حیات کا مسئلہ

اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ عالم برزخ میں ہر شخص کو ایک گونہ حیات حاصل ہے، اب وہ لوگ کہ جن کے بارے میں قرآن مجید واحادیث شریفہ میں قبر میں زندہ ہونے کی بات کہی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر حیات کے اثرات زیادہ ہیں، سب سے

زیادہ قوی حیات کے اثرات انبیاء کرام علیہم السلام میں ہیں، پھر شہداء میں ہیں، پھر اولیاء اللہ میں ہیں، پھر عام مردوں میں ہیں، شہدا کی حیات کے اثر کی قوت ہے، جو ان کے جسم تک پہنچتی ہے، چنانچہ عام مردوں کے برخلاف ان کا جسم خاک سے متأثر نہیں ہوتا ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے بھی ممتاز ہیں، اس لئے ان پر ظاہر میں بھی زندوں کے احکام لگتے ہیں، چنانچہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح نہیں کرسکتی ہیں۔ (التعلیق: ۲/۱۳۴، مرقاۃ: ۲/۲۰۹، بذل: ۵/۱۵۴)

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور غیر مقلدین

غیر مقلدین کے بعض اکابر اگرچہ حضرات انبیاء کی قبر میں حیات کے قائل ہیں، مثلاً مولانا میاں نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ "حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، خصوصاً آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر عندالقبر درود بھیجتا ہے تو میں سنتا ہوں اور جو دور دور سے درود بھیجا جاتا ہے وہ پہنچایا جاتا ہے۔ (صفحہ نمبر: ۱/۵۲،)

لیکن موجودہ دور کے غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بشمول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں کسی بھی طرح کی حیات حاصل نہیں ہے، اور دلیل قرآن مجید کی آیت "انک میت وانھم میتون" پیش کرتے ہیں۔ [اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ بھی مرجانے والے ہیں، اور یہ کافر اور مشرکین بھی مرنے والے ہیں۔] غیر مقلدین اس آیت کو پیش کرتے ہیں، حالانکہ اس کا قبر میں حیات کے نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ سب کو اس دنیا سے کوچ کرنا ہے، یعنی سب کو مرنا ہے، اب رہی بات کہ مرنے کے بعد قبر میں تمام مردے ایک درجہ میں رہیں گے یا کچھ

فرق ہوگا؟ تو ظاہر سی بات ہے کہ کافر، مشرک اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب کا ایک درجہ میں ہونا ناممکن ہے، احادیث میں آتا ہے کہ قریب سے پڑھا ہوا درود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سننا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر میں حیات پر دلیل ہے، کسی بھی حدیث یا قرآن کی آیت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا انکار ثابت نہیں ہے، غیر مقلدین ان آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ دنیا میں کسی انسان کو بقا نہیں ہے، دونوں الگ الگ مسئلے ہیں، لہٰذا ایک کو دوسرے سے جوڑنا فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جمعہ کے دن کی اہمیت

﴿۱۲۸۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی يَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ يَدْعُو اللّٰهَ بِخَيْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا يَسْتَعِيْذُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ۔ (رواه احمد والترمذی) قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُوْسٰی بْنِ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ۔

حوالہ: مسند احمد: ۲۹۸/۲، ۲۹۹/۲، ترمذی شریف: ۱۷۱/۲، باب ومن سورۃ البروج، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۳۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے، یوم مشہود عرفہ کا دن ہے، یوم شاہد جمعہ کا دن ہے، جن دنوں میں سورج طلوع وغروب ہوتا ہے ان سب دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اس میں ایک ایسی ساعت ہے اس کو اگر کوئی بندۂ مومن پا کر اس میں اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کر لیتے ہیں، اور اگر کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز سے پناہ دیتے ہیں۔ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا موسیٰ بن عبیدہ کے علاوہ کسی سے مروی ہونا معلوم نہیں ہے، اور موسیٰ کی تضعیف کی گئی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اگر کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو اس سے اس چیز کی عظمت سمجھ میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ البروج میں تین دنوں کی قسمیں کھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تینوں دنوں کی حدیث باب میں تعیین فرمائی ہے، اس سے ان تینوں دنوں کی عظمت سمجھ میں آ رہی ہے، ان تین میں سے ایک جمعہ کا دن ہے، اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کی خاص ساعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں مانگی ہوئی مراد ضرور پوری ہوتی ہے، اور اس ساعت میں جس چیز سے پناہ طلب کی جائے پناہ ملتی ہے۔

الیوم الموعود یوم القیامۃ: مطلب یہ ہے کہ سورۃ البروج میں اللہ تعالیٰ نے ”یوم موعود“ کی قسم کھائی ہے اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

والیوم المشھود: یوم مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے، اس کو مشہود اس لئے کہا کہ دین والے بڑی تعداد میں اس دن جمع ہوتے ہیں۔

والشاھد: شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے۔

سوال: قرآن میں شاہد مقدم ہے، مشہود مؤخر ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے مشہود کو مقدم اور شاہد کو مؤخر کیوں کیا۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کی عظمت کی زیادتی کی بنا پر شاہد یعنی جمعہ سے پہلے مشہود یعنی عرفہ کو رکھا، یا پھر مخلوق خدا کی کثرت اور ہیئت قیامت کے دن جمع ہونے کے مانند ہوتی ہے، تو یہ گویا قیامت صغریٰ کا منظر ہے، اس وجہ سے قیامت کبریٰ یعنی یوم الموعود کے بعد مشہود کو ذکر کر دیا، اور جہاں تک یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شاہد کو مقدم اور مشہود کو مؤخر کیا تو اس کی وجہ یا تو فواصل کی رعایت ہے، کیونکہ موعود مشہود، اخدود ان سب میں فواصل کی رعایت ہے، یا پھر اس لئے کہ شاہد یعنی جمعہ کا دن عرفہ کے مقابلہ میں مقدم رہتا ہے، بار بار آتا ہے، اس لئے اس کو مقدم کیا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۰، التعلیق: ۲/۱۳۴)

﴿الفصل الثالث﴾

جمعہ کا دن سید الایام ہے

﴿۱۲۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَّوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ آدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ آدَمَ اِلَی الْاَرْضِ وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یَسْأَلُ الْعَبْدُ فِیْهَا شَیْئاً اِلَّا اَعْطَاهُ مَالَمْ یَسْأَلْ حَرَاماً وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَّلَكٍ مُّقَرَّبٍ وَلَا سَمَآءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِیَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ ابن ماجۃ) وَرَوَی اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اِنَّ رَجُلاً

مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔

حواله: ابن ماجه شريف: ۷۶، باب في فضل الجمعة، كتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۸۴۔مسند احمد: ۵/۲۸۴.

ترجمہ: حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ کے نزدیک جمعہ کا دن دیگر دنوں کا سردار اور دیگر دنوں سے زیادہ عظمت والا ہے، اور یہ اللہ کے نزدیک عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دنوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے، اس میں پانچ خصوصی چیزیں ہیں۔ (۱) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی۔ (۲) اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا۔ (۳) اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی۔ (۴) اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کی ہر مانگی ہوئی چیز ضرور عطا کرتے ہیں، الا یہ کہ بندہ حرام چیزوں کا سوال کرے۔ (۵) اور جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ مقرب فرشتوں، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ سمندر میں سے کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے، جو جمعہ کے دن سے ڈرتی نہ ہو۔ (ابن ماجہ) امام احمدؒ نے اس حدیث کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس میں یوں ہے کہ انصار میں سے ایک صاحب حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں بتائیے کہ اس میں کیا خوبی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس دن میں پانچ مخصوص باتیں ہیں، اس کے بعد اخیر تک حدیث کے الفاظ مذکورہ حدیث کے مانند ہیں۔

تشـــریـــح: اس حدیث کا حاصل بھی جمعہ کے دن کی عظمت بیان کرنا ہے، اس حدیث میں جو مضمون ہے وہ ماقبل کی احادیث میں گذر چکا ہے، حدیث باب میں جمعہ کے حوالے سے پانچ خصوصیات کا تذکرہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ صرف یہی پانچ خوبیاں جمعہ سے وابستہ ہیں، یہاں پانچ کے ذکر سے حصر مقصود نہیں ہے، اس حدیث میں جمعہ کو یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ سے افضل قرار دیا ہے، عرفہ کے دن کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عرفہ کا دن جمعہ سے بہتر ہے، اور اس کی صراحت ماقبل میں ہو چکی ہے۔

وهو اعظم من يوم الاضحى: جمعہ کا دن بقرعید اور عید کے دن سے افضل ہے۔

جمعہ اور عیدین

سوال: جمعہ کا دن عید اور بقرعید کے دنوں سے افضل کیوں ہے؟

جواب: عید اور بقرعید کے ایام خوشی اور مسرت کے ہیں، اور جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے، اس لئے جمعہ افضل ہے۔ (مرقاۃ: ۲۱۰، ۲/۲۱۱)

سوال: فرشتے آسمان وزمین وغیرہ جمعہ کے دن خوف زدہ کیوں رہتے ہیں؟

جــــواب: چونکہ جمعہ کے دن قیامت آنا ہے، اس لئے وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں اسی جمعہ کو قیامت نہ آجائے۔

سوال: مذکورہ مخلوقات کو قیامت کے وقوع سے کیا اندیشہ ہے کہ یہ خوف زدہ رہتے ہیں؟

جــــواب: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسی صفت غضب کے ساتھ تجلی فرمائیں گے کہ اس انداز سے نہ اس سے پہلے تجلی فرمائی ہوگی اور نہ فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کی اس صفت غضب سے وہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۱)

جمعہ کی وجہ تسمیہ

﴿۱۲۸۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قِيْلَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِيْهَا طُبِعَتْ طِيْنَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ وَفِيْهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِيْهَا الْبَطْشَةُ وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۲/۳۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے دن کو جمعہ کس وجہ سے کہا گیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس وجہ سے کہ اسی دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی گئی، اسی دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن دوسرا صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن میں قیامت کی گرفت ہوگی، اور جمعہ کی آخری تینوں ساعتوں میں سے ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

تشریح: جمعہ کا دن عظیم الشان امور کے وقوع کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کا نام جمعہ ہے۔

الصعقة: اس سے مراد "نفخهٔ اولیٰ" ہے، اور "البطشة" سے مراد "نفخهٔ ثانیه" ہے، دونوں صور جمعہ کے دن ہی پھونکے جائیں گے، پہلے صور کا اثر یہ ہوگا کہ تمام لوگ مرجائیں گے، اور دوسرے صور کا اثر یہ ہوگا کہ سب کے سب میدان محشر میں جمع ہونے کے

لئے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ (مرقاۃ:۲/۲۱۱، التعلیق:۲/۱۳۵)

جمعہ کے دن کثرت درود شریف اور مسئلہ حیات النبی ﷺ

﴿۱۲۸۶﴾ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ مَشْهُوْدٌ یَشْهَدُهُ الْمَلٰئِکَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهُ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔

(رواہ ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ شریف:۱۱۸، باب ذکر وفاته ودفنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۶۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس وجہ سے کہ یہ حاضری کا دن ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، بلاشبہ تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ درود بھیجنے سے فارغ نہ ہو جائے۔'' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ موت کے بعد بھی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

تشریح: جمعہ سید الایام ہے، اس دن خصوصی طور پر فرشتے آتے ہیں، اور مخصوص

طور پر درود بھیجنے والوں کے درود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، یوں تو کسی بھی دن درود بھیجا جائے وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته**" (**مشکوۃ شریف: ٨٧، باب الصلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**) [جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کو میں سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔]

درود پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر فرما رکھا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: "**ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام**" (مشکوۃ شریف: ٨٦) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کے لئے مقرر کر رکھی ہے، کہ وہ زمین پر پھرا کریں، اور جو کوئی حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچائیں۔ لیکن جمعہ کے دن خاص انداز سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس درود پہونچایا جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

مشھود: اس سے مراد جمعہ کا دن ہے۔

اشکال: حدیث نمبر: ١٢٨٣ر کے تحت یہ بات گذری ہے کہ "**شاھد**" جمعہ کا دن ہے، اور "**مشھود**" سے قیامت کا دن مراد ہے، تو پھر یہاں "**مشھود**" سے جمعہ کا دن کیوں مراد لیا ہے؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک "شاہد" سے جمعہ کا دن مراد ہے، حدیث

نمبر:۱۲۸۳ ان کی مؤید ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مشہود سے مراد جمعہ کا دن ہے، یہ حدیث ان کی تائید کررہی ہے، جمعہ کو شاہد کہنے کی وجہ حدیث مذکور کے تحت گذرچکی اور مشہود کہنے کی وجہ حدیث باب میں مذکور ہے کہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا دن شاہد و مشہود دونوں ہے۔

(مرقاۃ:۲/۲۱۲،التعلیق:۲/۱۳۵)

جمعہ کے دن مرنے والے کی فضیلت

﴿۱۲۸۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

حوالہ: مسند احمد: ۲/۱۶۹، ترمذی شریف: ۱/۲۰۵، باب ماجاء فیمن یموت یوم الجمعة، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۰۷۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچا لیتے ہیں۔ (احمد، ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور اس کی سند متصل نہیں ہے۔

تشریح: جو مسلمان مرد یا عورت جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کے سعید ہونے کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ اس

دن کی برکت سے ان کو قبر میں سوال وجواب سے محفوظ رکھتے ہیں، اور قبر چونکہ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اس کا سہولت سے طے ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ پھر ان شاء اللہ تمام مراحل سے وہ آسانی کے ساتھ گذریں گے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۲)

جمعہ کے دن ایک عظیم خوشخبری

﴿۱۲۸۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّہٗ قَرَأَ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمُ الْاٰیَۃَ وَعِنْدَہٗ یَہُوْدِیٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ عَلَیْنَا لَاتَّخَذْنَاھَا عِیْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّھَا نَزَلَتْ فِیْ یَوْمِ عِیْدَیْنِ فِیْ یَوْمِ جُمُعَۃَ وَیَوْمِ عَرَفَۃَ۔ (رواہ الترمذی) وقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۳۴، باب ومن سورۃ المائدۃ، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۰۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت ”الیوم اکملت الآیۃ“ پڑھی، اس وقت ان کے پاس ایک یہودی تھا، اس نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس کے نزول کے دن کو ہم عید کا دن قرار دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت جس دن اتری اس دن دو عیدیں تھیں۔ (۱) جمعہ کا دن تھا۔ (۲) اور عرفہ کا دن تھا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: الیوم اکملت ...... الآیۃ: اس آیت میں تمام رسولوں میں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتیازی شان اور تمام امتوں میں اس امت کی سعادت کا ذکر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصی انعامات کا ذکر کیا ہے۔

(۱)...... اکمال دین، اس کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام احکام مکمل ہو گئے، اب اس میں کمی زیادتی کا امکان نہیں ہے، چنانچہ اس آیت کے بعد احکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

(۲)...... اتمام نعمت، اس سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج ہے۔

(۳)...... دین اسلام کا انتخاب، دین ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو منتخب کر کے اس سے رضا کا اعلان کر دیا۔

لو نزلت هذه الآية: آیت کی عظمت کے پیش نظر یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو اس دن کو ہم عید کا دن مناتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس بات کا جواب دیا کہ وہ دن تو ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن ہے، لہٰذا ہمیں اپنے طور پر عید کا دن ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی عرفہ اور جمعہ بہت مبارک دن ہیں، اور یہ دونوں اس دن جمع تھے، گویا اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے دن ہمارے یہاں دو عیدیں تھیں۔ (طیبی: ۳/۲۱۴، التعلیق: ۲/۱۳۶، مرقاۃ: ۲/۲۱۳)

جمعہ کا دن منور دن ہے

﴿۱۲۸۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ

اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۳/۳۸۵، فضل صوم شعبان، باب فی الصیام، رقم الحدیث: ۳۸۱۵.

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کا مہینہ آتا دعا فرماتے: "اللهم بارک الخ" [اے اللہ! رجب وشعبان کے مہینوں میں ہمیں برکت عطا فرما اور رمضان کے مہینے تک ہمیں پہنچادیجئے، نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن منور دن ہے۔]

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجب وشعبان کے مہینوں میں کثرت سے عبادت کرتے تھے، اور عبادت کی مزید توفیق طلب کرتے تھے، تاکہ رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے مکمل طور پر تیار ہو جائے، اور پھر رمضان تک حیات باقی رہنے کی بھی دعا کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ مہینہ اپنے اندر بیش بہا سعادتیں سمیٹے ہوئے ہے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کو منور وبا رونق قرار دیا ہے۔

لیلة الجمعة: جمعہ چونکہ سید الایام ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت ہے، اس دن بہت سے اہم امور واقع ہوئے، اور بہت سے عظیم امور پیش آئیں گے، اس لئے ذاتی طور پر بھی ان میں نورانیت ہے، پھر ان میں مومن بندے کثرت سے عبادت کرتے ہیں، درود وسلام کا معمول بناتے ہیں، اس لئے بھی اس میں رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۳۵، مرقاۃ: ۲/۲۱۴)

❁❁❁

باب وجوبها

جمعہ کے وجوب کا بیان

رقم الحدیث: ۱۲۹۰/تا۱۲۹۸/

بسم الله الرحمن الرحیم

باب وجوبہا
(جمعہ کے وجوب کا بیان)

اس باب کے تحت مؤلف نے ۹/حدیثیں ذکر کی ہیں، ان احادیث سے جمعہ کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے، ترکِ جمعہ پر سخت وعیدات بیان ہوئی ہیں، جمعہ کی نماز جن پر فرض ہے اور جن پر فرض نہیں ہے ان کا بھی اجمالی تذکرہ ہے۔

جمعہ کی فرضیت

جمعہ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے، لہٰذا اس کا منکر کافر ہے، اور جس شخص میں وجوب جمعہ کے سارے شرائط موجود ہوں وہ اگر تہاونا جمعہ چھوڑ دے تو وہ فاسق ہے۔ قرآن مجید کی آیت: "**فاسعوا الی ذکر اللّٰہ**" سے نماز جمعہ اور خطبہ دونوں مراد ہیں، اور اگر خطبہ مراد ہو تو بھی خطبہ کا وجوب نماز کے وجوب کو مستلزم ہے۔

بعض علماء کی رائے کے مطابق جمعہ فرض کفایہ ہے، لیکن اکثر علماء کے نزدیک فرض عین ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: "**الجمعة فريضة محكمة بالكتاب والسنة والاجماع**" اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "**فرضت الجمعة بالكتاب والسنة والاجماع ونوع من المعنى اى القياس**"

کتاب اللہ کی آیت "اذا نودی للصلوۃ من...... الآیۃ" یہاں ذکر سے اکثر مفسرین کرام کے نزدیک خطبہ ہے، اور یہ نماز کے لئے شرط ہے، تو جب شرط کے لئے سعی کرنا فرض ہوا تو نماز جو مشروط ہے بطریق اولیٰ فرض ہوگی، نیز "وذروا البیع" سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بعد الندا بیع جو مباح ہے وہ حرام ہوگئی، اور مباح کی تحریم واجب ہی کے لئے ہوگی، اور سنت نبویہ سے بھی اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیہقی میں ہے: "واعلموا ان اللہ فرض علیکم صلوۃ الجمعۃ فریضۃ" (سنن الکبریٰ: ۳/۱۷۱، کتاب الجمعۃ)

نیز نسائی شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "رواح الجمعۃ واجب علی کل محتلم" (نسائی شریف: ۱/۱۵۴، التشدید فی التخلف عن الجمعۃ) نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے اب تک بلا نکیر تمام امت کا اجماع ہے اس کی فرضیت پر، اور قیاس کا تقاضا بھی ہے کہ وہ فرض عین ہو کیونکہ اقامت جمعہ کی خاطر ظہر کو چھوڑنے کا حکم ہے، اور کسی فرض کو چھوڑنا جائز نہیں ہوگا، جب تک اس کے قائم مقام اس سے زیادہ اہم فرض نہ ہو، لہذا جمعہ ظہر سے بھی اہم فرض ہونا چاہئے۔ لہذا جن حضرات نے جمعہ کو فرض کفایہ کہا اس کا قول دلائل اربعہ کے خلاف ہے۔ (درس مشکوۃ) مرقاۃ: ۲/۲۱۴، التعلیق: ۲/۱۳۶۔

جمعہ کے عدم وجوب کے اسباب

جو لوگ موضع اقامت جمعہ میں رہتے ہیں ان پر جمعہ فرض ہے، چاہے وہ اذان سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں، البتہ جو لوگ معذور ہیں ان پر جمعہ فرض نہیں ہے، اعذار میں سے چند یہ ہیں۔

(۱)...... جن کے جمعہ میں آنے سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہو، جیسے عورتیں، ان پر جمعہ واجب

نہیں ہے۔

(۲)...... جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے سے اپاہج شخص۔مثلاً غلام یا قیدی۔

(۳)......غیر مکلف، جیسے بچے اور پاگل۔

(۴)...... جو بیمار یا معذور ہیں، خود سے جمعہ میں نہیں آ سکتے ہیں، ان تمام لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز جمعہ کا تاکیدی حکم

﴿۱۲۹۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلٰی اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَیَکُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲۸۴/ ۱، باب التغلیظ فی ترک الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۶۵۔

ترجمه: حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی لکڑی پر فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو جمعہ چھوڑنے سے باز رہنا چاہیے، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ لوگ غافلین میں شمار ہونے لگیں گے۔

تشریح: جن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے، ان کو بلا عذر جمعہ ترک نہ کرنا چاہئے،

اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز بلاعذر ترک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا، جس کی وجہ سے اس کا سینہ انوار وبرکات سے محروم ہو جائے گا، اور اس کی قبولِ خیر کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے رجسٹر میں غافل شمار ہوگا، لہٰذا جو اپنے اوپر بدبختی کی مہر لگوانا گوارہ کرے وہی نماز جمعہ ترک کرے، اور جو یہ ناپسند کرے تو وہ ہرگز نماز جمعہ ترک نہ کرے۔

علی اعواد منبره: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر کی لکڑی کا سہارا لئے ہوئے تھے۔

سوال: فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نقل کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس وقت کی ہیئت بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: راوی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیئت اس لئے نقل کر رہے ہیں تا کہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان بہت اچھی طرح یاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ ترک کرنے سے روکا ہے، اگر کوئی ترک کرے گا تو اس کے دل پر مہر لگ جائے گی، یہ ایسی مہر ہوگی جو خیر کو اس کے دل میں آنے سے روک دے گی، قاضی عیاضؒ نقل کرتے ہیں کہ جن پر جمعہ فرض ہے تو ان کے حق میں دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی۔

(۱)......یا تو وہ جمعہ کی نماز ترک کرنے سے باز رہیں۔

(۲)......یا پھر اپنے دلوں پر مہر لگوائیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۱۴، التعلیق:۲/۱۳۷)

﴿الفصل الثانی﴾

ترک جمعہ پر وعید شدید

﴿۱۲۹۱﴾ وَعَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضُّمَیْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُناً بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة والدارمی) وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَاَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۱، باب التشدید فی ترک الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۰۵۲۔ترمذی شریف: ۱/۱۱۲، باب ماجاء فی ترک الجمعة من غیر عذر، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۵۰۰۔نسائی شریف: ۱/۱۵۴، باب التشدید فی التخلف من الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۱۳۶۷۔ابن ماجه شریف: ۷۷، باب فیمن ترک الجمعة من غیر عذر، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:۱۱۲۵۔موطا امام مالک: ۳۹، باب القرائة فی صلوة الجمعة و الاجتهاد الخ، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۲۰۔مسند احمد: ۳/۴۲۴۔

ترجمه: حضرت ابو جعد ضمیریؒ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لاپرواہی کے سبب تین جمعوں کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) امام مالکؒ نے اس روایت کو صفوان بن سلیم سے اور امام احمدؒ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه: "تهاون" سے مراد تساہل اور عدم اہتمام ہے، یعنی جو شخص محض غفلت اور تساہل کی وجہ سے بغیر عذر شرعی کے تین جمعہ کی نمازیں ترک کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں، یعنی ایسا شخص قساوت قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے پھر خیر کی بات اس کے اندر نہیں اترتی، اور طبع سے مراد کفر کی مہر نہیں ہے، جیسے کہ اس آیت کریمہ میں: "ختم الله

علی قلوبه وعلی سمعهم ...... الآیة" اس لئے کہ ترک جمعہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا، ایسے ہی "تہاون" سے مراد استخفاف واہانت نہیں ہے، اس لئے کہ استخفاف تو ایک جمعہ کا بھی کفر ہے، پھر تین کی قید کیسی؟ اسی لئے طبع سے بھی کفر کی مہر مراد نہیں لی جا سکتی، ہاں البتہ اگر یہاں ثلاثا کی قید نہ ہوتی تو پھر یہ ممکن تھا کہ "تہـــاون" سے مراد استخفاف اور طبع سے طبع کفر مراد لیا جائے۔ (اللہ تعالیٰ اعلم)

اس حدیث میں ثلاث کے ساتھ متوالیاً کی قید مذکور نہیں اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پورے سال میں ایک جمعہ کی نماز بھی ترک کرے اور پھر دوسرے سال میں دوسرے جمعہ کی اور تیسرے سال میں تیسرے جمعہ کی تب بھی وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔ اللھم احفظنا منه. البتہ مسند الفردوس کی ایک حدیث مرفوع میں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، متوالیاً کی قید ہے۔ "من ترک ثلا جمع متو الیات" (من المنهل) بذل المجهود: ۵/۳۰، التعلیق: ۲/۱۳۷، مرقاة: ۲/۲۱۵. (الدر المنضود)

ترک جمعہ پر صدقہ کا حکم

﴿۱۲۹۲﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔ (رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۴. ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۱، باب كفارة من تركها، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۵۳۔ ابن ماجہ شریف: ۷۹، باب فيمن ترك الجمعة من غير عذر، كتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۲۴۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ کو چھوڑ دے، تو اس کو چاہئے کہ ایک دینار صدقہ دے، اور اگر ایک دینار میسر نہ ہو تو آدھا دینار دے۔''

تشریح: ترک جمعہ بلا عذر ظاہر ہے کہ گناہ کبیرہ ہے، اول تو مسلمان سے اس کا صدور ہونا ہی نہ چاہئے، لیکن اگر ہو جائے تو اس کی تلافی کے لئے توبہ اور استغفار لازم ہے، بلکہ بطور کفارہ کے دینار یا نصف دینار جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے حسب گنجائش صدقہ کرنا بہتر ہے، اور یہ امر ندب و استحباب کے لئے ہے، البتہ جمعہ کی نماز کے بدلہ میں قضاء ظہر واجب ہے، اور وہی اس کا اصل بدل ہے۔ (بذل: ۳۱/۵) (الدر المنضود)

تعارض: بعض روایات میں ہے کہ ''من ترک الجمعة من غیر عذر لم یکن لها کفارة دون یوم القیامة'' جس نے بلا عذر جمعہ چھوڑا قیامت تک اس کا کفارہ نہیں ہے، جب کہ حدیث باب میں ایک دینار صدقہ کرنے کو ترک جمعہ کا کفارہ قرار دیا گیا ہے، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: جن احادیث میں اس بات کا بیان ہے کہ ترک جمعہ کا کفارہ نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ ترک جمعہ کا گناہ باقی رہے گا، اور قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا، اور جن احادیث میں صدقہ کا حکم ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ سے گناہ میں کچھ تخفیف ہوگی، بالکلیہ گناہ کا خاتمہ مراد نہیں ہے، اگر بالکلیہ گناہ کا خاتمہ مراد ہوتا تب تعارض ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل تو اس کو توبہ کرنا چاہئے، اس کے ساتھ صدقہ بھی کرے، چونکہ صدقہ کو قبولیت توبہ میں خاص دخل ہے، ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ صدقہ کرنا بطور علاج ہے، چونکہ صدقہ نفس پر گراں ہوتا ہے، اس طرح وہ آئندہ ترک جمعہ سے باز آجائے گا۔

اشــکـــال: حدیث باب میں ایک دینار، یا نصف دینار صدقہ کرنے کا حکم ہے، جب کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ''درہم اور نصف درہم'' کا اسی طرح ایک صاع گندم اور نصف صاع گندم کا ذکر ہے، یہ اختلاف روایت کیوں ہے؟

جــواب: اصل مقصد حسبِ گنجائش صدقہ کرنے کا حکم دینا ہے، یعنی جو آسانی سے میسر ہو سکے وہ صدقہ کر دیا جائے۔

ســوال: کیا جمعہ کی نماز ترک کرنے کے بعد صدقہ کرنا کافی ہے؟ اور کیا یہ صدقہ کرنا جمعہ کا بدل ہو سکتا ہے؟

جواب: جمعہ کی نماز فرض ہے، یہاں جو صدقہ کا حکم ہے وہ بطور استحباب کے ہے، یہ صدقہ صرف گناہ میں کچھ تخفیف کی غرض سے دیا جائے گا، لہٰذا یہ صدقہ نہ تو کفارہ معصیت ہے، اور نہ جمعہ کی نماز کا قائم مقام ہے، جمعہ ترک ہونے کی بناپر ظہر کی قضا لازم ہوگی اور ظہر نماز بطور قضا کے صدقہ دینے کے بعد بھی بدستور لازم رہے گی۔ (بذل المجہود: ۲/۱۶۳، مرقاۃ: ۲/۲۱۵)

جمعہ کی فرضیت

﴿۱۲۹۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔

(رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۱، باب من تجب علیه الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۵۰۲۔

تــرجـمــه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ کی نماز

لازم ہے۔"

تشریح: جہاں تک جمعہ کی آواز پہنچے وہاں تک کے رہنے والوں پر جمعہ فرض ہوتا ہے، یعنی شہر وقصبہ کے علاوہ گاؤں اور دیہات جو شہر اور قصبہ سے متصل ہوں اور ان تک جمعہ کی آواز پہنچتی ہو تو وہاں کے باشندوں پر بھی جمعہ فرض ہوتا ہے۔

الجمعة على من سمع النداء: اس مقام پر درحقیقت دو مسئلے ہیں، دونوں میں خلط ملط نہ کرنا چاہئے، دونوں کو اپنے مقام پر الگ الگ رکھنا چاہئے۔

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ جو لوگ بستی یا شہر سے دور رہتے ہوں ان کو کتنی دور سے نماز جمعہ کی شرکت کے لئے آنا ضروری ہے، اس بارے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص مسافت غدویہ پر رہتا ہو اس پر جمعہ میں شرکت کرنا ضروری ہے، اس سے دور والے پر آنا ضروری نہیں، اور مسافت غدویہ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ پڑھ کر غروب شمس سے پہلے پہلے اپنے گھر میں جا سکتا ہے، اور ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**الجمعة على من اٰواه الليل الى اهله. رواه الترمذی**" (**ص: ۱۲۲ / ۱، باب ماجاء من كم يوتى الى الجمعة**) امام احمدؒ اور مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ جس کو جمعہ کی اذان سنائی دیتی ہے جب کہ ہوا معتدل ہو اس پر جمعہ میں شرکت کرنا ضروری ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: "**الجمعة على من سمع النداء**" (**رواه ابوداؤد: ۱۵۱ / ۱، باب على من تجب عليه الجمعة**)

احناف سے اس بارے میں تقریباً آٹھ قول منقول ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ جمعہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو موضع اقامت جمعہ میں رہتے ہوں، اور کسی پر واجب نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ جو شہر یا فناء شہر میں رہتا ہو، اس پر جمعہ واجب ہے،

اور کسی پر نہیں۔ تیسرا قول امام شافعیؒ کے مانند ہے۔ اور چوتھا امام احمدؒ کے قول کے مانند ہے کہ جس کو اذان سنائی دیتی ہے اس پر جمعہ واجب ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول زیادہ راجح ہے، کیونکہ فتاوی صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، پھر یاد رکھنا چاہئے کہ اس بارے میں احادیث زیادہ ثابت نہیں اور جس قدر احادیث ہیں سب متکلم فیہ ہیں۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے یا نہیں؟ شوافعؒ اور دوسرے حضرات کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر جامع شرط نہیں ہے، بلکہ ہر اس قریہ و گاؤں میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے جہاں کم سے کم چالیس مرد عاقل و بالغ مقیم ہوں، پھر ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کچھ شرائط لگاتے ہیں، جن کا ذکر مطولات میں آئیگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے مصر جامع یا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے، جس کی آبادی کم سے کم چار ہزار نفوس پر مشتمل ہو۔

فریق اول کی دلیل: فریق اول کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں، دور دراز سے استنباط کر کے دلیل پیش کرتے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے دلیل پیش کرتے ہیں آیت قرآنی سے: "**اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ**" یہاں "**فاسعوا**" کے عموم سے استدلال ہے کہ مصر اور غیر مصر کی کوئی تفصیل نہیں، دوسری دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک معروف روایت ہے ابو داؤد شریف (ص: ۱/۱۵۳، باب الجمعۃ فی القریٰ) میں: "**ان اول جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینۃ لجمعۃ جمعت بجواثا قال عثمان شیخ ابی داؤد قریۃ من قری عبدالقیس**" تو اس میں جواثی کو قریہ کہا

گیا۔معلوم ہوا کہ قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے، تیسری دلیل ابن خزیمہ اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "انھم کتبوا الی عمر یسئلونه عن الجمعة فکتب عمر جمعوا حیث کنتم" (آثار السنن: ۲/۸۲، باب اقامة الجمعة فی القریٰ) یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطلقاً ہر جگہ میں جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا، جس میں مصر وغیر مصر کی کوئی تفصیل نہیں ہے، ان کے علاوہ اور کچھ دلائل پیش کرتے ہیں جو بالکل واضح نہیں ہیں، یا اشد درجہ ضعیف ہیں، لہٰذا ان کا ذکر چھوڑ دیتا ہوں۔

فریق ثانی کی دلیل: احناف کے پاس بہت سے دلائل ہیں ان میں سب سے واضح واہم دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بلاد فتح کئے تو جمعہ کے لئے مصر میں منابر بنائے، اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے گاؤں میں جمعہ قائم کیا، تو گویا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہو گیا اس بات پر کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہو سکتا، نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایام میں مسجد نبوی کے علاوہ اور مساجد بھی تھیں، لیکن جمعہ صرف مسجد نبوی میں ہوا کرتا تھا، نہ مسجد قبا میں ہوتا تھا، اور نہ دوسری کسی مسجد میں، دوسری دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے، بخاری شریف میں "کان الناس ینتابون للجمعة من منازلھم و العوالی" (بخاری شریف: ۱/۱۲۳، باب من این توتی الجمعة الخ، حدیث نمبر: ۸۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ اہل عوالی باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مسجد نبوی میں آیا کرتے تھے، اور اگر گاؤں میں جمعہ ہوسکتا تو جمعہ میں آتے یا اپنی بستی میں جمعہ پڑھتے، باری باری کر کے نہ آتے، تو معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام روایات متفق ہیں کہ حجۃ الوداع میں وقوف عرفات جمعہ کے دن ہوا تھا، پھر اس پر بھی تمام روایات متفق ہیں کہ عرفات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا، بلکہ ظہر ادا کی، اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتی کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے اور عرفات مصر نہیں ہے، چوتھی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے: "**اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ الآیۃ**" اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اقامت جمعہ خاص ہے محل تجارت کے ساتھ اور وہ مصر ہے، پانچویں دلیل مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے: "**لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ**" (**آثار السنن: ۲/۸۷، باب لاجمعۃ الا فی مصر جامع**)
اس کو اگرچہ علامہ نوویؒ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس کے صحیح طرق نہیں ملے، مگر احناف کی طرف سے اس کا جواب بھی دیا گیا کہ اس کے صحیح طریق بھی موجود ہیں، چنانچہ علامہ عینی نے کہا کہ انکار رفع پر اثبات رفع مقدم ہے، پھر اگر بالفرض موقوف تسلیم کرلیا جائے لیکن یہ حکم مدرک بالقیاس نہیں ہے اور ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ غیر مدرک بالقیاس حکم میں صحابی کا قول حکماً مرفوع ہوتا ہے۔

ہماری ایک اہم دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ پہونچے اور مسجد بنی عمرو بن عوف میں پندرہ دن قیام کیا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا، حالانکہ اس سے پہلے مکہ میں جمعہ فرض ہو چکا تھا، جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

شوافع کے دلائل کے جوابات: ان کی پہلی دلیل آیت قرآنی کا جواب یہ ہے کہ یہاں "**سعی الی الجمعہ**" کو نداپر موقوف کیا گیا، اور اس میں یہ بیان نہیں کیا

گیا کہ ندا کہاں ہونی چاہئے اور کہاں نہیں؟ اور قریہ میں جب ندا نہ ہوگی تو سعی بھی واجب نہ ہوگی۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جواثی ایک بڑا تجارتی مقام تھا، جس میں چار ہزار سے زیادہ آبادی تھی، لہٰذا یہ مصر یا قائم مقام مصر تھا اور مصر پر قریہ کا اطلاق ہونا شائع وذائع ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے "لو لا انزل هذا القرآن علی رجل من القريتين عظيم" یہاں قریتین سے مکہ وطائف مراد ہے، اور وہ دونوں مصر ہیں، "واسئل القرية" سے شہر مصر مراد ہے، اور اگر جواثی کو دیہات تسلیم کرلیا جائے تو حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، بنابریں یہ قابل استدلال نہیں، تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں حیث اگر چہ عام ہے، مگر دوسری دلائل سے اس کو مصر کے ساتھ خاص کرلیا جائیگا۔ "ای حیث کنتم من الامصار" کیونکہ اس کو اگر عموم پر رکھا جائے تو صحراؤں میں بھی جمعہ جائز ہونا چاہئے، حالانکہ اس کے عدم جواز پر سب کا اجماع ہے، بہر حال احناف کے دلائل اور فریق مخالف کے جوابات سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں، بلکہ مصر ہونا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

ملاحظہ ہو۔ نفحات التنقیح: ۵۰۷ / تا ۲/۵۱۱، اوجز المسالک: ۲/۲۴۴، بحث الجمعۃ فی القریٰ، بذل المجهود: ۵/۶۰، باب الجمعۃ فی القریٰ، التعلیق: ۲/۱۳۷۔

مصر کی تعریف

اب ایک بات رہ گئی ہے کہ مصر کس کو کہا جاتا ہے؟ تو مشائخ حنفیہ کے اس میں اقوال مختلف ہیں: بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ بستی جس میں سلطان یا اس کا نائب ہو۔ اور بعض

نے کہا کہ جس کی سب سے بڑی مسجد اس آبادی کے لئے کافی نہ ہو، اور بہت سی تعریفات کی گئی ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کلی طور پر کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے، اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے ہر زمانہ کا عرف بدلتا رہتا ہے، لہذا جس زمانہ میں عرف جس کو شہر کہے گا وہی شہر ہوگا، اب ہمارے زمانہ میں شہر کہا جائیگا، اس جگہ کو جہاں ریلوے اسٹیشن ہو ڈاکخانہ ہو، ٹیلیفون ہو، تھانہ ہو، پولیس اسٹیشن ہو، اور وہاں ہر قسم کی ضرورت کی چیزیں ملتی ہوں۔ (درس مشکوۃ) ملاحظہ ہو معارف السنن: ۴/۳۴۸، تحقیق المصر۔

وہ شخص جس پر جمعہ فرض ہے

﴿۱۲۹۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ اٰوَاهُ اللَّیْلُ اِلٰی اَهْلِهٖ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۱۲، باب ماجاء من كم يؤتى الجمعة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۵۰۲۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جمعہ اس شخص پر فرض ہے جس کو رات اس کے گھر والوں کی طرف ٹھکانا دے۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ کہا کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: الجمعة علی من اواه اللیل: شہر جہاں جمعہ ہورہا ہے، وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے، لیکن اس سے کتنی دور پر رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، اس میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جو بستی شہر سے اتنی دوری پر واقع ہو کہ شہر میں

جمعہ پڑھ کر سورج غروب ہونے سے پہلے پیدل جمعہ میں شرکت کر کے اس تک پہنچنا ممکن ہو، تو اس بستی کے لوگوں پر بھی جمعہ فرض ہے، اسی قول کی تائید حدیث باب سے ہوتی ہے، اور اسی کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، امام صاحب کا مذہب جیسا کہ گذرا کہ صرف جمعہ شہر والوں پر فرض ہے، آس پاس کی بستیوں میں رہنے والے جمعہ میں شرکت کریں، لیکن ان پر جمعہ فرض نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبا گاؤں سے اور مدینہ کے اطراف سے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ مثلاً گھر میں دو فرد ہیں، ایک جمعہ میں ایک صاحب آگئے، دوسرے جمعہ میں دوسرے صاحب آگئے، معلوم ہوا کہ شہر کے قریب رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، البتہ ان کو شرکت کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "**كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم العوالي**" (بخاری: ۱۲۳/۱، حدیث نمبر: ۸۹۲) مطلب یہ ہے کہ دیہات اور مدینہ کے اطراف کے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے، حدیث باب جو کہ حنفیہ کے خلاف لگ رہی ہے، اور اس سے محسوس ہو رہا ہے کہ شہر کے آس پاس رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے، امام ترمذیؒ نے اس کے ضعف کو بیان کیا ہے، اس کی سند میں مسلسل تین راوی ''حجاج بن نصیر'' معارک بن عباد اور عبداللہ بن سعید مغیری ضعیف ہیں، احمد بن الحسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام احمدؒ کے پاس تھے، مجلس میں یہ بات چھڑی کہ جمعہ کن لوگوں پر فرض ہے؟ امام احمدؒ نے اس سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی، تو احمد بن الحسنؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں مرفوع حدیث موجود ہے، امام احمدؒ نے یہ سن کر حیرانی سے کہا کہ مرفوع حدیث؟ احمد ابن الحسن نے کہا کہ ہاں اور پھر انہوں نے سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (یعنی حدیث باب) بیان کی، امام احمدؒ یہ سن کر سخت غصہ ہوئے، اور فرمایا کہ توبہ کرو، توبہ کرو، یعنی یہ حدیث انتہائی ضعیف

ہے، مسائل میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ (ترمذی) یہاں پر ایک بات اور سمجھ لی جائے کہ جمعہ کی ادائیگی کے دو درجے ہیں۔ (۱)...... فرضیت کا درجہ۔ (۲)...... صحت کا درجہ۔

شہر والوں پر جمعہ فرض ہے، وہ اگر بلا عذر ترک کر کے ظہر پڑھیں گے تو درست نہ ہوگا، گنہگار ہونگے، جب کہ قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ کی ادائیگی صرف درست ہے، یعنی وہاں کے باشندے اگر جمعہ پڑھیں گے تو درست ہوگا، اور اگر ظہر پڑھیں گے تو بھی صحیح ہے، ان پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اور جو چھوٹے گاؤں ہیں، جہاں ضرورت کی اشیاء میسر نہیں ہوتی ہیں وہاں حنفی مذہب کے اعتبار سے جمعہ درست نہیں ہے، البتہ اگر پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے تو بند نہ کرایا جائے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور جمعہ بند کرانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا ایسے گاؤں میں جمعہ قائم نہ کیا جائے، لیکن پہلے سے قائم جمعہ کو بند نہ کرایا جائے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ: حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا رسالہ اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ اور احسن القریٰ للشیخ محمود حسن دیوبند۔

جن پر جمعہ فرض نہیں ہے

﴿۱۲۹۵﴾ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔ (رواہ ابوداؤد) وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ وَائِلٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۳/۱، باب الجمعۃ للملوک والمرأۃ،

كتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۰٦٧۔شرح السنة للبغوی، باب من لا تجب علیه الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۰۵٦۔مصابیح السنة، باب وجوبها، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۹٦۸۔

ترجمہ: حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جمعہ حق ہے اور ہر مسلمان پر جمعہ کی نماز میں شرکت کرنا لازم ہے، مگر چار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔(۱)وہ غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ (۲)عورت۔(۳) بچہ۔(۴)مریض۔ان پر جمعہ فرض نہیں ہے۔(ابوداؤد)اور شرح السنہ میں یہ روایت جو کہ مصابیح کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے، اس میں یہ ہے کہ بنووائل میں سے ایک شخص سے روایت ہے۔

تشریح: جمعہ کی نماز کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، لہٰذا یہ بہت اہم فریضہ ہے، اس سے غفلت وکوتاہی ہرگز نہ کرنا چاہئے، البتہ بعض لوگ شریعت کی نظر میں معذور ہیں، ان کے عذر کی بناء پر ان پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔

علی کل مسلم: جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے، اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی، جو جمعہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں، حدیث باب میں چار طرح کے لوگوں کا استثنا ہے، حنفیہ کے نزدیک مسلمان پر وجوب جمعہ کے لئے چھ شرطیں ہیں۔

(۱)......عقل، یعنی مجنون پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۲)......بلوغ، یعنی نابالغ پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۳)......حریت، غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۴)......ذکورت، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۵)......اقامت، مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۶)...... صحت بدن، چنانچہ مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کے لئے جمعہ میں شرکت بہت دشوار ہو۔

فی جماعۃ: اقامت جمعہ کیلئے جماعت ضروری ہے، جماعت کے بغیر جمعہ کی ادائیگی درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کی جمعہ کی جماعت چھوٹ جائے تو اس کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ ظہر کی نماز ادا کرے، یعنی دو رکعت جمعہ نہ ادا کرے، بلکہ چار رکعت ظہر ادا کرے۔

سوال: جماعت کے لئے کتنے افراد ضروری ہیں؟

جواب: شوافع وحنابلہ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کے لئے چالیس افراد کی شرکت ضروری ہے، امام مالکؒ کے نزدیک بارہ افراد کا حاضر ہونا ضروری ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو افراد کی شرکت کافی ہے۔

رواہ ابو داؤد: حدیث باب مرسل ہے، طارق بن شہاب جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ اگر چہ صحابی ہیں، لیکن صغیر السن ہیں، ان کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں ہے، لیکن اس سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑیگا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۶)

﴿الفصل الثالث﴾

ترک جمعہ پر وعید شدید

﴿۱۲۹۶﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحْرِقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۳۲/ ۱، باب فضل صلوۃ الجماعۃ، وبیان التشدید الخ، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۶۵۲۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں، یوں فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ کسی شخص کو حکم کروں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ میں نہیں آتے ہیں۔

تشریح: ان آمر رجلا یصلی بالناس: مطلب یہ ہے کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا جو لوگ سرکشی کی بناپر جمعہ میں نہ آئیں تو میں کسی شخص کو حکم کروں کہ وہ نماز پڑھائے، اور میں ان لوگوں کے پاس پہونچوں جو جمعہ میں حاضر نہیں ہوئے، اور پھر ان کو ان کے گھربار سمیت جلاڈالوں۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فریضۂ صلوٰۃ چھوڑ کر ان کو سزا دینے کی طرف کیوں کر متوجہ ہوسکتے تھے؟

جواب: مقصد جمعہ کے ترک کرنے کے گناہ کی شدت بیان کرنا ہے، حقیقت میں سزا دینا مقصود نہیں ہے، علاوہ ازیں ضروری مصلحت کی غرض سے جمعہ ترک کرکے اس کا بدل یعنی ظہر پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے درست بھی تھا، لیکن ''احراق'' کا تصور اسی وقت ممکن ہے جب جمعہ ترک کرنا انکار کی غرض سے ہو۔ (مرقاۃ:۲/۲۱۷)

جمعہ کا تارک منافق لکھا جاتا ہے

﴿۱۲۹۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَّا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلٰثًا۔ (رواه الشافعیؒ)

حواله: مسند الامام الشافعیؒ: ۱/۱۲۹، باب فی صلوة الجمعة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۸۱۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس نے بغیر ضرورت کے جمعہ ترک کیا تو وہ اس کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے، جو کتاب نہ مٹائی جاسکتی ہے، اور نہ اس میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔'' بعض روایات میں ''ثلاثا'' کا لفظ منقول ہے۔

تشریح: بغیر کسی شرعی عذر کے جمعہ کو ترک کرنے والا نامۂ اعمال میں منافق لکھا جاتا ہے، اور پھر قیامت تک یہی لکھا رہے گا، پھر میدان محشر میں حساب کے دن چاہے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، چاہے اس کا انجام منافقوں کے ساتھ کردیں، اس حدیث میں ترک جمعہ پر سخت وعید ہے، لہٰذا بلا عذر جمعہ ہرگز نہ ترک کرنا چاہئے۔

غیر ضرورة: اگر کسی ضرورت یعنی عذر کی بنا پر جمعہ چھوڑا ہے تو پھر اس وعید کا مستحق نہیں ہے، ضرورت سے مراد ظالم کا خوف، یا راستہ میں بہت زیادہ کیچڑ وغیرہ ہو، یا سخت بارش ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں ترک جمعہ کی گنجائش ہے۔

لا یمحی: نامہ اعمال میں جو کچھ لکھ دیا گیا اس میں تغیر وتبدل ممکن نہیں ہے، البتہ اگر توبہ کرتا ہے اور صدقہ وغیرہ دیتا ہے تب معافی مل جائے گی، اور منافق ہونے سے اس کو نکال دیا جائے گا۔

وفی بعض الروایات ثلاث: یعنی بعض روایات میں اس وعید کا مستحق اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو تین جمعہ ترک کرے، اور تین جمعوں سے مراد لگاتار تین جمعہ ترک کرنا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۷)

جن پر جمعہ فرض نہیں

﴿۱۲۹۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِ امْرَأَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اِسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (رواہ الدار قطنی)

حوالہ: دار قطنی: ۲/۳، باب من تجب علیہ الجمعۃ، کتاب الجمعۃ. حدیث نمبر: ۱۵۴۶۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اس پر جمعہ فرض ہے، البتہ مریض، مسافر، عورت، بچہ اور غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے، جو شخص کھیل کود یا تجارت کی بنا پر جمعہ کی نماز سے لاپرواہی برتے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے پرواہ

ہو جائیں گے، بے شک اللہ کی ذات بے پرواہ اور لائق تعریف ہے۔"

تشــریح: جو شخص بغیر عذر کے صرف کھیل کود کی بنا پر اور مال کمانے کی بنا پر جمعہ کی نماز سے غفلت والا پرواہی برتے گا، تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز ہے ہی، اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص سے توجہ ہٹا لیتے ہیں، اور اس پر نظر کرم نہیں فرماتے ہیں۔

الا مــریض: مریض پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن وہ مرض مراد ہے، جس کی بنا پر جمعہ پڑھنا دشوار ہو، شیخ کبیر بھی مریض کے حکم میں ہے، اسی طرح نابینا پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔

او مســافر: مسافر پر بھی جمعہ فرض نہیں، سفر سے مطلقاً سفر مراد ہے، خواہ سفر مباح ہو یا غیر مباح، بعض لوگ سفر کے ساتھ مباح کی قید لگاتے ہیں۔

استغنی اللّٰہ عنہ: اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کی عبادت کے محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ عبادت کا حکم اس غرض سے دیتا ہے کہ عبادت کرنے والے کا مقام و مرتبہ بلند ہو جائے، وہ تو بالذات "حمید" ہے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے، لہٰذا جمعہ ترک کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے مستحق نہ رہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۷، التعلیق: ۲/۱۳۹)

باب التنظیف والتبکیر

جمعہ کیلئے پاک صاف ہونے اور جلدی جانے کا بیان

رقم الحدیث: ۱۲۹۹/تا۱۳۱۶۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التنظیف والتبکیر

(جمعہ کے لئے پاک صاف ہونے اور جلدی جانے کا بیان)

"التنظیف" باب تفعیل کا مصدر ہے، پاک صاف کرنا۔ الملابس کپڑے دھونا، یہاں مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کے ذریعہ صاف ستھرا کرنا، مونچھوں کا کتروانا، ناخن کٹوانا، زیر ناف کے بال اور بغل کے بال صاف کرنا، نیز پاک صاف کپڑے پہن کر خوشبو اور تیل کا استعمال کرنا ہے۔

"التبکیر" باب تفعیل کا مصدر ہے، بہت سویرے نکلنا، بہت جلدی آنا، یہاں مراد یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے اول وقت میں مسجد جانا۔

اس باب کے تحت مؤلف نے ۱۹ر حدیثیں نقل کی ہیں، ان احادیث میں جمعہ کی نماز کے لئے نہا دھو کر اہتمام سے اول وقت میں مسجد پہونچنے کی فضیلت، خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر خطبہ سننے کی تاکید، مسجد میں دوسرے کی جگہ پر بیٹھنے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی ممانعت، امام کے قریب بیٹھنے کی اہمیت، دوران خطبہ بات کرنے اور لغو عمل کرنے کی قباحت بیان ہوئی ہے، اور اس قسم کے چند دیگر اہم امور سے متعلق احادیث بھی ہیں۔

تنظیف کی حکمت

جمعہ کے دن تنظیف کے حکم میں تین حکمتیں ہیں، ایک نماز کے تعلق سے، دوسری انسانی زندگی کے تعلق سے، تیسری اجتماعی شرکت کے تعلق سے۔

پہلی حکمت: نماز کے تعلق سے

یہ ہے کہ نیک بختی حاصل کرنا چار باتوں پر موقوف ہے، ان میں سے ایک بات نظافت وطہارت ہے، کیونکہ طہارت کا ثمرہ سرور وانبساط ہے، اور وضو سے زیادہ انبساط غسل سے حاصل ہوتا ہے، اور خوشبو لگانے سے اور اچھا لباس زیب تن کرنے سے، یہ کیفیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، اور جس قدر طہارت ونظافت کا اہتمام ہوگا اسی قدر نماز کامل ہوگی۔

دوسری حکمت: انسانی زندگی کے تعلق سے

دوسری حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے لئے کوئی ایسا دن ہونا ضروری ہے جس میں وہ نہائیں دھوئیں، اور خوشبو لگائیں، یہ بات انسانی زندگی کی خوبیوں میں سے ہے، حیوانات سے یہی بات انسان کو ممتاز کرتی ہے۔ مسند احمد (ص:۳۴۲/۴) فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ ہفتہ میں نہائے، اپنا سر اور اپنا چہرہ دھوئے کیونکہ روزانہ یہ کام دشوار ہے، اوران کاموں کے لئے جمعہ کا دن متعین کرنے میں دو مصلحتیں ہیں:

پہلی مصلحت: یہ ہے کہ وقت کی تعیین کام پر ابھارتی ہے۔

دوسری مصلحت: یہ ہے کہ ان امور کے اہتمام سے نماز جمعہ شاندار ہوگی، پس جمعہ کی تعیین ہم خرما وہم خواب کا مصداق ہوگئی۔

تیسری حکمت: اجتماع میں شرکت کے تعلق سے

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب کسی بڑے اجتماع میں شریک ہونا ہو تو ضروری ہے کہ صاف ستھرا ہو کر جائے تا کہ لوگ نفرت نہ کریں، بلکہ پاس بلائیں، جمعہ کے دن مذکورہ امور کا امر بھی اسی مقصد سے دیا گیا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۶۰۹،۶۱۰/۳)

"تبکیر" یعنی اول وقت کی تعین۔ جمعہ کی نماز کے لئے اول وقت جانا مستحب ہے، اول وقت سے کیا مراد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زوال کے معاً بعد جمعہ کی نماز کیلئے مسجد جانا اول وقت ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ارتفاع النہار سے ہی اول وقت شروع ہو جاتا ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

جمعہ کے روز اعمال ستہ

﴿۱۲۹۹﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَااسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَا تَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۱/۱، باب الدهن للجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۸۳۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور جہاں تک صفائی کر سکتا ہے کرے، اور اپنے تیل میں سے تیل لگائے، یا اپنے گھر میں موجود خوشبو لگائے، پھر نماز کے لئے نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان نہ گھسے، پھر جو نماز اس کے مقدر میں ہے پڑھے، پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے، تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ اس کے بخش دئے جائیں گے۔“

تشریح: جمعہ کی نماز کے لئے خوب اہتمام کرنا چاہئے، نہا دھو کر، صاف ستھرے لباس زیب تن کر کے اور خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد جانا چاہئے، تا کہ بھیڑ بھاڑ میں ہر ایک کو دوسرے سے راحت ہی نصیب ہو، اذیت نہ ہو، مسجد میں اول وقت میں پہونچنے کی کوشش کرنا چاہئے، تا کہ آگے صف میں جانے کے لئے کسی کے اوپر پھلانگنا نہ پڑے، دو لوگ مل کر بیٹھیں ہوں تو ان کے درمیان گھسنا نہ چاہئے، مسجد پہونچ کر سنن وغیرہ سے امام کے خطبہ دینے سے پہلے فارغ ہو جانا چاہئے، اور خطبہ کو بغور سننا چاہئے، اگر کوئی شخص اس اہتمام سے جمعہ ادا کرے گا تو اس کے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

رجل: جمعہ کے دن مرد غسل کرے، مرد کے حکم میں عورت بھی داخل ہے، جیسا کہ حدیث صحیح سے مستفاد ہے۔ ”**من اتی الجمعة من الرجال والنساء فليغتسل ومن لم يأتها فليس عليه غسل من الرجال والنساء**“ [مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی جمعہ کی ادائیگی کے لئے آئے وہ غسل کرے، اور جو نہ آئے اس کے ذمہ غسل بھی نہیں ہے، خواہ مرد ہو یا عورت] صاحب مرقاۃ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عورتوں کا حکم ہمارے زمانے میں تبدیل ہو گیا ہے، اسلئے کہ ان کے حق میں جمعہ کیلئے نکلنا مستحب نہیں ہے۔

ویتطھر: صفائی ستھرائی سے مراد مونچھیں کترنا، ناخن کاٹنا، ناف کے نیچے اور بغل کے بالوں کو صاف کرنا، نہا کر صاف ستھرے کپڑے پہننا ہے۔

ویدھن: جمعہ کے دن تیل لگانا مستحب ہے، تیل میسر نہیں ہے تو گھر میں خوشبو موجود ہو تو وہ لگائے، اور اگر ایک موجود ہے تو اسی کو استعمال کرے۔

فلا یفرق: دو آپس میں تعلق ومحبت کرنے والے لوگ مل کر بیٹھے ہیں، اور ان کے درمیان کشادگی نہیں ہے تو تیسرے آدمی کو ان کے درمیان میں گھسنا ممنوع ہے، کیونکہ اس سے ان لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

ثم یصلی ما کتب لہ: پھر جمعہ سے پہلے کی چار سنتیں، یا قضا نماز یا نوافل وغیرہ جو بھی مقدر ہو پڑھے، لیکن یہ نماز خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھ لے۔

ثم ینصت: جب امام خطبہ شروع کرے تو خاموشی سے امام کے خطبہ کو سنے، دوران خطبہ بات کرنا حرام ہے، اگرچہ بھلائی کا حکم ہی کیوں نہ ہو، کھانا پینا، لکھنا سب حرام ہے، چھینک کا جواب دینا اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲۱۷، ۲/۲۱۸، التعلیق: ۲/۱۴۰)

دوران خطبہ چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا

سوال: کیا چھینک آنے پر "الحمد للہ" کہا جا سکتا ہے؟

جواب: دل میں "الحمد للہ" کہا جائے، زبان سے تلفظ نہ کیا جائے، دوران خطبہ کوئی غلط بات ہوتے دیکھ کر آنکھ کے اشارے سے یا ہاتھ کے اشارے سے روکنا مکروہ نہیں ہے، زبان کا استعمال درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۸)

الا غفر لہ: ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ماضی کا جمعہ مراد ہے، یا مستقبل کا؟ یعنی اگلے ہفتہ تک کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا پچھلے کے، احتمال دونوں کا ہے، لیکن ماضی مراد لینا بہتر ہے، اس لئے کہ مغفرت کا تعلق سابق سے زیادہ مناسب ہوتا ہے، اگر صغیرہ گناہ ہوتے ہیں تو معاف ہو جاتے ہیں، اگر نہیں ہوتے تو درجات

بلند ہوتے ہیں۔ (مرقاة: ۲/۲۱۸)

جمعہ کی نماز سے گناہوں کی بخشش

﴿۱۳۰۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَاقُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَابَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۸۳، باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جس نے غسل کیا، پھر جمعہ میں آیا، پھر جو اس کے مقدر میں تھی وہ نماز پڑھی، پھر وہ خاموش بیٹھا رہا، یہاں تک کہ خطیب خطبہ پڑھ کر فارغ ہوگیا، پھر امام کے ساتھ اس نے جمعہ کی نماز پڑھی تو اس شخص کے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں، اور تین دن کے مزید گناہ معاف ہوتے ہیں۔

تشریح: غفر لہ ما بینہ وبین الجمعة الاخری وفضل ثلاثة ایام: مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز اس اہتمام سے ادا کی جائے جس کا ذکر احادیث میں ہے، تو دس دن کے گناہ معاف ہوجائیں گے، چونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا زیادہ ملتا ہے، اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سات ہی دن ہوتے ہیں، اس لئے تین کا اضافہ کر کے ایک جمعہ پڑھنے سے دس دن کے گناہوں کی بخشش کا پروانہ آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا۔

تعارض: گذشتہ حدیث میں سات دن گناہوں کی مغفرت کو ذکر کیا ہے، اس حدیث میں دس دن کی مغفرت کا ذکر ہے، دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ اولاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سات دن کی مغفرت کی اطلاع دی گئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمادیا، پھر تین دن مزید مغفرت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھائے گئے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع دے دی۔
(مرقاۃ:۲/۲۱۹، التعلیق:۲/۱۴۰)

دوران خطبہ کسی عمل کی ممانعت

﴿۱۳۰۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۸۳، باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ کے لئے آیا، خطبہ سنا، اور خاموش رہا تو اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں، جو اس نے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کئے، اور تین دن کے مزید گناہ معاف ہوتے ہیں، اور جس نے کنکریوں کو

ہاتھ لگایا اس نے بیہودہ کام کیا۔"

تشــــریح: اس حدیث شریف میں بھی سابق حدیث کا ہی مضمون ہے کہ اہتمام سے جمعہ ادا کرنے اور خطبہ سننے سے دس دن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ کے دوران کسی بھی دوسرے کام کی طرف ہرگز توجہ نہ دینا چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ کنکریوں کے چھونے کو بھی لغو عمل قرار دیا ہے۔

فاحسن الوضوء: اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سنن و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے وضو کیا۔

فاستمع: یہ قریب بیٹھنے والے کے لئے ہے کہ خطبہ کو بغور سنے۔

و انصت: یہ دور بیٹھنے والے کے لئے ہے کہ اگر خطیب کی آواز کان میں نہیں جا رہی ہے تو خاموش رہے۔

ومن مس الحصی: یا تو مطلب یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ کو صاف کرنے کے لئے نماز کے دوران ایک بار سے زیادہ حرکت دینا لغو عمل ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ خطبہ کے دوران کنکریوں سے کھیلنا لغو کام ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۱۹)

جمعہ کے لئے اول وقت مسجد آنے کا ثواب

﴿۱۳۰۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشاً ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ

طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۷/۱، باب الاستماع الی الخطبة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۱۹۔ مسلم شریف: ۲۸۲/۱، باب فضل التهجیر یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت میں آتا ہے، پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں، پھر اس کے بعد آنے والے کا نام لکھتے ہیں، مسجد میں اول وقت میں جمعہ کے لئے آنے والا اونٹ کی قربانی کرنے والے کے مثل ہے، اور پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ کے لئے آتا ہے وہ گائے کی قربانی کرنے والے کے مثل ہے، اور پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ کے لئے آتا ہے وہ دنبہ قربان کرنے والے کے مثل ہے، پھر اس کے بعد آنے والا مرغی قربان کرنے والے کے مثل ہے، پھر اس کے بعد آنے والا انڈا صدقہ کرنے والے کے مثل ہے، پھر جب امام آتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں، اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔''

تشریح: اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں تک ہو سکے جمعہ کے لئے سویرے جانا چاہئے اور حدیث شریف میں اول آنے والوں کے لئے جو انعام لکھا ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پھر اس میں اولاً جانے والے اور اس کے بعد جانیوالے کے درمیان درجات بحسب ساعات جو بیان کئے گئے اس کے متعلق امام مالکؒ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ اس سے لحظات لطیفہ مراد ہیں، جو زوال شمس کے بعد شروع ہوتے ہیں، اور خطبہ سے پہلے ختم ہوتے ہیں، امام مالکؒ حدیث ہذا میں لفظ "مھجر" سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ "تھجیر" کہا جاتا ہے نصف نہار کو، لہٰذا "مھجر" بعد الزوال کو کہا جائیگا۔

لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک یہ ساعات اول نہار سے شروع ہوتے ہیں، وہ حضرات "بَکَّرَ وَابْتَکَرَ وَرَاحَ" کے الفاظ سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ الفاظ سویرے جانے پر اطلاق ہوتے ہیں، اور امام مالکؒ نے تہجیر کے لفظ سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ خلیل بن احمد وغیرہ علماء لغات فرماتے ہیں کہ یہ لفظ سویرے اور مطلقاً مسارعت فی العمل کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال واضح نہیں ہے، لیکن اس زمانہ کے سست کار لوگوں کے حق میں امام مالکؒ کا مذہب ہی اولیٰ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۰، اوجز المسالک: ۲/۲۰۲، ابتداء ساعات التکبیر الخ، التعلیق: ۲/۱۴۰) (درس مشکوۃ)

خطبہ کے وقت بات کرنے کی ممانعت

﴿۱۳۰۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۸/۱۲۷/۱، باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۳۴۔ مسلم شریف: ۱/۲۸۱، باب الانصات یوم الجمعة فی الخطبة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو اور تم نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ رہو تو تم نے لغو کام کیا۔''

دوران خطبہ بات کرنا

تشریح: خطبۂ جمعہ کے وقت بات کرنا، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام

ہے، اور شافعیہ کے دو قول ہیں، ایک مثل الجمہور، دوسرا قول عدم حرمت کلام ہے، یہ ان کا قول جدید ہے، اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری اور داؤد ظاہری، اور یہ کہ انصات صرف مستحب ہے، نیز حرمت کلام عند الجمہو رخطبہ شروع ہونے پر ہے، یہی رائے صاحبین کی ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کلام کی حرمت خروج امام اور اس کے منبر پر پہونچنے ہی سے ہو جاتی ہے، امام صاحب کا استدلال اس روایت مرفوعہ سے ہے: "اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام" لیکن ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا رفع غریب ہے، معروف یہ ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے، جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ جس کے لفظ یہ ہیں: "خروجه يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام" اور اسی کو صاحبین نے اختیار کیا ہے، نماز کی کراہت نفس خروج امام پر اور حرمت کلام کی ابتداء خطبہ شروع ہونے پر ہے۔

منہل میں لکھا ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو خطبہ سن رہا ہو، خواہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد، اور جس شخص کو خطبہ کی آواز نہ پہونچ رہی ہو دور ہونے کی وجہ سے، جمہور کے نزدیک تو اس کا حکم بھی یہی ہے، حرمت کلام، لیکن امام احمدؒ اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: "لا يحرم في حقه"

اذا قلت انصت والامام يخطب فقد لغوت: یہ حدیث مشہور ہے، صحاح ستہ میں موجود ہے۔

لغو کہتے ہیں اس کلام کو جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، "وقيل الاثم وقيل الميل عن الصواب" [راہ راست سے ہٹنا] یہ حدیث حرمت کلام عند الخطبہ میں جمہور کی دلیل ہے، اس لئے کہ جب اس وقت امر بالمعروف ممنوع ہے تو عام بات بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔

فائدہ: امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، باب الاستماع الى الخطبة، اور دوسرا باب الانصات يوم الجمعة، انصات کہتے ہیں کسی کلام کو

سننے کی نیت سے خاموش رہنا یہ عام ہے، خواہ آواز پہو نچ رہی ہو یا نہ پہو نچ رہی ہو، کماہومسلک الجمہو روقد تقدم فیہ خلاف احمد والنخعی ۔(مرقاۃ:۲۲۱/۲، بذل:۵/۱۵۳، التکلم فی الخطبۃ)(الدر المنضود)

سوال: دورانِ خطبہ اس شدت کے ساتھ بات کرنے کی ممانعت کیوں ہے؟

جــواب: بعض حضرات کے نزدیک خطبہ دورکعت نماز کے قائم مقام ہے، تو جس طرح اصل یعنی نماز میں بات کرنا منع ہے، اسی طرح دوران خطبہ بھی بات کرنا منع ہے، دوران خطبہ ''امر خیر'' کی ممانعت سے یہ بھی اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ اس دوران نفلی نماز تحیۃ المسجد یا دیگر سنن وغیرہ پڑھنا بھی ممنوع ہے، کیونکہ امر خیر کا درجہ ان سے بلند ہے، جب اس کو لغو عمل قرار دیا گیا، تو ان کی گنجائش بھی نہیں ہوسکتی، حنفیہ خطبہ کو رکعتین کا بدل قرار نہیں دیتے، لیکن اس کی عظمت کی بنا پر دوران خطبہ سکوت اختیار کرنے کے قائل ہیں۔

اشــکال: ایک صاحب دوران خطبہ مسجد آئے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ دوران خطبہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، "ان رجلا جاء والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت یا فلان قال لا قال صل رکعتین" [ایک شخص مسجد میں اس وقت آئے جب کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھی لی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھ لو۔]

جواب: یہاں ''یخطب'' کا مطلب ''یرید ان یخطب'' ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دینے جارہے تھے، کہ وہ صاحب آگئے اور ان سے یہ بات

چیت ہوئی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، تو حاصل یہ نکلا کہ ان صاحب کی نماز دوران خطبہ نہیں تھی، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث شریف کے اخیر میں یہ بھی ہے: **وامسک عن الخطبة حتی فرغ من صلوته** "آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تک خطبہ دینے سے رکے رہے جب تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو گئے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے نماز سے فارغ ہونے تک انتظار کیوں فرمایا، اور آنے والے صاحب کو نماز پڑھنے کا حکم کیوں فرمایا؟

جواب: (۱)......ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم ہو گیا ہو کہ آنے والے صاحب کی فجر کی نماز فوت ہو گئی ہے، اور وہ صاحب ترتیب بھی ہے، لہٰذا ان کی ترتیب واجب کی رعایت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نمازِ فجر پڑھنے کا بھی حکم فرمایا، اور ان کے نماز سے فارغ ہونے تک خطبہ بھی شروع نہیں فرمایا۔ (مرقاۃ: ۳/۲۵۳)

(۲)......وہ صاحب انتہائی مسکین اور مفلوک الحال تھے، کپڑے بھی بہت خستہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حال پر رحم آیا، اور چاہا کہ لوگ اس کی خستہ حالت کو دیکھ لیں، اور اس کی مدد کریں، چنانچہ بعض روایتوں میں نماز سے فارغ ہونے پر صدقہ کا حکم فرمانا اور اس صدقہ میں سے اس شخص کو کپڑے عنایت فرمانا بھی مذکور ہے۔ (بذل: ۵/۱۶۶)

نمازی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنا

﴿۱۳۰۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ

يُخَالِفُ إِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدَ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲/۲۱۷، باب تحریم اقامة الانسان من موضعه المباح، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۷۸۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن یہ نہ کرے کہ اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھادے، پھر یہ ارادہ کرے کہ اس جگہ میں خود بیٹھ جائے، لیکن یہ کہہ سکتا ہے کہ تھوڑی سی جگہ دے دو۔''

تشریح: مسجد کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے، لہٰذا پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کو اس کی جگہ سے زبردستی اٹھانا اور پھر اس کی جگہ پر بیٹھنا حرام ہے، ایسا کرنے والا شخص سخت گنہگار ہوگا، البتہ بیٹھنے والے سے یہ درخواست کی جاسکتی ہے کہ تھوڑا بہت ادھر ادھر کھسک کر کچھ گنجائش کرلو، تاکہ میں بھی بیٹھ جاؤں، اس حدیث اور گذشتہ حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے اہتمام سے آنے والے خاص طور پر ان امور سے بچیں، جو ممنوع ہیں، تاکہ ان کا اضافی ثواب ختم نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی بڑی شخصیت کے لئے از خود ایثار کر کے اس کو اپنی جگہ دیدے تو گنجائش ہے، مضائقہ نہیں۔

لا یقیمن: مسجد میں کسی کو اس کی جگہ سے زبردستی اٹھانا حرام ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی جگہ دوسرے کو ڈر اور خوف سے دے رہا تو بھی ظالم کے لئے بیٹھنا حرام ہوگا، اگر کسی شخص نے دوسرے کو اس لئے متعین کیا کہ وہ مسجد میں جگہ لے لے، تو جگہ لینے والا سب سے پہلے اس جگہ کا حق دار ہوگا، بھیجنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر وہ خود دے رہا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن عبادات میں ایثار درست نہیں ہے، اپنی خواہشات میں ایثار کی ترغیب ہے، لہٰذا صف اول میں شامل شخص کا دوسرے کے لئے پیچھے ہٹنا ٹھیک نہیں ہے، البتہ اگر اس سے افضل

شخصیت ہے تو گنجائش ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۲)

﴿الفصل الثانی﴾

رعایت آداب کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی فضیلت

﴿۱۳۰۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ کَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰی مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ کَانَتْ کَفَّارَةً لِمَا بَیْنَهَا وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِیْ قَبْلَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۰/ ۱، باب فی الغسل یوم الجمعة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں نے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے، اور اگر اس کے پاس خوشبو تھی تو اس کو لگایا، پھر نماز جمعہ کیلئے آیا، پھر لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے نہیں گیا، پھر جتنی نماز اس کیلئے مقدر تھی وہ پڑھی، پھر جب امام خطبہ پڑھنے کیلئے نکلا تو وہ خاموش رہا، یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہو گیا، تو یہ نماز اس کے ان گناہوں کیلئے کفارہ ہو جائیگی جو اس جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ کے درمیان اس سے سرزد ہوئے ہوں گے۔''

تشریح: ولبس من احسن ثيابه: جمعہ کے دن جس شخص کے پاس عمدہ لباس موجود ہو اس کو پہننا جمعہ کے آداب میں سے ہے۔

سفید لباس کی فضیلت

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھے کپڑے سے مراد سفید کپڑا ہے، یعنی سفید کپڑا رنگ کے اعتبار سے بہتر اور افضل ہے، اس لئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اپنے سفید کپڑوں کو پہنا کرو، اس لئے کہ سفید کپڑا بہترین کپڑوں میں سے ہے، اور اسی میں اپنے مردوں کو دفن کیا کرو، ایک دوسری روایت میں سفید کپڑے کو اطہر واطیب قرار دیا ہے، بہر حال جمعہ کے دن سفید لباس پہننا جمعہ کے آداب میں سے ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس بھی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۲، التعلیق: ۲/۱۴۲)

صفائی ستھرائی کے ساتھ اگر خوشبو بھی مل جائے تو خوشبو استعمال کرنا بھی سنت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۲)

ایضاً

﴿۱۳۰۲﴾ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنٰى مِنَ الْإِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔ (رواه الترمذي وابوداؤد والنسائي وابن ماجة)

حواله: ابو داؤد شريف: ۵۰/ ۱، باب في الغسل للجمعة، كتاب

الطهارة، حدیث نمبر: ۳۴۵۔ترمذی شریف: ۱۱۱/ ۱،باب ماجاء فی فضل الغسل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۴۹۶۔نسائی شریف: ۱۵۶/۱۵۵/ ۱،فضل المشی الی الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۱۳۸۳۔ابن ماجه شریف: ۷۶، باب ماجاء فی الغسل یوم الجمعة، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۸۷۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرائے اور غسل کرے، اور سویرے مسجد جائے اور خوب سویرے جائے، اور پیدل مسجد جائے اور سوار نہ ہو، اور امام کے قریب رہے، اور غور سے خطبہ سنے اور کوئی لغو حرکت نہ کرے، تو اس کیلئے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک سال کی رات کی نفلوں کا ثواب ہے۔''

تشریح: مَنْ غَسَّلَ یوم الجمعة: "غسَّل" تشدید اور تخفیف دونوں طرح سے مروی ہے، اکثر حضرات کے نزدیک غسَّل تشدید کے ساتھ ہے، پھر جن حضرات نے تشدید کے ساتھ کہا ہے ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ تاکید کے لئے ہے، یعنی خوب اچھی طرح غسل کرنا مقصود ہے، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے: "غسَّل" تشدید کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو غسل کرائے یعنی بیوی سے صحبت کرے، پھر غسل کرے، اور بیوی بھی غسل کرے، چونکہ جمعہ کے روز لوگوں کا ازدحام زیادہ ہوتا ہے، تو اس صحبت کی وجہ سے خواہش اور شہوت ٹوٹ جائیگی، اور غض بصر اور نفس کو کنٹرول کرنے میں معاون ہوگی، اور دل کو توجہ الی اللہ میں حائل اور مانع ہونے والی چیزوں سے روکدے گی، جو حضرات غسل کو بالتخفیف روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاکید ہے، اسی لئے اغتسل کے ذریعہ تکرار لایا گیا ہے، اس لئے کہ اہل عرب سر کو خطمی وغیرہ سے دھولیتے تھے، پھر غسل کرتے تھے، اس لئے رأس کو ذکر کرنے کے لئے مستقل طور سے غسل کو ذکر کیا، اور اغتسال سے غسل جمعہ مراد ہے، کہ پہلے سر وغیرہ کو خوب اچھی

طرح خطمی سے دھولے، پھر اس کے بعد غسل جمعہ کرے، تاکہ نظافت اچھی طرح حاصل ہوجائے۔(مرقاۃ:۲/۲۲۲،التعلیق:۱۴۲)

وبکر وابتکر: کے بارے میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں،علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: کہ "بکر"اور"ابتکر" کے درمیان مخالفت معنی کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں، اور ان دونوں کا تذکرہ بطور تاکید ہے کہ نماز جمعہ کیلئے خوب صبح سویرے جائے اور بعض حضرات نے کہاہے کہ "بکر" کے معنی ہیں کہ خطبہ ابتدا سے سنے اور"ابتکر" کے معنی ہیں اول وقت میں مسجد جامع میں حاضر ہوجائے،اورعلامہ انباریؒ فرماتے ہیں کہ "بکر" کا مطلب ہے نماز جمعہ کیلئے نکلنے سے پہلے صدقہ نافلہ دے،لیکن ابوعبید ہروی کی کتاب میں اس کے خلاف ذکر ہے، چنانچہ ان کی کتاب میں ہے کہ "بکر" یعنی جلدی کر کے جائے اور"ابتکر" یعنی خطبہ کوابتداء سے سنے، یہی معنی زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں،اسلئے کہ یہی معنی اصول لغت کے مطابق ہے۔(مرقاۃ:۲/۲۲۳،التعلیق:۲/۱۴۳)

ومشی ولم یرکب: کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے پیدل جانا باعث فضیلت ہے،حدیث شریف میں"مشی" کے بعد "لم یرکب" کی قید اسلئے لگائی ہے کہ اگرصرف"مشی" کاذکر ہوتا تو کسی کو یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ چاہے پورا راستہ پیدل چلا جائے یا کچھ دور پیدل اور کچھ دور سواری سے راستہ چلنے میں یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی،اس لئے "لم یرکب" کی قید لگادی کہ یہ فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی، جب کہ پورا راستہ پیدل چلا جائے اور امام سے قریب جاکر بیٹھا جائے اور خطبہ کوبغور سنا جائے اور دوران خطبہ کوئی عبث اورلغو کام یابات نہ کی جائے تو اس کو ہرقدم کے بدلہ میں ایک سال کے روزے اورایک سال کی نفل نماز کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے،بعض ائمہ سے منقول ہے کہ شریعت میں ہم نے کوئی صحیح حدیث اس سے زیادہ فضیلت کی نہیں سنی۔(مرقاۃ:۲/۲۲۴)

جمعہ کے لئے اچھے کپڑے کا انتظام

﴿۱۳۰۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلىٰ اَحَدِكُمْ اِنْ وَّجَدَ اَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَىْ مِهْنَتِهٖ۔ (رواه ابن ماجة) وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ۔

حواله: ابن ماجه شريف:۷۷، باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة، حدیث نمبر:۱۰۹۵۔مؤطا امام مالک:۳۹، باب الهيئة وتخطى الخ، كتاب الجمعة، حدیث نمبر:۱۷۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اگر وہ شخص گنجائش رکھتا ہو تو اپنے استعمالی دو کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے دو کپڑے بنائے۔'' (ابن ماجہ) امام مالکؒ نے اس روایت کو یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے۔

تشریح: انسان اپنے روزمرہ کے کپڑوں کے علاوہ اگر حسب گنجائش جمعہ کے دن کے لئے کپڑے سلواتا ہے، تو یہ زہد وتقویٰ کے خلاف نہیں ہے، بلکہ حدیث میں جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہننے کا جو حکم ہے اس کی تعمیل یہی ہے۔ (التعلیق:۲/۱۴۳، مرقاۃ:۲/۲۲۴)

امام کے قریب رہنے کی تاکید

﴿۱۳۰۸﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوا الذِّکْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَایَزَالُ یَتَبَاعَدُ حَتّٰی یُؤَخَّرَ فِی الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱۵۸/ ۱، باب الدنو من الامام عند الموعظة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۰۸۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ خطبہ میں موجود رہو، اور امام کے قریب رہو، بے شک آدمی برابر پیچھے ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں بھی پیچھے رہ جائے گا، اگرچہ جنت میں اس کا داخلہ ہو جائے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں اس بات کی ترغیب ہے کہ اول وقت میں مسجد پہونچ کر بالکل آگے امام کے قریب جگہ حاصل کرلو، اور غور سے خطبہ سنو، یہ عمل جنت میں بھی دخولِ اولین کا مستحق بنادے گا، اور اگر آدمی اس نیک عمل میں اپنے کو مؤخر کرے گا تو وہ دخولِ جنت میں بھی مؤخر ہو جائے گا۔

الذکر: اس سے مراد خطبہ ہے۔

سوال: خطبہ کو ''ذکر'' کیوں کہا ہے؟

جواب: خطبہ ذکر اللہ پر مشتمل ہے، اس لئے ''تسمیة الکل باسم الجز'' کی بناپر خطبہ کا نام ذکر رکھدیا ہے۔

فان الرجل لا یزال یتباعد: خیر کے مواضع سے بغیر عذر کے پیچھے ہٹنے والا مراد ہے، ایسا شخص جنت کے درجات میں نچلے درجوں کا مستحق ہوگا۔ (مرقاة: ۲/۲۲۴)

تخطی رقاب پر وعید

﴿۱۳۰۹﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جَسْرًا اِلٰى جَهَنَّمَ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۱۴، باب ماجاء فی کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ، حدیث نمبر: ۵۱۳۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہے وہ جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا۔'' امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: صف اول کی فضیلت حاصل کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آگے جا کر بیٹھے بلکہ اس کا صحیح طریقہ "تبکیر الی الجمعۃ" ہے، جس کی فضیلت احادیث میں وارد ہے، یعنی اول وقت میں مسجد پہونچ کر اس فضیلت کو حاصل کیا جائے نہ کہ تاخیر سے آرہے ہیں اور تخطی رقاب کرتے ہوئے اگلی صف میں پہونچنے کی کوشش کر رہے ہیں، دراصل تخطی رقاب اکرام مسلم کے خلاف ہے، بلکہ اس میں ایذاء مسلم ہے، جو حرام ہے، خواہ جمعہ کا دن ہو یا غیر جمعہ کا دن، لیکن چونکہ عموماً اس کی نوبت جمعہ ہی کے روز آتی ہے، ہجوم ہونے کی وجہ سے اس لئے اس کی قید لگا دیتے ہیں، امام نوویؒ نے اس کی حرمت کی تصریح کی ہے، اور دوسرے حضرات نے مکروہ لکھا ہے، بعض سے اس میں تشدد منقول ہے، کعب احبار سے

منقول ہے وہ فرماتے ہیں: "لان ادع الجمعة احب الی من ان اتخطی الرقاب" (بذل المجھود: ۱۷۸/۵، باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة)

تخطی رقاب کب جائز ہے؟

لیکن اس میں کچھ مستثنیات ہیں، چنانچہ بعض علماء نے امام کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے، یعنی اس کے حق میں جائز ہے گو اس کو بھی چاہئے کہ احتیاط سے آگے بڑھے، ایسے ہی اگلی صف میں فرجہ باقی ہے تو اس کو پر کرنے کے لئے تخطی رقاب کی اجازت ہے، ایسے ہی بعض علماء نے اس مسئلہ میں اس شخص کا بھی استثناء کیا ہے جس شخص کے گذرنے کو لوگ موجب برکت سمجھتے ہوں، مثلاً پیر ومرشد یا اور کوئی بزرگ، نیز فقہاء نے قبل خروج الامام اور ایسے ہی عدم ایذاء کی صورت میں تخطی کی گنجائش لکھی ہے، اور عدم ایذاء یہ ہے کہ کسی کے کپڑے یا ہاتھ پاؤں کو نہ روندا جائے۔ (الدر المنضود) (مرقاۃ: ۲/۲۲۵، اوجز: ۲/۲۷۴، الھیئة وتخطی الرقاب)

اتخذ جسرا: "اتخذ" کو اگر معروف پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص لوگوں کی گردن پھاند کر آگے کی صف میں جائے گا تو اس کا یہ فعل اس کو جہنم میں پہونچا دیگا، اس لئے کہ اس نے لوگوں کی گردنیں پھاند کر لوگوں کو اذیت پہنچائی اور انہیں رسوا و ذلیل کیا، تو گویا کہ اس نے جہنم کی طرف پل بنالیا جو اس کو جہنم میں پہونچا دیگا، اور اگر مجہول پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اس کو ایسا پل بنا دیا جائے گا کہ جس پر اہل جہنم کو گذار کر جہنم میں پہونچایا جائے گا، اور یہ اس لئے کیا جائے گا کہ جب اس نے مسجدوں میں نیک لوگوں کی گردنوں کو اپنی گذرگاہ بنایا تو اس کو قیامت میں برے لوگوں کی گذرگاہ بنایا جائے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۵، التعلیق: ۲/۱۴۴)

تنبیه: سید جمال الدین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں سہو ہوگیا ہے، اس لئے کہ معاذ کے والد انس صحابی نہیں ہیں، ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے، لہٰذا صحیح سند یہاں اس طرح ہے "**عن سهل بن معاذ عن ابيه**" جیسا کہ ترمذی میں منقول ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۴)

دوران خطبہ گوٹ مارنے کی ممانعت

﴿۱۳۱۰﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۸، باب الاحتباء والامام يخطب، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۱۰۔ ترمذی شریف: ۱/۱۱۴، باب ماجاء في كراهية الاحتباء، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۵۱۴۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

تشریح: حبوۃ: کہتے ہیں اس طرح بیٹھنے کو کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں کے حلقہ سے ان کو پکڑ لیا جائے یا کپڑے سے دونوں گھٹنوں کو باندھ دیا جائے۔

نهى عن الحبوة: گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس ہیئت سے بیٹھنے میں آرام زیادہ ملتا ہے، جس کی وجہ سے غنودگی اور نیند آجاتی ہے، اور بسا

اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غلبۂ نیند کی وجہ سے آدمی گر جاتا ہے، اور وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو اگر یہ وضو کرنے کے لئے مسجد سے باہر جائے گا تو خطبہ کے سننے سے محروم رہے گا، اور ایک قول یہ بھی ہے اگر اس ہیئت پر بیٹھے اور نیند کا غلبہ ہو جائے تو پھر غور سے خطبہ نہیں سن سکتا، نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ بیٹھنے کی یہ ہیئت چونکہ متکبرین کے بیٹھنے کی ہیئت ہے، اس لئے حدیث میں ان کے طریقوں پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۵، التعلیق: ۲/۱۴۴)

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر وہ بیٹھنے کی کیفیت اور ہیئت جو کہ نیند لانے والی ہو اور خطبہ سننے سے غافل کرنے والی ہو، مثلاً ٹیک لگا کر بیٹھنا، آنکھ بند کر کے بیٹھنا، سب ممنوع ہے۔

مسجد میں اونگھ آنے پر جگہ بدلنے کا حکم

﴿۱۳۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۱۸، باب ماجاء فیمن ینعس یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۵۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اونگھنے لگے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے۔“

تشریح: جمعہ کے دن مسجد میں نیند آنے لگے یا کسی بھی مجلس میں اونگھ طاری ہونے لگے تو اس کا حل یہ ہے کہ اپنی نشست بدل دے، یعنی اپنی جگہ سے اٹھ جائے، کیونکہ اٹھنے سے حرکت پیدا ہوگی، اور حرکت سے نیند دور ہوتی ہے۔

تبدیلی کا مقصد حرکت کرنا ہے، تھوڑی حرکت کے بعد چاہے دوسری جگہ بیٹھے، چاہے اپنی سابقہ جگہ پر ہی آ کر بیٹھ جائے، دونوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں صورتوں میں اونگھ سے نجات مل جائے گی۔ (مرقاۃ: ۲۲۵)

﴿الفصل الثالث﴾

کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت

﴿۱۳۱۲﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۹۲۸، باب اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۶۲۷۰۔ مسلم شریف: ۲/۲۱۷، باب تحریم اقامة الانسان من موضعه، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۷۷۔

ترجمه: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع

فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھادے، اور پھر خود اس جگہ بیٹھ جائے، حضرت نافعؒ سے دریافت کیا گیا کہ یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے؟ حضرت نافعؒ نے جواب دیا کہ جمعہ کے لئے بھی ہے اور اس کے علاوہ کے لئے بھی ہے۔''

تشـــریح: دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا درست نہیں ہے، اس سے پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کی دل آزاری ہوتی ہے، جو کہ شرعاً و اخلاقاً ہر طرح سے مذموم حرکت ہے، جو شخص یہ کام کرے گا اس کو جمعہ کی نماز کی بنا پر جو اضافی ثواب ملتا ہے اس سے بھی محروم ہوگا، گناہ گار الگ ہوگا، اور یہ حرکت جمعہ کے علاوہ تمام دنوں میں اور عام محفلوں میں بھی قطعاً درست نہیں ہے۔

اگر پہلے سے بیٹھا ہوا شخص خود سے اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا تو اب اس کی جگہ پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر کسی کو شرعی ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۵)

آداب جمعہ کی رعایت کرنیوالے کا اجر

﴿۱۳۱۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّهٗ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهٗ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَّسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۸، باب الکلام و الامام یخطب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جمعہ میں شرکت کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ شخص جو لغو حرکت کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے، تو ایسے شخص کا حصہ یہی لغو حرکت ہے، دوسرا وہ شخص جو دعاء کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے، تو یہ ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو عطا کردے اور اگر چاہے نہ دے، اور تیسرا آدمی وہ ہے جو خاموشی اور سکوت کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرتا ہے اور کسی مسلمان کی نہ گردن پھلانگتا ہے، اور نہ کسی کو تکلیف پہونچاتا ہے، تو یہ جمعہ اپنے سے ملے ہوئے جمعہ تک کے لئے کفارہ ہوجاتا ہے، اور مزید تین دنوں کے لئے کفارہ ہوجاتا ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''من جاء بالحسنة الخ'' جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کو اس کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے والے تین قسم کے آدمی ہیں۔

(۱)...... وہ لوگ جو خطبہ کے وقت میں کوئی فعل عبث یا بات چیت کریں، ایسے لوگوں کا حکم یہ ہے کہ ان کے حصہ میں وہی لغو چیز آئے گی، جمعہ کا ثواب اور اس کی فضیلت ان کے حق میں کچھ نہیں۔

(۲)...... جو شخص خطبہ کے وقت میں کلام یا فعل عبث تو کچھ نہیں کرتا لیکن بجائے استماع خطبہ کے دعاء مانگنے میں مشغول ہوجاتا ہے تو اس کے حق میں بھی فائدہ یقینی نہیں ہے،

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اس کو عطا کرے یا نہ کرے۔

(۳)...... جو لوگ بغیر تخطی رقاب اور بغیر کسی کو ایذاء دیئے خاموشی کے ساتھ مسجد میں بیٹھیں تو ایسے ہی لوگوں کیلئے جمعہ کی نماز اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کفارۂ سیئات ہوتی ہے، اور تین دن مزید برآں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۵، التعلیق: ۲/۱۴۴) (الدر المنضود)

دوران خطبہ امر خیر کا تکلم بھی ممنوع ہے

﴿۱۳۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَيْسَ لَهٗ جُمُعَةٌ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۱/۲۳۰.

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جو شخص امام کے خطبہ دینے کے درمیان بات کرے وہ اس گدھے کے مثل ہے، جس پر کتابیں لادی ہوئی ہوں، اور جو شخص اس بات کرنے والے سے کہے کہ ”چپ رہو“ اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔“

تشریح: من تکلم یوم الجمعة و الامام یخطب: خطبہ کے دوران گفتگو کرنا سخت ممنوع ہے، جو شخص خطبہ کے دوران گفتگو کرے ایسے شخص کی مثال اس گدھے کی ہے جو اپنے اوپر کتابوں کا بوجھ تو خوب لادے ہو، لیکن ان کتابوں سے انتفاع حاصل کرنے سے وہ محروم اور عاجز ہے، اور یہ کنایہ ہے علم پر عمل نہ کرنے سے، کہ جس شخص

نے اپنی زندگی کو حصول علم کیلئے لگایا اور طرح طرح کی مشقتیں اور اذیتیں برداشت کیں اور علم کو حاصل تو کرلیا لیکن اس علم پر عمل نہ کر کے علم سے فائدہ اٹھانے سے محروم اور کورا ہے، کہ علم کا بوجھ تو اپنے اوپر لادے ہوئے چلتا ہے، لیکن اس علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۶)

والذی یقول لہ انصت لیس لہ جمعۃ: یعنی خطبہ کے دوران ہر قسم کا کلام ممنوع ہے، چاہے وہ امر بالمعروف ہو یا نہی عن المنکر کے قبیل سے ہو، اس لئے اگر کسی نے دوران خطبہ کسی کو لغو بات سے منع بھی کیا تو یہ لغو حرکت ہوئی اور اس کی وجہ سے یہ شخص فضیلت جمعہ کے کامل ثواب سے محروم رہے گا۔

اشکال مع جواب

اب یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطبہ کے دوران ایک اعرابی نے دعاء کے لئے کہا ہے کہ اے اللہ کے رسول! بارش نہ ہونے کے سبب مال ہلاک ہوگئے اور اہل وعیال بھوک سے پریشان ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی، اس حدیث سے دوران خطبہ کلام کرنا ثابت ہوا، جب کہ حدیث باب سے دوران خطبہ گفتگو کی ممانعت صریح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو کا وقوع اس وقت ہوا ہو جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ دینا شروع نہیں کیا تھا، یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ دے کر فارغ ہو چکے تھے، یا اس وقت کی بات ہے جب کہ خطبہ کے درمیان کلام کرنا ممنوع نہیں تھا، یا یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۶، ۲۲۷)

جمعہ کے دن غسل کی تاکید

﴿۱۳۱۵﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔ (رواه مالك) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلاً۔

حوالہ: موطأ امام مالک: ۲۲، باب ماجاء في السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۱۳۔ ابن ماجہ شریف: ۷۷، باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۹۸۔

ترجمہ: حضرت عبید بن سباق سے بطریق ارسال روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں ارشاد فرمایا: ''کہ اے مسلمانوں کی جماعت! بے شک یہ وہ دن ہے جس کو اللہ نے عید قرار دیا ہے، لہٰذا تم لوگ اس دن غسل کرو، اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اس کو لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور مسواک کا استعمال کرنا تم پر لازم ہے۔'' (امام مالک) ابن ماجہ نے اس روایت کو بطریق اتصال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انعام وعطیہ ہے، اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی بارش ہوتی ہے، اس لئے اس دن میں جو لوگ زیب وزینت سے دور رہتے ہیں وہ بھی اچھا لباس زیب تن کریں، خوب اچھی طرح سے نہا دھو کر خوشبو کا استعمال کر کے مسجد آکر نماز ادا کریں، عام طور پر بھی مسواک کا استعمال کرنا چاہئے،

لیکن اس دن میں خصوصی طور پر مسواک کا استعمال کرنا چاہئے۔

ومن کان عنده طیب فلا یضره: جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال مسنون ہے، لیکن ایسی خوشبو استعمال کی جائے جس میں رنگ نہ ہو۔

عرق گلاب ملا ہوا مشک

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ عرق گلاب ملا ہوا مشک بطور خوشبو کے استعمال کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام طور پر یہی خوشبو استعمال فرماتے تھے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند تھی۔

اشــکــال: حدیث باب میں ہے کہ خوشبو کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ تو ان جگہوں پر کہا جاتا ہے جہاں گناہ کا امکان ہو، خوشبو لگانا وہ بھی جمعہ کے دن یہ تو سنت ہے، پھر اس کے بارے میں یہ کہنا کہ گناہ نہیں ہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔

جــواب: بعض لوگوں کا خیال تھا کہ خوشبو لگانا عورتوں کے حق میں جائز اور مردوں کے حق میں ممنوع ہے، ان کے خیال کی تردید کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ خوشبو کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی احناف کے نزدیک واجب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**فلا جناح علیه ان یطوف بهما**" یہاں بھی گناہ کی نفی اسی وجہ سے ہے کہ بعض لوگ سعی بین الصفا والمروہ کو درست نہیں سمجھتے تھے، ان کے خیال میں یہ گناہ کا کام تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اسلوب اختیار کیا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۷، التعلیق: ۲/۱۴۵)

ایضاً

﴿۱۳۱۶﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ یَغْتَسِلُوْا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَلْیَمَسَّ اَحَدُھُمْ مِّنْ طِیْبِ اَھْلِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَالْمَاءُ لَہٗ طِیْبٌ۔ (رواہ احمد والترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ۲۸۲/۴، ترمذی شریف: ۱۱۸/۱، باب ماجاء فی السواک والطیب، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۵۲۸۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے، نیز مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے، اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے۔''

تشریح: کسی بھی بڑے مجمع میں جانے سے پہلے نہا دھولینا چاہئے، اور خوشبو کا استعمال کرنا چاہئے، جمعہ کے دن بھی بڑا مجمع ہوتا ہے، اس لئے یہ امور جمعہ کے دن بھی مستحب ہیں۔

حقا علی المسلمین ان یغتسلوا: مسلمانوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں، جمعہ کے دن غسل کے اہتمام پر تاکید کیلئے یہ اسلوب اختیار کیا۔

غسل نماز جمعہ کے لئے ہے یا یوم جمعہ کے لئے؟

سوال: غسل جمعہ کے دن کیلئے ہے یا جمعہ کی نماز کے لئے ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف روایت کی بنا پر ہے، بعض روایات سے جمعہ کی نماز کے لئے غسل معلوم ہوتا ہے، جب کہ بعض روایات سے جمعہ کے دن کے لئے غسل معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بعض روایات میں نہ تو جمعہ کی نماز کی قید ہے،

نہ جمعہ کے دن کی قید ہے، بلکہ سات دن میں ایک مرتبہ غسل کی تاکید ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: "**حق اللہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعۃ ایام**" (بخاری: ١٢٣/١، حدیث نمبر: ٨٨٦) روایات میں تطبیق کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اصلاً تین غسل ہیں۔

(١)...... ہفتہ میں ایک بار غسل یہ نظافت کے قبیل سے ہے، یہ ہر مسلمان کے حق میں ہے، مرد ہو یا عورت ہو، جمعہ کی نماز اس پر واجب ہو یا نہ ہو۔

(٢)...... جمعہ کے دن غسل، اس کا تعلق جمعہ کے دن سے ہے، نماز جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں اس سلسلہ میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "**من اغتسل یوم الجمعۃ کان فی طھارۃ الی الجمعۃ الاخریٰ**" (صحیح ابن خزیمہ) جمعہ کی دن کی فضیلت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اس کے لئے مستقل غسل ہو۔

(٣)...... جمعہ کی نماز کا غسل، اس کا تعلق صرف اس شخص سے ہے جو جمعہ کی نماز کے لئے حاضر ہو، لیکن اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز سے پہلے غسل کر کے جمعہ میں آتا ہے تو یہ ایک غسل تینوں کے لئے کافی ہوگا۔ (اوجز: ٢/٢١٧، **غسل الجمعۃ للیوم او للصلوٰۃ**، مطبوعہ امدادیہ مکہ مکرمہ)

غسل جمعہ واجب ہے یا سنت

سوال: غسل جمعہ واجب ہے یا مسنون؟

جواب: جمہور کے نزدیک جمعہ کا غسل مسنون ہے، اور ان کی دلیل حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث ہے، "**من توضأ یوم الجمعۃ فبھا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل**" (ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے

دن غسل کرنا افضل ہے، اور ترک غسل جائز ہے، اہل ظواہر غسل جمعہ کو واجب قرار دیتے ہیں، اور ان کا استدلال حدیث باب سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حقا علی المسلمین...... الخ" وہ روایات جن سے وجوب سمجھ میں آتا ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن روایات میں غسل کا حکم دیا ہے، وہ حکم وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ استحباب کو مؤکد انداز میں بیان کرنے کے لئے ہے یا پھر ابتدائے اسلام میں غسل واجب تھا، جو کہ اب منسوخ ہو گیا ہے، یا اس کا حکم اس وقت تک کے لئے اٹھ گیا ہے جب تک کہ ابتدائے اسلام جیسے حالات نہ ہوں، ابتدائے اسلام میں لوگ سخت محنت ومشقت کے کام کرتے تھے، ان کے لباس پسینہ سے تر ہو جایا کرتے تھے، لباس بھی موٹا ہوتا تھا، کئی کئی دن ایک ہی لباس پہنے رہا کرتے تھے، اسی طور پر وہ جمعہ میں مسجد آتے تو لوگوں کو سخت ایذاء ہوتی تھی، اس لئے غسل جمعہ واجب تھا، اب وہ کیفیت نہیں رہی، اس لئے وجوب کا حکم بھی باقی نہیں ہے۔ (معارف السنن: ۱/۳۲۰، باب ماجاء فی الاغتسال فی یوم الجمعۃ، مرقاۃ: ۲/۲۲۷، التعلیق: ۹/۱۴۵)

باب الخطبة والصلوة

خطبہ اور نماز

رقم الحدیث: ۱۳۱۷ تا ۱۳۳۵۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الخطبة والصلوة

(خطبہ اور نماز)

خطبہ کے معنی

"خطبہ" کے لغوی معنی وعظ و نصیحت اور تقریر کے ہیں۔

اور اصطلاحِ شریعت میں خطبہ سے مراد وہ کلام ہوتا ہے، جو ذکر اللہ یعنی حمد و ثنا، درود وسلام اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔

جمہور علماء کے نزدیک خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ (اعلاء السنن: ۸/۵۲)

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ کی حکمت

نماز جمعہ سے پہلے خطبہ واجب ہے، خطبہ اس لئے رکھا گیا، تا کہ ناخواندہ لوگ مسائل سے واقف ہوں اور خواندہ لوگ یاد تازہ کریں، جمعہ میں لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، اس موقعہ پر تقریر سے لوگوں کو بڑا نفع پہنچتا ہے۔ نیز خطبہ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۶۱۶)

دو خطبوں کی حکمت

دو خطبوں میں دو حکمتیں ہیں:

(۱)...... مسلسل بات کرنے میں کچھ باتیں رہ جاتی ہیں، جب مقرر وقفہ کریگا تو اس وقفہ میں ضروری باتیں یاد آجائیں گی، جن کو وہ دوسرے خطبہ میں بیان کردیگا۔

(۲)...... مسلسل بولنے سے بولنے والا بھی تھک جاتا ہے، اور سننے والے بھی اکتا جاتے ہیں، اسلئے وقفہ سے خطیب کی تھکاوٹ بھی دور ہوگی، اور سننے والوں میں نشاط بھی رہے گا۔
(رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۶۱۷)

خطبہ عربی زبان میں ضروری ہے

جمعہ کا خطبہ صرف تقریر نہیں ہے، بلکہ وہ ایک شعار بھی ہے، اور شعائر میں تبدیلی ممکن نہیں ہے، ورنہ شعار باقی نہیں رہے گا، جیسے قرآن واذان، جہاں ہدایت کی کتاب اور نماز کی دعوت ہیں، وہیں اسلام کے شعائر بھی ہیں، لہٰذا جس طرح ان کی زبان نہیں بدلی جاسکتی، اسی طرح خطبہ بھی غیر عربی میں دینا درست نہیں ہے، یہ بات تعامل امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو بڑو تی ممالک فتح کیے تھے، وہاں عربی نہیں بولی جاتی تھی، اس کے باوجود انہوں نے خطبہ وہاں عربی ہی زبان میں دیا، عربی کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے، خطبہ سے متعلق دیگر اہم مباحث احادیث کے ذیل میں دیکھیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/۶۱۷)

نماز جمعہ کے دوگانہ ہونے کی حکمت

جس نماز میں قریب وبعید کے لوگ شریک ہوں وہ نماز دو ہی رکعت ہے اس کی دو مصلحتیں ہیں۔

(۱)......نماز لوگوں پر بھاری نہ ہو۔

(۲)...... جمعہ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کمزور، بیمار، حاجت مند، لہٰذا ان سب کی رعایت کی بنا پر نماز دو رکعت ہی ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ: ۳/۶۱۶)

نماز جمعہ سے متعلق دیگر اہم مباحث احادیث کے ذیل میں دیکھیں۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز جمعہ کا وقت

﴿۱۳۱۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۲۳، باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۰۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ آفتاب ڈھل جاتا تھا۔

زوال سے پہلے جمعہ اور اختلاف ائمہ

تشریح: امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ و مالکؒ اور جمہور امت کے نزدیک جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے، زوال سے پہلے جائز نہیں، اور امام احمد و اسحاق اور بعض اہل ظواہر کے نزدیک جمعہ کا وقت عیدین کا وقت ہے، یعنی زوال سے پہلے چاشت کے وقت جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض صحابہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

دلائل امام احمدؒ وغیرہ

امام احمدؒ وغیرہ کا استدلال سہل بن سعد کی حدیث ہے: "**ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعة**" (**بخاری شریف:۱/۱۲۸، باب قول الله فاذا قضیت الصلوة الخ، حدیث نمبر: ۹۲۹**) وجہ استدلال یوں ہے کہ غدا دوپہر کے کھانے کو کہا جاتا ہے، اور قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہا جاتا ہے، تو جیسا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ دونوں کام جمعہ کے بعد کرتے تھے، تو جمعہ از نماز زوال سے پہلے ہوا۔

دوسرا استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض احادیث میں جمعہ کو عید کہا گیا ہے، (جیسا کہ ماقبل میں مشکوۃ:۱۲۱، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گذر چکی) اور عید کا وقت قبل الزوال ہے، لہٰذا جمعہ کا وقت بھی یہی ہونا چاہئے۔

دلائل جمہور

جمہور ائمہ دلیل پیش کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: "**ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس**" (رواہ البخاری وابوداؤد)

دوسری دلیل حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: "**کنا نجمع مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا زالت الشمس**" (مسلم:۱/۲۸۳، فصل فی وقت صلوۃ الجمعۃ)

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے۔

امام احمدؒ کے دلائل کے جوابات

امام احمدؒ وغیرہ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سویرے مسجد میں چلے جاتے تھے، اور ناشتہ وقیلولہ کی فرصت نہیں پاتے تھے، اس لئے جمعہ پڑھ کر یہ دونوں کام انجام دیتے تھے، تو ناشتہ اور قیلولہ کو اپنے وقت سے مؤخر کرلیتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ جمعہ زوال سے پہلے پڑھ لیتے تھے، کیونکہ اس صورت میں دوسری احادیث کثیرہ کے ساتھ تعارض ہوجاتا ہے۔

دوسری دلیل جو پیش کی کہ جمعہ کو عید کہا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینے میں جمیع جہات میں مشابہت ضروری نہیں، بلکہ ادنیٰ مشابہت کی بناء پر بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے، تو یہاں عید کی طرح کثرت اجتماع اور خوشی کی بنا پر عید کہا گیا ورنہ اگر تمام احکام میں مشترک ہونا لازم ہوتو چاہئے تھا کہ عید کی طرح جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہو، اور خطبہ نماز کے بعد ہو اور عیدگاہ میں جمعہ اور اس سے پہلے اور بعد نفل پڑھنا مکروہ ہو، حالانکہ یہ سب احکام جمعہ میں نہیں ہیں۔ (التعلیق: ۱۴۷/ ۲، بذل: ۱۰۱/ ۵، باب الصلوۃ یوم الجمعة قبل الزوال)

دن کے کھانے سے پہلے جمعہ ادا کرنا

﴿۱۳۱۸﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۸/ ۱، قول الله تعالىٰ فاذا قضيت الصلوة الخ، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۹۲۹۔ مسلم شریف: ۲۸۳/ ۱، باب

صلوة الجمعة حين تزول الشمس، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۵۹۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ کرتے تھے، اور دن کا کھانا کھاتے تھے۔

تشـــــریـح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد مسجد چلے جایا کرتے تھے، اور جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھاتے، اور قیلولہ کرتے تھے۔

ما کنا نقیل و لا نتغدی: جو لوگ قبل الزوال جمعہ کی نماز درست ہونے کے قائل ہیں، وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ہے کہ ''قیلولہ'' نام ہے نصف النہار کے وقت آرام کرنے کا اور ''غدا'' دوپہر کے کھانے کو کہتے ہیں، جو زوال سے پہلے کھایا جاتا ہے، اور حدیث باب میں ان دونوں امور کے بارے میں ہے کہ یہ جمعہ کے بعد ہوتے تھے، اور جمعہ ان سے پہلے ادا ہوتا تھا، تو اس کا لازمی نتیجہ نکلا کہ جمعہ قبل الزوال ہوتا تھا۔

جواب: حدیث باب کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد چلے جایا کرتے تھے، دوپہر کے کھانے اور آرام میں اس لئے مشغول نہ ہوتے کہ جمعہ فوت نہ ہوجائے، جمعہ کا کامل ثواب نہ فوت ہوجائے، اور حدیث باب میں قیلولہ اور غدا کا استعمال مابعد الزوال پر توسعاً کیا گیا ہے، جیسے کہ سحری کو بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''غدا'' توسعاً کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا: کہ ''**هلم الی الغداء المبارک**'' اب اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ ''غدا'' اس کھانے کو کہتے ہیں جو فجر بعد سے لیکر زوال سے پہلے تک کھایا جائے، لہٰذا فجر بعد سحری کھانا درست ہے، تو اس کے استدلال کو غلط کہا جائے گا، ایسا ہی لفظ ''غدا'' سے **صلوة الجمعة قبل الزوال** پر استدلال بھی درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۸، التعلیق:۲/۱۴۷، بذل:۵/۱۰۸/۱۰۷، باب في وقت الجمعة)

گرمی میں جمعہ تاخیر سے پڑھنا

﴿۱۳۱۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَکَّرَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ یَعْنِیْ الْجُمُعَۃَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۴/۱، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر:۹۰۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سردی سخت ہوتی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جلدی پڑھ لیا کرتے تھے، اور جب گرمی سخت ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر میں نماز پڑھتے تھے، یعنی جمعہ کی نماز۔

تشریح: اذ اشتد البرد بکر بالصلوۃ: مطلب یہ ہے کہ سردی میں جمعہ اول وقت میں پڑھتے تھے۔ "واذ اشتد الحر ابرد بالصلوۃ" حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گرمی میں جمعہ تاخیر سے پڑھتے تھے، امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ گرمی میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ اول وقت میں پڑھتے تھے، اور حدیث باب کو وہ بیان جواز پر محمول فرماتے ہیں، نیز اس کو اس شخص کے حق میں مانتے ہیں جس کا گھر مسجد سے دور ہو۔ (مرقاۃ:۲/۲۲۹)

جمعہ کی اذان اول کا اضافہ

﴿۱۳۲۰﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النِّدَاءُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوَّلُہٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَی الْمِنْبَرِ عَلٰی عَھْدِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمَّا کَانَ عُثْمَانُ وَ کَثُرَالنَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَی الزَّوْرَاءِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۴/۱، باب الاذان یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۹۱۲۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے زمانے میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے تیسری اذان ''زورا'' پر بڑھادی۔

تشریح: زاد النداء الثالث: تیسری اذان اقامت کوملا کر ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں صرف ایک اذان ہوتی تھی، اوراس اذان کے دو مقصد تھے۔

(۱)......غائبین کونماز کی اطلاع دینا۔

(۲)......حاضرین کوخطیب کی آمد کی اطلاع دینا۔

یہ اذان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مسجد کے دروازہ پر دی جاتی تھی۔(ابوداؤد)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا اور مدینہ طیبہ کی آبادی پھیل گئی، اور یہ اذان اطلاع عام کے لئے ناکافی ہوگئی، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا اور وہ اذان ''زوراء'' مقام پر دی جانے لگی، یہ مسجد نبوی سے متصل بازار میں کوئی بلند جگہ تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ اذان سن کر دور دراز کے لوگ بھی آجائیں،

پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے، تو دوسری اذان مسجد میں منبر کے سامنے دی جاتی تھی، کیونکہ اب اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو آگاہ کرنا تھا، لہٰذا مسجد کی چھت سے اذان دینے کی ضرورت نہیں تھی، اس وقت سے آج تک اسی پر تعامل چلا آرہا ہے، صرف وہ لوگ جو اجماع امت کی حجیت تسلیم نہیں کرتے اس اذان کا انکار کرتے ہیں۔ (التعلیق: ۲/۱۴۸، مرقاۃ: ۲/۲۲۹) (تحفۃ الالمعی)

اذا نودی للصلوٰۃ الخ کا مصداق

سوال: "اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ الخ" کا مصداق کونسی اذان ہے، یعنی سعی الی الجمعۃ اذان اول پر واجب ہے، یا اذان ثانی پر اور خرید وفروخت کی حرمت کب سے ہے۔

جواب: اذان اول پر سعی الی الجمعۃ واجب ہو جاتی ہے، اور خرید وفروخت اسی وقت سے حرام ہے، اور آیت کا مصداق اذانِ اول ہی ہے۔

اشکال: آیت کے نزول کے وقت اذان اول کا وجود بھی نہیں تھا، پھر یہ کیسے آیت کا مصداق ہوگئی؟

جواب: اصول تفسیر کا قاعدہ "العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد" نص کے الفاظ اگر عام ہوں تو حکم عام ہوتا ہے، شانِ نزول کے ساتھ خاص نہیں ہوتا ہے، یہاں بھی "اذا نودی للصلوۃ" عام ہے، اذانِ اول یا اذان ثانی کی قید نہیں ہے، لہٰذا حکم بھی عام ہوگا، لہٰذا اس آیت کا مصداق وہ اذان ہوگی جو غائبین کو بلانے کے لئے دی جاتی ہو، اور وہ پہلی اذان ہی ہے، دوسری اذان تو حاضرین کو متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ (حوالہ بالا)

اذان ثانی کو بدعت عثمانی کہنا

غیر مقلدین حضرات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے اضافہ کردہ اذان کو بدعت عثمانی کہہ کر اس سے گریز کرتے ہیں، یہ درحقیقت غیر مقلدین کی گمراہی اور شیعوں کی اتباع اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش ہے، جب کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی سنت کو واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اب اس کو بدعت کہنا اور اس سے گریز کرنا جہالت و گمراہی نہیں تو اور کیا ہے، اور سنت کے نام پر درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے انکار ہے، تمام محدثین فقہاء اور ائمہ اس اذان کے قائل ہیں، اور عرب وعجم میں اس پر تو ارث رہا ہے، اگر کسی نے اس کو بدعت کہا ہے تو اس سے بدعت لغوی مراد ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے جماعت تراویح کی نظام کو بدعت کہا گیا ہے، لیکن وہاں بھی لغوی بدعت مراد ہے، غیر مقلدین تراویح تو جماعت سے پڑھتے ہیں، لیکن اذان ثانی سے گریز کرتے ہیں، غیر مقلدین کے لئے علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کردینا کافی ہوگا۔ "وکلھم متفقون علی اتباع عمر وعثمان فیما سناہ" ساری امت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسنون جاری کردہ عمل کو بالاتفاق قابل اتباع سمجھتی ہے۔ (بذل: ۵/۱۱۰)(منہاج السنۃ)

زاد النداء الثالث علی الزوراء: امام توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زوراء مدینہ منورہ کے بازار میں ایک گھر تھا، جس کی چھت پر چڑھ کر اذان دی جاتی تھی، بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام تھا جس جگہ سے اذان دی جاتی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۲۹، التعلیق: ۲/۱۴۸)

جمعہ کے دو خطبے

﴿۱۳۲۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۸۴/۱، باب ذکر الخطبتین، کتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۶۲۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ ارشاد فرماتے تھے، ان دونوں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبوں میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، اور لوگوں کو نصیحت کرتے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی، اور خطبہ اوسط درجہ کا ہوتا۔ (بذل: ۵/۱۱۷)

خطبہ کا حکم

سوال: خطبہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جمہور علماء وائمہ کے نزدیک خطبۂ جمعہ واجب ہے، اور یہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”فاسعوا الی ذکر الله“ اس آیت میں ”ذکر“ خطبہ کو بھی شامل ہے، لہٰذا خطبہ واجب ہے۔

دو خطبے واجب ہیں یا ایک

سوال: دونوں خطبے واجب ہیں یا ایک خطبہ واجب ہے۔

جواب: امام صاحبؒ کے نزدیک ایک خطبہ واجب ہے اور دوسرا مسنون ہے، اس لئے کہ خطبوں کا مقصد تذکیر ہے، اور وہ ایک خطبہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا خطبہ بھی دیا ہے، اس لئے دوسرا سنت ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں خطبے واجب ہیں، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ دونوں خطبے دئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "صلوا کما رأیتمونی اصلی" اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ محض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ (بذل: ۵/۱۱۷)

یجلس بینهما: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے۔

خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر

سوال: کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

جواب: جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر خطبہ دینا واجب ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک مسنون ہے، کیونکہ نص میں عموم ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑھاپے میں بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے، اور کسی صحابی رضی اللہ عنہم سے انکار ثابت نہیں ہے، اس لئے کھڑے ہو کر خطبہ دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مسنون ضرور ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے ہی ثابت ہے، بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔ (بذل: ۵/۱۱۶)

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم

سوال: دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے یا سنت؟

جواب: امام صاحب کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، چونکہ امام صاحب کے نزدیک صرف ایک خطبہ واجب ہے، دوسرا مسنون ہے، لہٰذا دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی آپ کے نزدیک مسنون ہے، اصل بات یہ ہے کہ خطبے کا وجوب اللہ تعالیٰ کا ارشاد "**فاسعوا الی ذکر اللہ**" سے ہے، اس آیت میں دو خطبوں کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا نفس خطبہ یعنی ایک واجب ہوگا، خبر آحاد سے قرآن مجید پر زیادتی درست نہ ہوگی، لہٰذا وہ احادیث جس میں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے ان سے وجوب تو ثابت نہ ہوگا، البتہ خبر واحد پر فی نفسہ عمل ضروری ہے، لہٰذا دونوں خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے قرآن پر زیادتی درست ہے، اسلئے ان کے نزدیک خبر واحد سے دوسرے خطبے کا وجوب بھی ثابت ہے، اور ان کے درمیان بیٹھنا بھی واجب ہے۔

یقرأ القرآن: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبے میں قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرماتے تھے۔ (بذل: ۵/۱۱۷)

خطبہ میں تلاوت کا حکم

سوال: کیا خطبے میں قرآن مجید کی تلاوت شرائط خطبہ میں سے ہے؟

جواب: امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ میں کم از کم ایک آیت پڑھنا ضروری ہے، اگر ایک آیت بھی نہ پڑھی گئی تو خطبہ صحیح نہ ہوگا، بقیہ ائمہ کے نزدیک کم از کم ایک آیت تلاوت

کرنا سنت ہے، خطبہ اس کے بغیر بھی صحیح ہوجاتا ہے۔

ارکان خطبہ

اس میں کسی قدر اختلاف ہے، علامہ شعرانی کی تالیف میزان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ عندالشافعیؒ واحمدؒ اور امام مالکؒ کے قول راجح میں خطبہ کے ارکان پانچ ہیں: حمد وثنا، صلوۃ وسلام علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، التذکیر یعنی وعظ ونصیحت، القرأۃ، الدعاء للمؤمنین والمؤمنات۔ اور امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ فی روایۃ فرماتے ہیں: حقیقت خطبہ مطلق ذکر ہے، یعنی ذکراللہ، کما قال اللہ تعالیٰ. "اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ" لہٰذا ان کے نزدیک صرف تہلیل یا تسبیح یا تحمید کافی ہے، اور صاحبین فرماتے ہیں: "لا بد من کلام یسمی خطبۃ عادۃ" یعنی ایسا مختصر سا کلام جس کو عرف میں خطبہ کہا جاتا ہے، (میزان) اور صاحب منہل نے شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ارکان خطبہ پانچ ہی لکھے ہیں، اور مالکیہ کے یہاں انہوں نے لکھا ہے کہ اس کے ارکان آٹھ ہیں، بعض شرائط کو بھی انہوں نے اس میں شامل کرکے آٹھ کہہ دیا ہے، مثلاً اس کا عربی میں ہونا اور جہراً ہونا، مسجد میں ہونا وغیرہ وغیرہ، انہوں نے شافعیہ وحنابلہ کا مذہب بھی یہی لکھا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۲۳۶، فصل ثالث کی دوسری حدیث کے تحت۔

خطبہ کا جامع ومختصر ہونا

﴿۱۳۲۲﴾ وَعَنْ عَمَّارٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلوٰۃِ الرَّجُلِ وَقَصْرَ خُطْبَتِہٖ مَئِنَّۃٌ مِنْ فِقْھِہٖ فَاَطِیْلُوا الصَّلوٰۃَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَۃَ وَاِنَّ

مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۸۶/ ۱ ، باب تخفيف الصلوة و الخطبة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر:۸۶۹۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''آدمی کا لمبی نماز پڑھنا اور خطبہ مختصر کرنا، اس کی دانائی کی علامت ہے، لہٰذا نماز کو لمبی کرو، اور خطبہ کو مختصر کرو، بلاشبہ بعض بیان میں جادو ہوتا ہے۔''

تشریح: خطبہ میں اقتصار سے کام لیا جائے، اور نماز اس کے مقابلے میں کچھ لمبی ہو، مختصر خطبہ دینے والے کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمجھدار قرار دیا ہے، اس لئے کہ کم وقت میں موضوع کا حق سمجھدار شخص ہی ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ مختصر الفاظ میں مافی الضمیر کا ادا کرنا دشوار کام ہے۔

فاطيلوا الصلوة و اقصروا الخطبة: خطبہ میں توجہ اور ہم کلامی مخلوق سے ہے، جب کہ نماز میں خالق کی طرف توجہ ہوتی ہے، اس لئے نماز کو لمبا کرنے، اور خطبہ کو مختصر کرنے کا حکم دیا، فی نفسہ نماز کی طوالت مراد نہیں ہے، بلکہ خطبہ کے مقابل طوالت مراد ہے۔

سوال: گذشتہ حدیث شریف میں یہ بات گذری کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ اور نماز دونوں چیزیں درمیانی ہوتی تھیں، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں خطبہ مختصر کرنے کا اور نماز کو طویل کرنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ اس سے تو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول عمل کے خلاف ہے۔

جواب: نماز اور خطبہ کے درمیانی یعنی معتدل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں بالکل برابر ہوں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز خطبہ سے طویل ہونی چاہئے، اور خطبہ نماز سے

مختصر ہونا چاہئے، لیکن فی نفسہ دونوں ہی حد درجہ اختصار اور بہت زیادہ طوالت سے پاک ہو، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل یہی تھا، یہاں بھی نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ دونوں کو سنت کے مطابق رکھا جائے، طول واختصار نہ درجۂ سنت سے زائد ہو نہ کم،

ان من البيان لسحرا: مطلب یہ ہے کہ بعض بیان ایسے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے قلوب ایسے ہی مائل ہوجاتے ہیں، جیسے جادو کے ذریعہ سے مائل ہوتے ہیں، سب سے بہتر کلام وہی ہے جس میں الفاظ کم معانی بہت ہوں اور لوگوں پر جادو کی طرح اثر کرنے والا ہو۔ (التعلیق: ۲/۱۴۸، مرقاۃ: ۲/۲۳۱)

خطبۂ مسنونہ

﴿۱۳۲۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَأَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۸۴/ ۱، باب تخفيف الصلوة والخطبة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۶۷۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں، آواز بلند ہوجاتی تھیں، اور غصہ سخت ہوجاتا تھا، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم لشکر سے ڈرانے والے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ لشکر صبح تم پر حملہ آور ہوگا، شام کو تم پر حملہ آور ہوگا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ میں اور قیامت دونوں ساتھ ساتھ اس طرح بھیجے گئے ہیں اپنی دونوں انگلیاں ملاتے تھے، یعنی انگشت شہادت اور وسطیٰ کو۔

آنکھیں سرخ ہوجانے کی وجہ

تشریح: اذا خطب احمرت عیناہ: جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیتے اور اس وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انوار جلالت اور انوار رحمت کے نزول اور امت مرحومہ کے احوال اور دینی امور میں ان کی کوتاہیوں پر مطلع ہونے کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں۔(مرقاۃ:۲/۲۳۲)

آواز بلند ہونے کی وجہ

وعلا صوتہ و اشتد غضبہ: خطبہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز بلند ہونے کی علماء نے دو وجہیں لکھی ہیں۔

(۱)......یا تو اس غم وفکر کا اظہار ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کی طرف سے لاحق رہتا تھا۔

(۲)......یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی آواز اس مقصد سے بلند فرماتے تھے، تاکہ بات لوگوں کے کانوں تک پہونچ جائے اور اس بات کی اہمیت وعظمت ان کے دلوں میں بیٹھ جائے اور ان کے دل ودماغ کو متأثر کرے، نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم پر غصہ کے آثار کا سبب یہ ہوتا کہ آئندہ وقت میں امت کی احکام الٰہی کی نافرمانی اور علمی اور اعتقادی خرابی اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہونے اور دین سے بے رغبتی ہونے کی بناء پر ہوتا تھا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۲)

کانہ منذر جیش کا مطلب

حتی کانہ منذر جیش: کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حالت اس شخص کی طرح ہو جاتی جو اپنی قوم کے لوگوں کی غفلت اور سستی کو دیکھ کر ایک ایسے عظیم الشان لشکر سے ڈراتا ہے جو صبح و شام کسی بھی وقت ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر ان پر ہر چہار جانب سے حملہ کر کے ان کو مٹانے کے لئے تیار ہے، اور اس وقت جوش و ولولہ کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخی اور آواز میں بلندی پائی جاتی ہے، اور قوم کی غفلت پر غیض و غضب اور غصہ بھی آتا ہے، اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی امت کی غفلت اور قیامت کے قریب اور جلدی آنے اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے وقت آپ کی یہ حالت ہو جاتی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۲، التعلیق: ۲/۱۴۸، طیبی: ۳/۲۳۴)

ویقرن بین اصبعیہ السبابۃ والوسطی: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرب قیامت کو سمجھانے کے لئے بطور مثال اپنی انگلیوں یعنی شہادت اور بیچ والی انگلی کو ملا کر یہ بتاتے تھے کہ جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سے بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میری بعثت بھی قیامت آنے سے تھوڑا پہلے ہوئی ہے، آخری نبی ہونے کی حیثیت سے میری بعثت ہو چکی اب قیامت بھی میرے پیچھے بہت جلد آنے والی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۲)

منبر پر خطبہ دینا

﴿١٣٢٤﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف: ٢/٧١٣، باب ونادوا یا مالک، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ٨١٩۔ مسلم شریف: ١/٢٨٦، باب تخفیف الصلوٰۃ، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ٨٧١۔

ترجمہ: حضرت یعلی ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر (خطبہ میں) یہ آیت "ونادوا یا مالک الخ" پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں دو باتیں توجہ طلب ہیں:

(١)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا، معلوم ہوا کہ اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا مسنون ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ حاضرین خطیب کو اچھی طرح دیکھیں تا کہ خطبہ کے کلمات ان کے دل پر اثر انداز ہوں۔

(٢)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں قرآن مجید کی آیت مذکورہ پڑھی، معلوم ہوا کہ خطبہ میں کم از کم ایک آیت کا پڑھنا مسنون ہے، اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں نجات سے بالکلیہ مایوس ہو جائیں گے، تو وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن وہ آئے گی نہیں، تو جہنم کے داروغہ مالک کو پکار کر کہیں گے اے مالک تم ہی اپنے رب سے دعا کردو کہ وہ ہمارا کام تمام کردے تا کہ ہم اس عذاب

سے چھٹکارا پا جائیں، جہنم کا داروغہ یعنی مالک نامی فرشتہ جواب میں کہے گا: "انکم ماکثون" تم ہمیشہ اسی حال میں یہاں رہو گے، یہاں سے تم کو نہ تو رہائی نصیب ہوگی، اور نہ تم کو موت ہی آئے گی۔

علی المنبر: ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا مسنون ہے، اگر منبر نہ ہو تو زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا جائز ہے، منبر کا مقصد سامعین تک آواز پہونچانا ہے، اور سامعین کا خطیب کو دیکھ سکنا ہے، لہٰذا جو بھی اونچی چیز میسر ہو اس پر کھڑے ہوکر خطیب خطبہ دے، مسجد نبوی میں جب منبر نہیں تھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث ہے: "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یخطب الی جذع فلما اتخذ المنبر حسن الجزع حتی اتاہ فالتزمہ فسکن" حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر رکھا گیا تو وہ ستون رونے لگا، یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کو اپنے سے چمٹالیا، تو اس کا رونا بند ہوگیا۔

ونادوا یا مالک: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں قرآن مجید کی آیت تلاوت کی، خطبہ میں قرآن مجید کی تلاوت احناف کے نزدیک مسنون اور شوافع کے نزدیک واجب ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معارف السنن: ۴/۳۵۹، باب ماجاء فی الخطبة علی المنبر.

خطبہ میں آیات قرآنی پڑھنا

﴿۱۳۲۵﴾ وَعَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ مَا اَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ اِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَی الْمِنْبَرِ اِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۸٦/۱، باب تخفيف الصلوة، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۳۔

ترجمه: حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے "سورۂ ق والقرآن المجید" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر سیکھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو ہر جمعہ میں منبر کے اوپر لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمانے کے دوران پڑھتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران خطبہ سورۂ "ق" کی متفرق آیات تلاوت کرتے تھے، کسی جمعہ کو کہیں سے چند آیات پڑھتے، اور کسی جمعہ کو کسی دوسرے مقام سے چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ام ہشام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطبہ کے دوران سورۂ "ق" کے اجزاء سن سن کر پوری سورت یاد کرلی، اس حدیث سے اشارۃً یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ دورِ نبوت میں عورتیں مسجد میں آتی تھیں، اس سلسلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ دورِ نبوت میں چند شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی، بعد میں بہت سی مصالح کے پیش نظر عورتوں کے مسجد آنے پر پابندی عائد کردی گئی۔

قٓ والقرآن المجید: پوری سورت پڑھنا مراد نہیں ہے، اس لئے کہ ہر جمعہ کو پوری سورت تلاوت کرنا امر مستبعد ہے، شروع کا حصہ مراد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت بھی نہیں فرمائی، ورنہ تو اس کا پڑھنا واجب یا سنت مؤکدہ ہوتا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۲، التعلیق: ۲/۱۴۹)

بوقت خطبہ عمامہ

﴿۱۳۲۶﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخٰى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۴۳۹/۱، باب جواز دخول مكة بغير احرام، كتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۳۵۹۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، اس کے دونوں کنارے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔

تشریح: جمعہ کے دن عمدہ لباس پہننا، عمامہ باندھنا بھی سنت ہے۔

ارخی طرفیها: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمامہ کا شملہ مونڈھوں پر لٹک رہا تھا، عمامہ دونوں طرح باندھنا جائز ہے، شملہ چھوڑنے کے ساتھ بھی اور بغیر شملہ چھوڑے بھی، دونوں میں کسی صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۲۶۸، التعلیق: ۲/۱۴۹)

فائدہ: سیاہ عمامہ باندھنے کا سنت ہونا بھی معلوم ہوا۔

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنا

﴿۱۳۲۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ

اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۸۷/ ۱، باب التحية والامام يخطب، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۷۵۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز مسجد آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ دو رکعت پڑھ لے، مگر دونوں رکعتیں مختصر پڑھے۔''

تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام اسحاق اور فقہاءِ محدثین کے نزدیک اگر کوئی جمعہ کے دن جامع مسجد میں بوقت خطبہ داخل ہو تو اس کے لئے دو رکعت تحیۃ المسجد مختصراً پڑھنا مستحب ہے، اور تحیۃ المسجد پڑھنے سے قبل بیٹھنا مکروہ ہے، یہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی مذہب ہے، ان حضرات کا مستدل یہی حدیث ہے، اس مضمون کی احادیث مسلم بخاری ودیگر کتاب صحاح میں بھی موجود ہے، قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ، امام لیثؒ، امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھے، ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، ان حضرات کی دلیل وہ احادیث اور روایات ہیں جن میں دوران خطبہ کلام کی ممانعت ہے، اور خطبہ کو غور سے سننے کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: "اذا دخل احدكم والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ الامام" [کہ امام جب منبر پر خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت تک نماز وکلام منع ہے جب تک کہ وہ اپنے خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے] نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہے کہ وہ امام کے خطبہ جمعہ کے لئے نکلنے کے بعد صلوۃ وکلام کو مکروہ سمجھتے تھے، اور حضرت عروہ سے مروی ہے کہ امام جب منبر پر بیٹھ جائے تو نماز پڑھنا منع ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷، حدیث نمبر: ۵۲۱۰) اور صحابی کا قول حجت ہوتا ہے، جب کہ اس کے خلاف کوئی دوسری چیز سنت ہی میں سے منافی نہ ہو، اور دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا ممنوع ہوگا۔ رہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث باب اور اس مضمون کی دوسری احادیث تو ان تمام کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن مسجد میں دوران خطبہ داخل ہوئے اور بیٹھ گئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: کہ کھڑے ہو اور دو رکعت مختصر نماز پڑھو اور آگے پوری وہی حدیث کا ٹکڑا ہے جو اس باب کی حدیث میں منقول ہے، دار قطنی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیک غطفانی کو جو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کر لی تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ غریب و مسکین شخص تھے، کپڑے بھی بہت خستہ تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ لوگ ان کو دیکھ لیں، اس لئے ان کو نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور نماز جمعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ کا حکم فرمایا، لوگوں نے کپڑے صدقہ کئے، اور ان کپڑوں میں سے دو کپڑے ان کو عنایت فرمائے۔ لہٰذا بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا ثابت نہیں ہوا، یا کہ خطبہ سے مراد خطبہ کا ارادہ ہے، یعنی امام خطبہ پڑھنا چاہتا ہو بالفعل خطبہ نہ پڑھ رہا ہو، اور نماز پڑھنا خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہو۔ (التعلیق: ۲/۱۵۰، مرقاۃ: ۲/۲۳۴، بذل: ۵/۱۶۲، بحث طویل فی رکعتی التحیة عند الخطبة)

نماز جمعہ میں مسبوق کا حکم

﴿۱۳۲۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔ (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۲/ ۱، باب من ادرک من الصلوة رکعة، کتاب مواقیت الصلوة، حدیث نمبر:۵۸۰۔ مسلم شریف: ۲۲۱/ ۱، باب من ادرک رکعة من الصلوة، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، حدیث نمبر:۵۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی، اس نے پوری نماز پالی۔''

تشریح: من ادرک رکعة من الصلوة الخ: حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱)...... جو شخص کسی بھی نماز کا بقدر ایک رکعت کے وقت پالے تو اس کے ذمہ میں وہ نماز واجب ہو گئی، جیسے کوئی شخص کسی نماز کے بالکل اخیر وقت میں اسلام میں داخل ہوا، نابالغ بچہ بالغ ہوا، یا حائضہ اپنے حیض سے پاک ہوئی۔

(۲)...... اس سے فضیلت جماعت مراد ہے کہ جس نے ایک رکعت جماعت کے ساتھ پائی اس کو فی الجملہ فضیلت جماعت حاصل ہو گئی، اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن صلوۃ اپنے عموم کی بناء پر جمعہ کو بھی شامل ہے۔

اختلاف ائمہ

یہاں ایک مسئلہ اور اختلافی ہے وہ بھی اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی جمعہ کی نماز میں مسبوق ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے، طائفة من السلف عطاء طاؤس ومجاہد کا

مسلک یہ ہے کہ امام کے ساتھ دونوں رکعت کا ملنا ضروری ہے، بلکہ خطبہ کا بھی، لہٰذا اگر کسی شخص سے خطبۂ جمعہ فوت ہوگیا تو وہ اب ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھے، اور ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لئے امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت کا پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی کی دونوں رکعت امام کے ساتھ فوت ہوجائیں مثلاً التحیات میں آ کر شامل ہو تو اس کی جمعہ کی نماز فوت ہوگئی، اس پر ظہر کی بناء کرنی چاہئے، اور شیخین امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے ساتھ ایک رکعت کا ملنا ضروری نہیں ہے، بلکہ تسلیم امام سے پہلے جو شخص تکبیر تحریمہ کہہ کر شامل ہوجائے اس کے لئے جمعہ کی نماز درست ہے۔

جمہور کا استدلال حدیث الباب سے ہے، یہ حدیث سنن اربعہ کی ہے، اور شیخین کا استدلال شیخین (بخاری ومسلم) کی حدیث سے ہے، جو ہمارے یہاں بھی "باب السعی الی الصلوۃ" میں گذر چکی ہے۔ "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا" جتنی نماز امام کے ساتھ ملے اس کو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو امام کے ساتھ ملنے سے فوت ہوجائے اس کو پورا کرلو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھنے سے فوت ہوئی ہے اسی کو پڑھا جائے اور ظاہر ہے یہاں جو نماز امام کے ساتھ فوت ہوئی ہے وہ صلوۃ جمعہ ہے، لہٰذا مسبوق اسی کو پڑھے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مسبوق کو جماعت پانے والا اس وقت قرار دیں گے جب وہ امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت پالے اور جو قعدہ اخیر میں یا اس سے کچھ پہلے سجدہ میں شریک ہوا تو وہ جماعت کی فضیلت تو پانے والا ہے، مگر جماعت پانے والا نہیں ہے، اور یہ عام ضابطہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں شامل ہونے والے کو جماعت میں شریک ہونے والا قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا جمعہ کی نماز میں

بھی قعدہ اخیرہ پانے والے کو جمعہ پانے والا قرار دیا جائے گا، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جس نے مکمل طور پر دونوں رکعتیں فوت کر دیں یعنی دوسری رکعت کا کوئی جز بھی جس کو نہ ملا حتی کہ قعدہ اخیرہ بھی نہیں ملا وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

(بذل: ۱۸۳/ ۵، باب من ادرک من الجمعة رکعة، اعلاء السنن: ۴۶/۸، باب من ادرک رکعة الخ)

﴿الفصل الثانی﴾

خطبہ سے قبل منبر پر بیٹھنا

﴿۱۳۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۶/ ۱، باب الجلوس اذا صعد المنبر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرماتے تھے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر چڑھتے تو اس وقت تک بیٹھتے جب تک وہ فارغ ہو جاتا راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں "المؤذن" کا لفظ کہا تھا، (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن کے

اذان سے فارغ ہونے تک منبر پر بیٹھتے تھے) پھر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ جاتے، اور بات نہ کرتے، پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔

تشریح: یخطب خطبتین: حنفیہ کے نزدیک پہلا خطبہ واجب اور دوسرا مسنون ہے۔

کان یجلس اذا صعد المنبر: خطیب کا منبر پر پہونچ کر اذان مکمل ہونے کے انتظار میں بیٹھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے، منبر پر خطبہ دینا سنت ہے، منبر پر نہ ہوتو زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا بھی جائز ہے۔

ثم یقوم فیخطب: خطبہ کھڑے ہوکر دینا چاہئے، لیکن حنفیہ کے نزدیک قیام خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے، بیٹھ کر خطبہ دینا بھی جائز ہے۔"روی عن عثمان انہ کان یخطب قاعدا حین کبر واسن" (بذل: ۱۱۶/۵، باب الخطبة قائما) [حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوڑھاپے میں بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے، لیکن بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

ثم یجلس: دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت ہے، واجب نہیں ہے، اور یہ بیٹھنا اتنی مقدار میں ہو جتنی مقدار میں سورۂ اخلاص پڑھی جاسکے، اس دوران بات چیت ممنوع ہے، البتہ دعا کی جاسکتی ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس دوران قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔(مرقاۃ:۲/۲۳۵)

دوران خطبہ خطیب کی طرف رخ کرنا

﴿۱۳۳۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ

اِسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَّانَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِیْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِیْثِ۔

حواله: ترمذی شریف: ١/١١٤، باب ماجاء فی استقبال الامام، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ٥٠٩۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے تو ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اپنے اپنے چہروں سے متوجہ ہو جاتے تھے، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کو ہم صرف محمد بن فضل کی سند سے جانتے ہیں، اور "محمد بن الفضل" ضعیف راوی ہیں، ان کو اپنی حدیثیں یاد نہیں تھیں۔

تشریح: اگر خطیب کی طرف رخ کیا جائے، اور خطیب کے چہرے کی طرف نگاہ رکھی جائے تو خطیب کی بات بھی سمجھ میں آتی ہے، اور بات دل پر اثر بھی کرتی ہے، کہ چہرے کے اتار چڑھاؤ اور ہاتھ کے اشارات بات سمجھنے میں معین و مددگار ہوتے ہیں۔

اذا استوی علی المنبر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوں ہی منبر پر چڑھتے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اپنے چہروں سے متوجہ ہو جاتے تھے، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنا برکت کے لئے تھا، اور ایمان میں زیادتی کا سبب تھا، اور خطبہ شروع ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنا برکت کے لئے بھی تھا، اور خطبہ اچھی طرح سمجھ میں آئے اس مقصد سے بھی تھا، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ خطیب قوم کی طرف متوجہ رہے، اور قوم خطیب کی طرف متوجہ رہے۔ (مرقاۃ: ٢/٢٣٥)

﴿الفصل الثالث﴾

خطبہ کھڑے ہوکر

﴿۱۳۳۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِماً ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِماً فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِساً فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفَيْ صَلٰوةٍ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۸۳، باب ذکر الخطبتین قبل الصلوة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۶۲۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص تم کو یہ اطلاع دے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، وہ جھوٹا ہے، اللہ کی قسم میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ میں دو خطبے دیتے تھے، اور دونوں خطبے کھڑے ہوکر دیتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر خطبہ دینے کو بہت تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ضمناً آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی طویل رفاقت اور کثرت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کو بھی بیان کیا ہے۔

بذل میں علامہ شوکانیؒ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ کا قائماً ہونا عند الجمہور واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک سنت، اور حاشیۂ بذل میں امام احمد کا مسلک حنفیہ کے موافق لکھا ہے، یعنی سنیت، نیز یہ کہ مالکیہ کے اس میں دونوں قول ہیں، (کما فی الشرح الکبیر للدردیر) لیکن ابن العربی مالکی کا مختار وجوب قیام ہے، (کما فی عارضہ الاحوذی) اسی طرح بدائع میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خطبہ کے اندر قیام شرط نہیں، قاعداً بھی جائز ہے، آگے وہ لکھتے ہیں: "روی عن عثمان انه کان یخطب قاعدا حین کبر واسن" اور شوکانی لکھتے ہیں: "اخرج ابن ابی شیبة عن طاؤس قال خطب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قائما وابوبکر وعمر وعثمان واول من جلس علی المنبر معاویة. وفی روایة منه ان معاویة انما خطب قاعدا لما کثر شحم بطنه ولحمه." (بذل: ١١٦/٥، باب الخطبة قائما)

یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب: یہاں پر دو مسئلے ہیں۔ اول یہ کہ دونوں خطبے واجب ہیں یا ایک؟ دوسرے یہ کہ جلوس بین الخطبتین کا کیا حکم ہے؟ سو جمہور علماء جس میں حنفیہ و مالکیہ بھی ہیں ان کے نزدیک واجب خطبہ واحدہ ہے، اور خطبۂ ثانیہ سنت، اور امام شافعیؒ وجوب الخطبتین کے قائل ہیں، اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور ان سے وجوب کی روایت ہے، (کما فی المغنی وغیرہ) تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

کیا خطبۂ جمعہ رکعتین کے قائم مقام ہے؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس لئے کہ جمعہ کی نماز میں جو قصر ہوا ہے بجائے چار رکعات کے دو پڑھی جاتی ہیں، تو یہ قصر خطبہ ہی کی وجہ سے ہے، گویا خطبہ رکعتین کا بدل ہے۔ (منہل)

حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے بھی مدوّنۃ الکبریٰ میں اسی کی تصریح کی ہے، اور کتب حنابلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں ایسا نہیں، چنانچہ درمختار میں ہے: **"وهل هى قائمة مقام ركعتين الاصح لا بل كشطرها فى الثواب"** اسی لئے حنفیہ کے نزدیک خطبہ جمعہ کے لئے وہ شرائط نہیں ہیں، جو نماز کے لئے ہیں، جیسے استقبال قبلہ طہارت وغیرہ، یہ مذاہب تو ائمہ اربعہ کے ہوئے، اور حسن بصری ابن حزم داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک خطبہ صرف مستحب ہے نہ شرط ہے، نہ واجب علامہ شوکانی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (منہل)

فقد و الله صليت معه اكثر من الفى صلوة: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں، جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے، وہ کاذب ہے، اس لئے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں، اس سے جمعہ کی نمازیں مراد نہیں، بلکہ مطلق فرض نمازیں مراد ہیں، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف مدنی زندگی میں جو کہ دس سال ہے، نماز جمعہ ادا فرمائی ہے، اور دس سال میں تقریباً چار سو اسی (۴۸۰) جمعہ آتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۵) (الدر المنضود)

بیٹھ کر خطبہ دینے پر نکیر

﴿۱۳۳۲﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا

تِجَارَةً اَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِماً۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۲۸۴، باب قوله تعالیٰ واذا رأو تجارة أو لهو، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۶۴۔

ترجمه: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے، عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ "واذا رأو الــخ" جب سامان بکتا ہوا یا کھیل تماشہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو منتشر ہوکر اس کی طرف چلے جاتے ہیں اور تم کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔

تشــریح: ایک موقعہ پر مدینہ میں سخت قحط پڑا، اشیاء کی قلت اور سخت گرانی سے لوگ پریشان تھے، اسی موقعہ پر ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، (پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے بعد ہی خطبہ دیتے تھے) کہ اچانک شام سے تجارتی قافلہ آ گیا، اور اس نے ڈھول تاشے سے اس کا اعلان شروع کردیا، بہت سے صحابہ اس خیال سے کہ نماز ہو چکی ہے، بازار کی طرف متوجہ ہو گئے، اور خطبہ کی اہمیت کو عدم علم کی بنا پر نظر انداز کر گئے، قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ان لوگوں کے اس لغزش کا ذکر اور اس کی مذمت ہے، اس آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہوکر دے رہے تھے، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کے اسی جز کو ذکر کرنے کے لئے آیت پڑھی، اور بتایا کہ جو شخص بیٹھ کر بلا عذر کے خطبہ دے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمول سے ثابت شدہ امر کے خلاف ورزی کر رہا ہے، جو کہ اس کے خبث باطن کی دلیل ہے۔

انظروا الی هذا الخبيث: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم

ہوا کہ جو شخص حرام کا ارتکاب کرے اس پر غصہ کرنا جائز ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی مواظبت فرمائی ہے، جو شخص بلا عذر کے اس سے اجتناب کرے وہ اس غضب کا مستحق ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۶،۲۳۵)

دوران خطبہ ہاتھوں کو حرکت دینے کی ممانعت

﴿۱۳۳۳﴾ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعاً يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۸۷، باب تخفیف الصلوۃ والخطبۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۴۔

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر رہا ہے، حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے، میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے بس اس طرح اشارہ فرمایا کرتے تھے، اس سے زیادہ نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

تشریح: رافعا یدیہ: یعنی بشر بن مروان دوران خطبہ اپنے ہاتھوں کو اس طرح بلند کر رہا تھا جس طرح واعظین لوگوں کے سامنے تقریر کے دوران ہاتھوں کو اوپر نیچے

کرتے ہیں۔(مرقاۃ:۲/۲۳۶)

و اشار باصبعه المسبحة: یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوقت خطبہ کبھی کبھی شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے، اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے اور اپنی باتوں کو غور سے سنانے کے لئے اس سے زیادہ نہ تو اپنے ہاتھ کو اٹھاتے اور نہ ہلاتے تھے، حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو شہادت کی انگلی سے اسی طرح اشارہ کر کے بتایا جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشارہ کیا کرتے تھے۔

منبر پر بیٹھنے کے وقت کلام

﴿۱۳۳۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ لَمَّا اسْتَوىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ فَجَلَسَ عَلىٰ بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۵۶، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بیٹھ جاؤ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سنا تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو ارشاد فرمایا: کہ اے عبداللہ بن مسعود آگے آجاؤ۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ خطیب منبر پر پہونچ کر بلکہ دوران خطبہ کلام کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ کلام امر بالمعروف کے قبیل سے ہے تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر امر بالمعروف کے قبیل سے نہیں ہے تو مکروہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منبر پر پہونچ کر کلام فرمانا امر بالمعروف کے قبیل سے تھا۔

اجلسو ا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر آئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز کے لئے نیت باندھتے جارہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: کہ بیٹھ جاؤ، دوران خطبہ تحیۃ المسجد کے جواز وعدم جواز سے متعلق تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال اطاعت

فجلس علی باب المسجد: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ تھے جو مسجد کے اندر کھڑے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے باہر تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر کے مخاطب نہیں تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت گذاری میں ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم کانوں میں آنے کے بعد لمحہ بھر کے لئے بھی کھڑے رہیں، چنانچہ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، یعنی دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔

فضیلت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعال یا عبد اللہ بن مسعود: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

مخصوص خطاب کے ذریعہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کو مسجد کے اندر آنے کا حکم فرمایا، یہ اندازِ خطاب فضل وکمال کو ظاہر کرتا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خصوصی تعلق تھا، ایک موقعہ پر فرمایا: "رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد" ابن ام عبد! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی خصوصیت کی بنا پر ہمارے امام اعظمؒ حضرات خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر صحابہ کے اقوال پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۷، التعلیق: ۲/۱۵۲)

نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھنے کا حکم

﴿۱۳۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْیُصَلِّ اِلَیْهَا اُخْرٰی وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّهْرَ۔

(رواه الدار قطنی)

حوالہ: سنن دار قطنی: ۲/۸، باب فیمن یدرک فی الجمعة رکعة او لم یدرکها، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ جو شخص نمازِ جمعہ کی ایک رکعت پائے تو اس کو چاہئے کہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالے اور جس شخص کی دونوں رکعتیں فوت ہوگئیں وہ چار رکعت نماز پڑھے۔" یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ ظہر کی

نماز پڑھے۔

تشــریــح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا خلیفہ ظہر ہے، جمعہ کی نماز فوت ہونے کی صورت میں ظہر کی نماز ادا کی جائے۔

ومن فاتته الرکعتان فلیصل اربعا: مطلب یہ ہے کہ جس کی بالکلیہ جمعہ کی نماز چھوٹ جائے، یعنی اس کو نماز کا کوئی جز نہ ملے تو وہ جمعہ کی قضا کے طور پر ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

دوسری رکعت میں رکوع کے بعد پہونچنے والا نماز جمعہ میں شامل ہو یا ظہر کی چار رکعت پڑھے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک سلام پھیرنے سے قبل بھی اگر کوئی پہونچ جائے تو وہ جمعہ کی نماز میں شریک ہو گیا۔ حدیث باب کی وضاحت امام صاحب کے مذہب کے اعتبار سے کی گئی ہے، بقیہ ائمہ کے نزدیک رکعت ثانیہ فوت ہو جائے تو ظہر پڑھنے کا حکم ہے، تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

باب صلوۃ الخوف

خوف کی نماز کا بیان

رقم الحدیث: ۱۳۳۶/تا ۱۳۴۱۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوۃ الخوف

(خوف کی نماز کا بیان)

صلوۃ الخوف یعنی نماز خوف کی تعریف: دشمن کافر کے مقابلہ کے وقت یا کوئی دوسرا سخت خطرہ سامنے ہو تو اس وقت جو فرض نماز ادا کرنے کا شریعت نے خاص طریقہ بتایا ہے اس کو ''صلوۃ الخوف'' کہتے ہیں۔

صلوۃ الخوف کی مشروعیت

صلوۃ الخوف کی مشروعیت کب ہوئی، اس میں کئی قول ہیں، مثلاً بعض کا قول ہے کہ ۴ھ میں ہوئی، بعض نے کہا ۵ھ میں، بعض نے ۶ھ اور بعض نے ۷ھ کہا ہے، جمہور کا قول پہلا ہے۔ (معارف السنن: ۵/۳۶)

صلوۃ الخوف کی مشروعیت کیا باقی ہے؟

صلوۃ الخوف کی مشروعیت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی، یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی اس کی مشروعیت باقی ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور سلف

کے نزدیک اس کی مشروعیت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی باقی ہے، امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ صلوۃ الخوف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی، اب اس کی مشروعیت باقی نہیں، لہٰذا اب اگر ایسی صورت ہو تو فوج کے دو یا زیادہ حصے کر لئے جائیں، اور ہر فریق کو الگ امام پوری نماز پڑھائے، لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور سلف کے نزدیک اس کی مشروعیت باقی ہے، امام ابو یوسفؒ کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں صلوۃ الخوف کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے یہ قید لگائی گئی ہے: "اذا کنت فیھم" معلوم ہوا صلوۃ الخوف اس وقت مشروع ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں اتفاقی ہے، اس کا قرینہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں اس انداز سے نماز خوف پڑھی جاتی رہی ہے۔ (معارف السنن: ۵/۳۷، مرقاۃ: ۲/۲۳۸)

صلوۃ الخوف کی شرط

عند الاحناف صلوۃ الخوف کے جائز ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ دونوں جماعتیں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر بضد ہوں، کسی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر رضامند نہ ہوں، ورنہ تو اصل یہی ہے کہ ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔ (اوجز المسالک: ۴/۱۹)

صلوۃ الخوف کی تفصیل

صلوۃ الخوف کے احادیث سے مختلف طریقے ثابت ہیں، امام ابو داؤد نے آٹھ طریقے ذکر کئے ہیں، ابن حبان نے نو ذکر کئے ہیں، ابن حزم نے ایک مستقل جزو میں چودہ

طریقے جمع کئے ہیں، بعض نے سولہ سترہ تک بیان کئے ہیں، بعض طریقوں میں تقارب کی وجہ سے تداخل بھی ہوسکتا ہے۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ جتنے طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صلوۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے، وہ سب جائز ہیں، البتہ بعض احادیث میں ایسے جملے ہیں جو بظاہر قواعد اسلامیہ کے مخالف ہیں ان کی مناسب توجیہ کی ضرورت ہوگی۔

ان مختلف طریقوں میں سے راجح کونسا طریقہ ہے؟ بعض سلف کی رائے ہوئی ہے کہ سب طریقے برابر ہیں، لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور نے بعض طریقوں کو ترجیح بھی دی ہے، حنفیہ نے اس طریقہ کو ترجیح دی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سمجھ میں آ رہا ہے، اس کی وضاحت حنفیہ کے عام متون وشروح میں اس طرح سے کی گئی ہے کہ امام قوم کو دو حصوں میں تقسیم کرے، ایک فریق محاذ پر لڑتا رہے، اور ایک فریق امام کے ساتھ نماز شروع کردے، امام اس پہلے فریق کو دو رکعت یا ایک رکعت حسب موقعہ پڑھائے، اگر نماز چار یا تین رکعتوں والی ہو تو دو، اور دو رکعت والی ہو تو ایک رکعت پڑھائے، جب پہلی یا دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کرچکے تو یہ طائفہ محاذ پر چلا جائے اور دوسرا طائفہ امام کے ساتھ آکر شریک ہوجائے، جب امام نماز پوری کرچکے تو یہ طائفہ ثانیہ محاذ پر چلا جائے اور طائفہ اولیٰ آکر بقیہ نماز لاحق کی طرح اداء کرے، پھر طائفہ اولیٰ دشمن کے سامنے چلا جائے اور طائفہ ثانیہ آکر اپنی بقیہ نماز مسبوق کی طرح پوری کرے، اس طریقہ میں اگرچہ ایاب وذہاب زیادہ لازم آتا ہے، لیکن اس میں نہ تو قلب موضوع لازم آتا ہے، کہ امام کو مقتدیوں کے فراغ کا انتظار کرنا پڑے اور نہ ہی ترتیب بدلتی ہے کہ طائفہ ثانیہ اولیٰ سے پہلے فارغ ہوجائے۔

بعض شروح حنفیہ میں اس طریقہ کی وضاحت اور طرح سے کی گئی ہے، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ طائفہ ثانیہ اسی وقت اپنی نماز پوری کرلے جب امام نماز سے فارغ ہو یہ اپنی نماز پوری کرکے دشمن کے سامنے جائیں، پھر طائفہ اولیٰ آکر اپنی نماز پوری کرے، اس طریقہ میں

دوسرے طائفہ کا چلنا کم پڑتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے اس طریقہ کو ترجیح دی ہے جو حضرت سہل بن حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ امام طائفہ اولیٰ کو ایک یا دو رکعت حسب موقعہ پڑھائے گا، پھر امام ذرا توقف کرے گا اتنے میں طائفہ اولیٰ اپنی نماز پوری کر کے چلا جائے گا، اور طائفہ ثانیہ آجائے گا یہ امام کے ساتھ بقیہ دو یا ایک رکعت پڑھے گا، سلام سے پہلے ذرا توقف کرے گا طائفہ ثانیہ اپنی نماز پوری کر لے گا تو امام سلام پھیرے گا امام مالکؒ پہلے سلام کے لئے امام کے توقف کے قائل نہیں تھے، پھر اس سے رجوع کر لیا اور توقف کے قائل ہو گئے، اس طریقہ میں ذہاب وایاب کے لئے زیادہ چلنا تو نہیں پڑتا، لیکن قلب موضوع لازم آتا ہے، ایک تو امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے، دوسرے مقتدیوں کا طائفہ اولیٰ امام سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے، یہ دونوں باتیں خلاف وضع ہیں، مقتدیوں کو امام کے تابع ہونا چاہئے، امام کو مقتدیوں کے تابع نہیں ہونا چاہئے، بہر کیف ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی خرابی موجود ہے، ہر مجتہد نے اپنے اجتہاد سے کسی ایک کو ترجیح دے دی ہے، ان طریقوں میں سے اوفق بالقرآن کونسا طریقہ ہے اس میں بھی ہر فریق کا خیال ہے کہ ہمارا طریقہ ظاہر قرآن کے زیادہ موافق ہے، مفسرین وغیرہ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۵۲) (اشرف التوضیح)

﴿الفصل الاول﴾

صلوة الخوف کا مسنون طریقہ

﴿۱۳۳۶﴾ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ

غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَاَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوَى نَافِعٌ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالاً قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ اَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَااُرٰى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱۲۸/۱، باب صلوۃ الخوف، کتاب الخوف، حدیث نمبر:۹۴۲۔

حل لغات: غزوت غزا (ن) غزوۃ، جنگ کرنا،فوازینا وازی موازۃ باب مفاعلت سے، برابر ہونا، مقابل ہونا، سامنے ہونا، العدو ج:اعداء دشمن۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب غزوہ کیا، ہم دشمن کے مقابل ہوئے، اوران کے سامنے صف بندی کی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کونماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہوئی، اورایک جماعت دشمن کے مقابل رہی، اورحضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ جو

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک تھے، ایک رکوع اور دو سجدے کئے، پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ پر واپس آ گئی، جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی، تو وہ لوگ آ گئے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا، پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا، اور علاحدہ علاحدہ اپنا ایک رکوع اور دو سجدے کئے، اور نافعؒ نے اسی کے مانند روایت نقل کی ہے، اور مزید بیان کیا اگر خوف زیادہ ہو تو نماز پڑھو پیادہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر یا سوار رہ کر قبلہ کی طرف رخ کئے ہو، یا نہ کئے ہو، نافعؒ نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے روایت کیا ہے۔

تشریح: قبل نجد: نجد کے معنی وہ حصہ جو زمین سے بلند ہو، اس حدیث میں نجد سے مراد نجد حجاز ہے نہ کہ نجد یمن، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاد عرب کا وہ بلند حصہ جو تہامہ سے لیکر عراق تک ہے نجد کہلاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۸)

فقام رسول اللہ ﷺ یصلی لنا: حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوا اور نماز کا وقت ہو گیا، تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعت ہو گئیں، ایک جماعت تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئی، پہلی جماعت نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رکعت نماز مکمل کر لی تو وہ دوسری جماعت کی جگہ دشمن کے مقابلہ میں چلی گئی، اور دوسری جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رکعت نماز مکمل پڑھی، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، سلام کے بعد یہ دوسری جماعت کھڑی ہوئی اور اس نے بچی ہوئی اور ایک رکعت پڑھی، اس حدیث میں اتنا ہی مذکور ہے جب کہ اس کی تفصیل مرقاۃ میں

ملا علی قاریؒ نے بعض شراح حدیث سے یہ ذکر کی ہے کہ دوسری جماعت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلی گئی، اور پہلی جماعت جس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی تھی، اس جگہ پر آئی اور تنہا تنہا باقی نماز پڑھ کر سلام پھیرا اور دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑی ہوئی، پھر دوسری جماعت آئی اور اس نے باقی ماندہ نماز تنہا تنہا پڑھ کر سلام پھیرا۔

علامہ ابن ملک فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے صلوۃ خوف کا یہی طریقہ بیان کیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے اس کو معمول بہ بنایا ہے، لیکن حدیث باب مذکورہ طریقہ پر وضاحت کے ساتھ دالالت نہیں کرتی ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حنفیہ کے مختار طریقہ کو جو اوپر تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا صراحت کے ساتھ ثابت نہیں کرتی، لیکن اس طریقہ کے بعض حصہ کو یقیناً ثابت کرتی ہے، اور وہ ہے پہلی جماعت کا ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جانا اور دوسری جماعت کا امام کے پیچھے آ کر اپنی نماز مکمل کرنا ہے، اس پورے مختار طریقہ کے ثابت ہونے کی تفصیل تو اس کا ثبوت ایک دوسری روایت سے ہوتا ہے، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطور موقوف منقول ہے، اور چونکہ اس مسئلہ میں عقل اور راوی کو دخل نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث حکم میں مرفوع کے درجہ میں ہے، اس لئے اس سے استدلال درست ہے، واضح رہے کہ حنفیہ کے نزدیک مختار طریقہ کے مطابق پہلی جماعت اپنی بقیہ نماز لاحق کی طرح بلا قرأت کے پڑھے گی، اور دوسری جماعت مسبوق کی طرح قرأت کے ساتھ نماز پڑھے گی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ امام مسافر ہو یا فرض کی دو رکعت ہو، جیسے فجر کی نماز اگر امام مقیم ہو اور چار رکعت والی نماز ہو تو امام پہلی جماعت اور دوسری جماعت کے ساتھ دو دو رکعت پڑھے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلی جماعت کے ساتھ دو رکعت اور دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۳۹)

صلوا رجالا قیاما علی اقدامهم: کا حاصل یہ ہے کہ اگر دشمن سے خطرہ اس قدر شدید ہو جائے کہ رکوع اور سجدہ کے ادا کرنے پر بھی قادر نہ ہو تو ایسی سخت مجبوری کی حالت میں رکوع اور سجدہ کو ترک کردے اور اشارہ ہی سے تنہا تنہا نماز پڑھ لے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۰)

قال نافع لا اری ابن عمر: کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے "فان کان خوف الخ" سے جو آگے تفصیل بیان کی ہے وہ ضرور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر بیان کی ہوگی، اس لئے کہ اس مسئلہ میں عقل و اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ بیان حکماً مرفوع کے درجہ میں ہوگا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۰)

صلوۃ الخوف کی ادائیگی کا طریقہ اور اختلاف ائمہ

حنفیہ کا طریقہ: فوج کے دو حصے کر لئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابلہ پر رہے، اور دوسرے حصہ کو امام اگر مسافر ہے تو ایک رکعت اور مقیم ہے تو دو رکعتیں پڑھائے، پھر یہ جماعت دشمن کے مقابلہ پر چلی جائے، اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل ہے، آکر صف بنائے اور نماز شروع کرے، پھر امام اس کو مسافر ہونے کی حالت میں ایک رکعت اور مقیم ہونے کی حالت میں دو رکعت پڑھائے، پھر امام سلام پھر دے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ جماعت بغیر سلام پھیرے دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت واپس آئے، اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی قرأت کے بغیر ایک یا دو رکعت نماز پڑھ کر پوری کرے، پھر وہ دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے، اور پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح یعنی قرأت کے ساتھ نماز پوری

کرے اور سلام پھیرے، یہی طریقہ حدیث سے ثابت ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا طریقہ: امام پہلی جماعت کو ایک یا دو رکعت پڑھائے، پھر وہ جماعت باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پورے کر کے دشمن کے مقابلہ میں جائے، اور امام اس درمیان دوسری جماعت کا انتظار کرتا رہے، جب دوسری جماعت آ کر صف بنا لے تو امام ایک رکعت یا دو رکعت پڑھا کر سلام پھیرے اور یہ جماعت مسبوق کی طرح اپنی نماز پوری کر لے، ائمہ ثلاثہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت سے ثابت ہے، یہ روایت ترمذی میں ہے، ائمہ ثلاثہ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں نقل و حرکت نہیں ہوتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

طریقۂ حنفیہ کی وجہ ترجیح: (۱)......امام ابوحنیفہؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قرآن مجید کی آیت "فاذا سجد وا فلیکونوا من ورائکم الخ" کے مطابق ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت اولیٰ سجدہ کرتے ہی واپس چلی جائے۔

(۲)......شوافع نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس میں قلب موضوع لازم آتا ہے، کیونکہ اس میں امام کو مقتدی کے تابع ہو کر ان کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

(۳)......ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اعلیٰ درجہ کی ہے، اس میں سند و متن کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، جب کہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں سند و متن کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

فان کان خوف هو اشد: اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر دشمن کی جانب سے خطرہ شدید ہو اور جماعت سے نماز پڑھنے میں ضرر کا اندیشہ ہو تو تنہا تنہا نماز پڑھی جائے، رکوع وسجدے کا موقعہ نہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار رہ کر بغیر رکوع وسجدہ کئے اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے۔ (التعلیق: ۱۵۲/۱۵۳/۲)

صلوۃ الخوف کا دوسرا طریقہ

﴿۱۳۳۷﴾ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلٰوةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِماً وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِيْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِساً وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ۔ (متفق عليه) وَاَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۵۹۲، باب غزوۃ الرقاع، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۲۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۹، باب صلوۃ الخوف، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۴۲۔

ترجمہ: حضرت یزید بن رومانؒ حضرت صالحؒ بن خوات سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ ذات الرقاع میں حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی، ایک جماعت نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صف باندھی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے میں رہی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جماعت کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے تھی ایک رکعت نماز پڑھی اور آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے رہے اس دوران آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ایک رکعت ادا کرنے والی جماعت نے اپنی نماز خود پوری کی، پھر یہ جماعت وہاں سے ہٹ کر دشمن کے سامنے صف بستہ ہوگئی، اور دوسری جماعت آ گئی، پھر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اپنی دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی، پڑھی، پھر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھے رہے، اور دوسری جماعت نے اپنی نماز پوری کی، پھر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جماعت کے ساتھ سلام پھیرا۔ (بخاری و مسلم) بخاری نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جو کہ یوں ہے **"عن القاسم عن صالح بن خوات، عن سهل بن ابی حثمة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم."**

تشریح: یوم ذات الرقاع: اس غزوہ کو غزوۂ ذات الرقاع نام رکھنے کی متعدد وجہیں علماء نے بیان کی ہیں۔

(۱)...... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سواری کی کمی کی وجہ سے پیدل بہت زیادہ چلے، جس کی وجہ سے پاؤں گھس گئے، اور ناخن اکھڑنے لگے، تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے باندھ لئے، اس لئے اس کا ذات الرقاع نام پڑا۔

(۲)...... یا کہ جس زمین میں یہ غزوہ ہوا وہاں کی زمین مختلف رنگ کی تھی، بعض سیاہ بعض سفید اس لئے اس کا نام ذات الرقاع پڑا۔

(۳)...... یا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھنڈے مختلف رنگ کے کپڑوں کے تھے، اس لئے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

(۴)...... وہاں ایک پہاڑ تھا جس کے پتھر مختلف رنگ کے تھے، اور اس کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا، اس وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع ہوگیا۔

(۵)...... وہاں ایک درخت تھا جس کا نام ذات الرقاع تھا، اس کے نیچے قیام ہوا، اس لئے

اس غزوہ کا نام ذات الرقاع ہوگیا۔ (اوجز المسالک:۲۱/۴، مرقاۃ: ۲/۲۴۰، التعلیق:۲/۱۵۶)

اس کا وقوع ۵ھ میں ہوا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۰، التعلیق:۲/۱۵۶)

غزوہ ذات الرقاع میں بہت اختلاف ہے، لیکن بقول امام بخاریؒ ۷ھ میں خیبر کے بعد پیش آیا۔

صلوۃ الخوف کے متعدد طریقے جو احادیث میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا اور یہ طریقہ ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک افضل اور پسندیدہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک جماعت کے ساتھ امام ایک رکعت پڑھا کر خاموش کھڑا رہے، اور یہ جماعت اولی اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑی ہو اور دوسری جماعت امام کے پیچھے آ کر صف لگائے اور امام اس دوسری جماعت کے ساتھ اپنی دوسری رکعت پڑھ کر قعدہ میں اتنی دیر انتظار کرے کہ دوسری جماعت اپنی دوسری رکعت خود ادا کر لے اور اب دوسری جماعت امام کے قعدہ میں شریک ہو جائے، پھر امام ان کو لیکر سلام پھیر دے، جمہور کے اس طریقہ کے مطابق کئی قلب موضوع چیزیں لازم آتی ہیں۔

(۱)......حدیث میں ہے کہ "اذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا" کہ امام کے رکوع اور سجود کے بعد مقتدی کو رکوع اور سجود کرنے کا حکم ہے، جو حنفیہ کے مختار طریقہ میں پایا جاتا ہے، لیکن جمہور کا جو مذہب ہے کہ پہلی جماعت دوسری رکعت امام سے پہلے پڑھے یہ اس حدیث کے مخالف ہے۔

(۲)......حدیث میں ہے: "لاتبادرونی بالرکوع والسجود" کہ مجھ سے پہلے رکوع وسجود نہ کرو، یعنی امام سے جمہور کے مذہب کے مطابق اس حدیث کے خلاف امام

سے پہلے رکوع وسجود لازم آرہا ہے، اس لئے حنفیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دی ہے، کہ اس کے اختیار کرنے میں قلب موضوع بھی لازم نہیں آتا، بلکہ آیت قرآنی کے زیادہ مناسب یہی طریقہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۱)

ذات الرقاع میں صلوٰۃ الخوف اور ایک اہم واقعہ

﴿۱۳۳۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنٰهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۵۹۳، باب غزوۃ الرقاع، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۳۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۷۹، باب صلوۃ الخوف، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۴۳۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع میں پہنچے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سایہ دار درخت کے پاس آئے تو ہم نے اس کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے چھوڑ دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مشرک اس عالم میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی، چنانچہ اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار لی، اس کو میان سے کھینچا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ کیا مجھ سے ڈرتے ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نہیں، اس نے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تم سے اللہ تعالیٰ بچائیں گے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ڈرایا، چنانچہ اس نے تلوار میان میں ڈال دی اور اس کو لٹکا دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر نماز کے لئے اذان دی گئی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر یہ جماعت پیچھے ہوگئی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی، راوی کہتے ہیں کہ چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار رکعت ہوگئی، اور لوگوں کی دو رکعتیں ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے یہودی کا تلوار اٹھانا

تشریح: اذا اتینا علی شجرة ظلیلة: اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ذات الرقاع کے موقعہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمارہے تھے، ایک مشرک جس کا نام غورث بن حارث تھا، اس نے موقعہ غنیمت جان کر

آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار جو درخت سے لٹکی ہوئی تھی لے لی اور آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حملہ کے ارادہ سے کہنے لگا بتاؤ اے محمد! تم کو اب مجھ سے کون بچائے گا، لیکن اس مشرک کے اس سوال سے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذرا بھی نہ گھبرائے اور نہایت ہی بے باکی سے جواب دیا اللہ تعالیٰ!۔ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر وہ گھبرا گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ جب مشرک نے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برا ارادہ کیا تو اس کی پیٹھ میں سخت درد ہوا اور تلوار اسکے ہاتھ سے گر گئی، اور اس نے اسلام قبول کرلیا اور ایک خلق کثیر نے اس کے ذریعہ ہدایت پائی۔ (مرقاۃ:۲/۲۴۱)

اشکال مع جواب

علامہ مظہریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار رکعت پڑھی، اور قوم نے دو رکعت پڑھی تو یہ حدیث ماقبل میں گذری ہوئی حدیث کے مخالف ہے، حالانکہ دونوں ایک ہی غزوہ کا واقعہ ہے، اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے نام سے دو غزوے ہوئے ہیں، اس لئے یہ اختلاف ہوا کہ ایک موقعہ پر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسافر تھے، اور دوسرے موقعہ پر آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقیم تھے، مسافر ہونے کے وقت آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوم کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی، اور پھر ایک ایک رکعت قوم نے تنہا ادا کی۔ اور مقیم ہونے کے وقت آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوم کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر قوم نے تنہا دو رکعت پڑھ کر چار رکعت مکمل کی۔ یا یہ کہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں موقعوں پر مسافر ہوں لیکن ایک موقعہ تو آیت قصر کے نزول سے پہلے کا ہو، اور دوسرا موقعہ آیت نزول کے بعد کا۔ ایک توجیہ ملا علی قاریؒ نے یہ کی ہے کہ حدیث "فصلی بطائفة رکعتین ثم تأخروا

وصلی بالطائفة الاخری رکعتین" سے مراد رباعیہ ہی ہے، لیکن بعد الرکعتین جو سلام کا ذکر ہے، اس سے نماز کو ختم کرنے والا سلام مراد نہیں ہے، بلکہ دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا مراد ہے، کیونکہ اس میں بھی سلام ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۵٦، مرقاة: ۲/۲٤۲)

فکانت لرسول الله ﷺ اربع رکعات وللقوم رکعتان:

یہ حدیث احناف کے لئے مشکل ہوگئی، کیونکہ اگر یہ حضر میں ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار رکعات تو ٹھیک ہیں، لیکن قوم کی دو رکعت کیسی ہوئی۔

اور اگر سفر میں ہے تو قوم کی دو رکعت تو ٹھیک ہیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار رکعات کیسے ہوئیں، کیونکہ احناف کے نزدیک سفر میں اتمام مکروہ ہے، اور اگر ہر ایک گروہ کو الگ الگ کر کے دو دو کر کے پڑھائیں دوسری نماز آپ کی نفل ہوگی، اور متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء احناف کے نزدیک جائز نہیں۔

شوافع کے نزدیک کوئی مشکل نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک سفر میں اتمام عزیمت ہے، نیز متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء صحیح ہے۔

احناف کی طرف سے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ نماز حضر میں تھی، اور للقوم رکعتان کے معنی مع الامام یعنی امام کے ساتھ دو رکعت ہوئی، اور تنہا تنہا دو رکعت، اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ یہ نماز سفر میں تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دو کر کے ہر ایک گروہ کے ساتھ دو مرتبہ نماز پڑھائی، اور یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ ایک نماز بنیت فرض دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا، لہٰذا اقتداء المفترض خلف المتنفل لازم نہیں آئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو ہی رکعت پڑھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنی دیر ٹھہرے تھے، جتنی دیر چار رکعات میں ٹھہرتے تھے، تو یہاں اربع رکعات کی تعبیر علی الوجہ الحقیقت نہیں بلکہ علی وجہ المقدار ہے، لہٰذا

کوئی اشکال نہیں۔ (درس مشکوۃ)

صلوۃ الخوف کا ایک اور طریقہ

﴿۱۳۳۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعاً ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعاً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعاً ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعاً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعاً ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّراً فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ اِنْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۷۸، باب صلوۃ الخوف، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۹۴۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلوۃ الخوف اس طور پر پڑھائی کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے دو صفیں بنالیں، اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کہی، اور ہم سب نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع فرمایا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ کے لئے جھکے، اور وہ صف سجدہ میں گئی جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھی، اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں رہی، جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے سے فارغ ہو گئے، اور آپ کے قریب والی بھی صف کھڑی ہوگئی، تو پچھلی صف سجدے کے لئے جھکی، پھر وہ کھڑے ہوئے، اس کے بعد پچھلی صف والے آگے آ گئے، اور اگلی صف والے پیچھے ہونے لگے، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا، اور ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے کے لئے جھکے اور وہ صف بھی سجدہ میں گئی جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھی، جو کہ پہلی رکعت میں پیچھے تھی، اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں رہی، پھر جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ سے فارغ ہو گئے، اور وہ صف بھی سجدہ کر چکی جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب تھی، تو پچھلی صف سجدہ کے لئے جھکی اور انہوں نے بھی سجدہ مکمل کرلیا، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ صلوۃ الخوف ادا کی ہے، اور مختلف طریقوں سے ادا کی ہے، جب جیسے حالات ہوئے اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوۃ الخوف ادا کی، اس روایت میں جو طریقہ ہے اس میں تمام لوگوں

نے نماز ایک ساتھ ادا کی، صرف سجدہ کے وقت ایک جماعت سجدہ میں گئی، اور دوسری دشمن کے مقابلہ میں رہی، اس طور پر جماعت ادا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ دشمن قبلہ کی طرف ہی تھا، لہٰذا عین نماز کے عالم میں بھی وہ سامنے تھا، لہٰذا جماعت الگ الگ کرنے کی ضرورت نہ تھی، البتہ سجدہ کی حالت میں حملہ کا اندیشہ تھا، لہٰذا سجدہ کے وقت ایک جماعت سجدے میں جاتی اور دوسری دشمن پر نظر رکھتی۔

صلی بنا رسول اللہ ﷺ صلوۃ الخوف: حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں صلوۃ الخوف پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار مواقع پر صلوۃ الخوف پڑھی ہے۔

(۱)......ذات الرقاع۔

(۲)......بطن نخل۔

(۳)......ذی قرد۔

(۴)......عسفان۔

اور ایک ایک جگہ پر کئی کئی نمازیں مختلف طریقوں سے پڑھائی ہیں، اسی وجہ سے بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ۲۴ طریقوں پر صلوۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے، اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو صلوۃ الخوف پڑھی وہ عسفان کے مقام پر پڑھی ہے، طریقۂ نماز ترجمہ سے واضح ہے۔(مرقاۃ: ۲۴۳، ۲/۲۴۴)

الفصل الثانی

ظہر کے وقت صلوۃ الخوف

{۱۳۴۰} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی

اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلوٰةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَةٌ أُخْرىٰ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ فی شرح السنة)

حوالہ: شرح السنة للبغوی: ۳/۱۶۰، باب من قال تقوم الطائفة الاولیٰ الخ، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۰۹۴۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطن نخل میں خوف کی بنا پر ظہر کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا، پھر دوسری جماعت آئی اس کو دو رکعت پڑھائی اور سلام پھیرا۔

تشریح: فصلی بطائفة رکعتین: اس حدیث میں صلوۃ الخوف کا ایک اور طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لشکر کے دو حصے کر کے ہر حصے کو باری باری سے پوری نماز پڑھائی اور ہر حصے کے ساتھ دو دو رکعت پر سلام بھی پھیرا۔ (مرقاۃ:۲/۲۴۴)

اس حدیث میں جو طریقہ مذکور ہے، یا تو یہ اس وقت کا ہے جبکہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح تھی، یا اس وقت کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسافر نہ تھے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار رکعت پڑھیں، اور دوسرے لوگوں نے دو دو رکعت۔ یا یہ صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متنفل کے پیچھے دوسرے مفترضین کی نماز درست تھی، یا یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ تکرار فرض صحیح تھا۔ (مرقاۃ:۲/۲۴۴، التعلیق:۲/۱۵۷)

﴿الفصل الثالث﴾

صلوۃ الخوف کی ابتداء

﴿۱۳۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِهٰؤُلَآءِ صَلٰوةٌ هِیَ اَحَبُّ اِلَیْهِمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَبْنَائِهِمْ وَهِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْهِمْ مَیْلَةً وَاحِدَةً وَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَّقْسِمَ اَصْحَابَهٗ شَطْرَیْنِ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَائِفَةٌ اُخْرٰی وَرَائَهُمْ وَلْیَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُوْنُ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۳/ ۲، باب ومن سورۃ النساء، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۰۳۵۔ نسائی شریف: ۱۷۵/ ۱، کتاب صلوۃ الخوف، حدیث نمبر: ۱۵۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرکین نے آپس میں کہا کہ ان مسلمانوں کی ایک نماز ہے، جو ان کو اپنے باپوں اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، اور وہ نماز عصر ہے، تو تم اپنے مقصد کے لئے تیار رہو، اور ان پر ایک دم سے ٹوٹ پڑو، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے

یہ حکم دیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو دو جماعتوں میں تقسیم کردیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں ایک جماعت کو نماز پڑھائیں، اور دوسری جماعت ان کے پیچھے کھڑی رہے، اور یہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، تو ان کے لئے ایک ایک رکعت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو رکعت ہوں گی۔

تشــریح: **"ضجنان"** ایک پہاڑ یا موضع کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے۔(طیبی) ابن حجرؒ نے کہا: یہ ایک موضع یا پہاڑ ہے عسفان کے قریب۔ اور عسفان بھی ایک موضع کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے دو منزل پر واقع ہے، اس کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے ۱۰۳؍ کلومیٹر ہے۔(جزیرۃ العرب)

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مذکورہ مقام پر اترے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز با جماعت ادا کی تو مشرکین کو بہت افسوس ہوا کہ اگر اسی وقت نماز کی حالت میں حملہ کردیتے تو مسلمانوں کی غفلت سے ہمیں فائدہ پہونچتا، ہم نے اس اہم موقعہ کو گنوادیا، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ابھی عصر کی نماز میں ہم یہ کارروائی کریں گے، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی سازش کی اطلاع دی، اور صلوۃ الخوف پڑھنے کی تلقین کی، صلوۃ الخوف کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک جماعت نماز پڑھے، اور دوسری جماعت حفاظت پر مامور رہے، اور دشمن کے حملہ کا دفاع کرے، چنانچہ دشمنان دین اپنے منصوبوں میں ناکام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک رکعت دونوں جماعتوں کو پڑھائی، اور ایک ایک رکعت انہوں نے تنہا تنہا ادا کی۔
(مرقاۃ: ۱۴۴/۱۴۵/۲)

باب صلوة العيدين

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کا بیان

رقم الحدیث: ۱۳۴۲ تا ۱۳۶۸۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوۃ العیدین

(عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کا بیان)

عیدین سے مراد عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہے۔

وجہ تسمیہ

"عید" عَوْد سے ماخوذ ہے، دراصل عِوْدٌ تھا، قاعدہ اعلال واؤ ساکن ماقبل مکسور پائے جانے کی وجہ سے عید ہو گیا، بعض تو وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ عَوْد سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ دن ہر سال خوشی اور مسرت کو لے کر لوٹتا ہے، اس لئے عید کہتے ہیں۔

اور مسرت و خوشی کس بات کی ہے؟ وہ تکمیل صیام اور مغفرتِ ذنوب اور جہنم سے خلاصی کی ہے، اس لئے کہ عیدالفطر رمضان المبارک کے بعد کا پہلا دن ہے، اور ماہ رمضان میں گناہوں کی معافی اور جہنم سے خلاصی کا ہونا بکثرت روایات سے ثابت ہے، اور عیدالاضحیٰ کا دن یوم عرفہ کے بعد آتا ہے، اور یوم عرفہ افضل الایام ہے، اس میں لاکھوں انسان حج جیسی عظیم عبادت کرتے ہیں، اس میں بھی بکثرت گناہ معاف ہوتے ہیں، اور جہنم سے خلاصی ہوتی ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ عید کے دن کی خوشی اسی شخص کے لئے ہے جس نے رمضان المبارک کی قدردانی کر کے اپنے گناہوں سے معافی کا پروانہ حاصل کر لیا ہو، "لا

لمن لبس الجدید و اکل الثرید" نیز کہا گیا ہے کہ عید کا یہ تسمیہ عائدہ سے ماخوذ ہے، بمعنی فائدہ وانعام، اس دن چونکہ عوائد (انعامات الٰہیہ) کی کثرت ہوتی ہے، اس بناء پر اس کو عید کہا جاتا ہے۔

عید الفطر کی نماز ۲ھ میں مشروع ہوئی اور اسی سنہ کے ماہ شعبان میں صوم کی فرضیت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۵) (الدر المنضود)

عیدین کی مشروعیت

ہر قوم اور ہر فرقہ چند دنوں کا انتخاب کر کے ان میں خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں، اور ان میں وہ عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں، لذیذ کھانے کھاتے ہیں، گویا کہ خوشی ومسرت کے اظہار کیلئے دن کی تعیین یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، لیکن خوشی کے دن میں اظہار مسرت کے ساتھ ہر قوم کا تہوار اپنی تاریخ وروایات اور اپنے عقائد وتصورات کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے، اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں اہل مدینہ بھی دو عید مناتے تھے، اس میں ہر طرح کی جاہلی رسوم شامل تھیں، ان میں ایک نیروز اور دوسرے مہرجان کا تہوار تھا۔ (التعلیق: ۲/۱۵۸)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی خوشی ومسرت کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسرے دو دن تجویز فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دو دن تمہارے لئے ان سے بہتر ہیں، اور یہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ (مشکوۃ)

یہ دو دن صرف تہوار نہیں بلکہ عبادت کے ایام بھی ہیں، اور ان سے ملت ابراہیمی کے شعائر کی تشہیر بھی ہوتی ہے، ان دونوں میں زیبائش کے ساتھ دوگانہ عید ادا کرنے کا حکم کیا، اور دیگر عبادتیں شامل کیں، تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض تفریحی ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نام کا بول بالا ہو اور دین اسلام کا فروغ ہو۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

دنوں کی تعیین میں حکمت

عید الفطر کے لئے یکم شوال کی تعیین دو وجہوں سے ہے۔

(۱)......اس دن رمضان کے روزے چھوڑے جاتے ہیں۔

(۲)......اس دن صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے۔

یہ دونوں باتیں ہی خوشی و مسرت کی ہیں، طبعی خوشی بھی ہے، اور عقلی خوشی بھی ہوتی ہے، طبعی خوشی تو یہ ہے کہ روزے جیسے اہم کام سے فراغت نصیب ہوگئی، اور عقلی خوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی توفیق بخشی، اہل و عیال کو سلامت رکھا، اسی کی خوشی میں اپنا اور اپنے اہل و عیال کا صدقہ ادا کیا جاتا ہے۔

عید الاضحیٰ وہ دن ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد وابستہ ہے، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کا عزم مصمم کرلیا تھا، اس عید سے ملت حقیقی کے دونوں پیشواؤں کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور ان کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اطاعت و رضامندی کے لئے جان و مال قربان کرنے سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹنا چاہئے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

صلوۃ عیدین کا حکم

صلوۃ العیدین عند الحنفیہ واجب ہے: **"لانہ علیہ السلام واظب علیھما بغیر ترک. ولقولہ تعالیٰ فصل لربک وانحر. وقولہ تعالیٰ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم"** (سورۂ بقرہ: ۱۸۵) کہا گیا ہے۔ کہ آیت اولیٰ عید الاضحیٰ پر محمول ہے، اس کی نماز اور قربانی، اور آیت ثانیہ کا اشارہ عید الفطر کی طرف ہے، اور جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، ابوسعید اصطخری اور امام احمدؒ کے مشہور مذہب میں فرض کفایہ ہے، **'جوھرۃ نیرہ'** میں لکھا ہے کہ

حنفیہ کے اس میں دو قول ہیں: ”الاول انها واجبة وهو المشهور وقيل سنة مؤكدة قال في المبسوط وهو الاظهر.“ (مرقاة: ۲/۲۴۵، التعليق: ۲/۱۵۹) (الدر المنضود)

الفصل الاول

نماز عیدین کا مسنون طریقہ

﴿۱۳۴۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ يَّبْدَاُ بِهِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ يَاْمُرُ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۳۱، باب الخروج الی المصلی، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۵۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۰، کتاب صلوة العیدین، حدیث نمبر: ۸۸۹۔

ترجمه: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے، اور لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں وعظ و نصیحت کرتے، اچھی باتوں کا حکم دیتے، پھر اگر کوئی لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو

الگ کردیتے، یا اگر کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو اس کا حکم دیتے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لاتے۔

تشــریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ عیدین کی ادائیگی کے لئے مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر عیدگاہ تشریف لے جایا کرتے تھے، پہلے نماز پڑھاتے تھے، اس کے بعد خطبہ دیتے تھے، خطبہ میں اہم امور کی طرف متوجہ کرتے تھے، اور اس موقعہ پر اہم فیصلہ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیتے تھے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز کے لئے نکلتے تھے۔(مرقاۃ: ۲/۱۴۵)

نمازِ عیدین کا وقت

سوال: عیدین کی نماز کا کیا وقت ہے؟

جواب: عیدین کی نماز کا وقت بالاتفاق ارتفاعِ شمس سے زوال تک ہے۔

نمازِ عیدین کا مسنون وقت

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز کس وقت ادا کرتے تھے؟

جــواب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے، جب کہ سورج دو نیزہ بلندی پر ہوتا اور عید الاضحیٰ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج ایک نیزہ پر ہوتا: **"کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی بنا یوم الفطر والشمس علی قید رمحین والاضحی علی قید رمح"** **(تلخیص الحبیر: ۲/۲۱۱، حدیث نمبر: ۶۸۴)** اس سے معلوم ہوا کہ

عید الفطر کی نماز عید الاضحیٰ کے مقابلہ میں قدرے تاخیر سے پڑھنا مسنون ہے۔

عید الاضحیٰ میں تعجیل کیوں؟

سوال: عید الفطر کو تاخیر سے اور عید الاضحیٰ کو جلدی پڑھنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: عید الاضحیٰ کی نماز سے فراغت کے بعد قربانی اور اس سے متعلق امور کو انجام دینے کی ذمہ داری ہوتی ہے، جب کہ عید الفطر میں ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، نیز عید الاضحیٰ میں مسنون یہ ہے کہ نماز کے بعد قربانی کا گوشت کھائے، اس سے پہلے رکا رہے، جب کہ عید الفطر میں ایسا نہیں ہے، ان ہی مصلحتوں کی وجہ سے عید الاضحیٰ کو مقدم کیا گیا ہے۔

عیدگاہ پیدل جانا

سوال: عیدگاہ پیدل جایا جائے، یا سوار ہو کر؟

جواب: عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ پیدل اور سوار ہو کر دونوں طرح جانا جائز ہے، البتہ افضل پیدل جانا ہے، ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ "**من السنة ان تخرج الى العيد ماشياً**" (**ترمذی شریف: ۱/۱۱۹، باب فی المشی یوم العیدین**) اس کا مطلب یہی ہے کہ افضل پیدل جانا ہے، لیکن ضرورت کے وقت سوار ہو کر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

الصلوٰۃ قبل الخطبۃ

فاول شیء یبدأ به الصلوة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے

نمازعید پڑھاتے پھر خطبہ دیتے تھے، بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے:
"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلی فی الاضحیٰ والفطر ثم یخطب بعد الصلوۃ" (بخاری شریف: ۱۳۱/۱، باب المشی والرکوب الخ) اور یہی طریقہ خلفاء راشدین کا بھی تھا، چنانچہ آگے روایت آرہی ہے، جس میں شیخین کے بارے میں اسی طریق پر عمل کی صراحت ہے، اور بخاری شریف کی روایت میں تو یوں بھی ہے کہ:"عن ابن عباس قال شهدت العید مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنهم فکلهم کانو یصلون قبل الخطبة" (بخاری شریف: ۱۳۱/۱، باب الخطبة بعد العید)

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگ جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کرتے ہیں کہ آپ نے نمازعید سے پہلے خطبہ دیا وہ نسبت غلط ہے، سب سے پہلے مروان نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ نماز سے پہلے خطبہ دیا، اور مروان کے عمل کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ "ان اول من خطب قبل الصلوۃ مروان" (ترمذی شریف: ۱۱۹/۱، باب فی الصلوۃ عیدین قبل الخطبة) اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے مروان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "یا مروان خالفت السنة" (ابوداؤد شریف: ۱۶۲/۱، باب الخطبة یوم العید)
[اے مروان! تم نے سنت کی خلاف ورزی کی۔]

مضمون خطبہ

فیعظهم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے، آخرت کی طرف توجہ دینے کی ترغیب دیتے تھے، اور

اچھے کاموں پر جو ثواب ہے اور برے کاموں پر جو عذاب ہے، اس کا ذکر فرماتے تھے، ان چیزوں کے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ آدمی اس دن کی خوشی کی مستی میں اطاعت سے غافل نہ ہو اور معصیت میں مبتلا نہ ہو، جیسا کہ آج کے زمانہ میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔

ویوصیہم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کو وصیت کرتے تھے، خاص طور پر تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "**ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ**" (سورۂ نساء: ۱۳۱) یہ بہت ہی جامع کلمہ ہے، تقویٰ کا ادنیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے بچنا، اور اس کا متوسط درجہ اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا ہے، اور اس کا اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کو فراموش کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو یاد رکھنا ہے۔

ویامرہم: عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے متعلق خاص احکام بیان فرماتے تھے۔

وان کان یرید: لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر نکالتے کہ فلاں لوگ فلاں جگہ جائیں گے، اور فلاں لوگ فلاں جگہ جائیں گے۔

او یامر: اوپر والے امر سے تکرار نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لشکر بھیجنے کے سلسلہ میں اگر کوئی حکم کرنا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے۔

(مرقاۃ: ۲/۲۴۶)

عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت نہیں ہے

﴿۱۳۴۳﴾ وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۹۰، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۸۸۷۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بغیر اذان واقامت ایک دو مرتبہ سے زائد مرتبہ عیدین کی نماز پڑھی ہے۔

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز عید سنت ہے، اس لئے کہ اس میں تکبیر واذان نہیں ہوتی۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس کے دو پہلو ہیں، ایک سے سنت معلوم ہوتی ہے، اور دوسرے سے فرض۔ اذان واقامت کا نہ ہونا مشعر ہے سنت ہونے کی طرف، اور قرأت کا بالجهر ہونا فرض ہونے کی علامت ہے، اس لئے ہم بیچ کا راستہ اپناتے ہیں، اور وہ ہے وجوب، پس حنفیہ کے نزدیک نماز عید واجب ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہو

﴿۱۳۴۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۳۱، باب الخطبة بعد العيد، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۵۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۰، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۸۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

تشریح: یصلون العیدین قبل الخطبۃ: حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی اخیر حیات تک نماز کو مقدم رکھنے اور خطبہ کو مؤخر رکھنے کا معمول رہا ہے۔

خطبۂ عیدین نماز سے مؤخر ہونے کی وجہ

سوال: عیدین کا خطبہ نماز سے مؤخر اور جمعہ کا خطبہ نماز سے مقدم کیوں ہے؟

جواب: عیدین کا خطبہ اپنی اصل وضع پر ہے، لوگ اصلاً نماز کے لئے شوق و ذوق سے آتے ہیں، اس لئے نماز مقدم ہے، جمعہ میں بھی پہلے مؤخر تھا، لیکن ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے خطبہ کو مقدم کر دیا گیا۔

خطبۂ عیدین نماز سے مقدم کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ پہلے پڑھے اور عیدین کی نماز بعد میں پڑھائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ تعامل اور سنت متوارثہ کے خلاف ہے، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، لیکن وہ خطبہ شمار ہو جائے گا۔
(مرقاۃ: ۲/۲۴۷، التعلیق: ۲/۱۵۹)

عیدین میں عورتوں کو وعظ

﴿۱۳۴۵﴾ وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَشَهِدْتَّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ

يَذْكُرْ اَذَاناً وَّلَااِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۸۹/۲، باب والذین لم یبلغوا الحلم منکم، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۵۲۳۹۔ مسلم شریف: ۲۸۹/۱، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:۸۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، خطبہ دیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ اذان کا تذکرہ کیا اور نہ اقامت کا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں میں تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت کی، اور انہیں دینی امور یاد دلائے، اور ان کو صدقہ کرنے کا حکم کیا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے کانوں اور اپنے گلوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھیں، اور اپنے زیورات حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے رہی تھیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیز قدموں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی طرف چل دئے۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عید کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید کی نماز پہلے پڑھائی اور خطبہ بعد میں دیا، عید کی نماز چونکہ واجب ہے، اس لئے اس میں اذان واقامت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور مبارک میں فتنہ نہیں تھا، اس لئے بعض شرائط کے ساتھ عورتوں کو بھی عید کے دن آنے کی اجازت تھی۔ اور چونکہ عورتیں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور ہوا کرتی تھیں، خطبہ کی آواز ان تک پہنچنے نہ پاتی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس جا کر ان کو بھی نصیحت فرماتے تھے، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرماتے ہوئے صدقہ کرنے کا حکم کیا تو اس کا اثر ان پر یہ ہوا کہ انہوں نے فوری طور پر اپنے پہنے ہوئے زیورات صدقہ کر دیئے۔
(مرقاۃ: ۲/۲۴۷، التعلیق: ۲/۱۶۰)

نمازِ عید سے پہلے اور بعد میں نوافل

﴿۱۳۴۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۳۱، باب الخطبة بعد العيد، كتاب العيدين، حدیث نمبر: ۹۶۴۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۱، باب ترک الصلوة قبل العيد، كتاب صلوة العيدين، حدیث نمبر: ۸۸۴۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ تو ان سے پہلے نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔

تشریح: عید کے روز عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں نفل نماز پڑھنا حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے، امام اور غیر امام سب کے لئے قبل العید تو مطلقاً اور بعد صلوۃ العید صرف مصلی میں گھر پر پڑھ سکتا ہے، ابن ماجہ شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد العید گھر میں رکعتین پڑھتے تھے۔ (ابن ماجہ: ۹۲) اور امام شافعیؒ کے نزدیک کراہت صرف

امام کے حق میں ہے، مطلقاً اور مقتدی کیلئے مطلقاً جائز ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں امام کے حق میں تو کراہت مطلقاً ہے، اور مقتدی کے حق میں کراہت اس وقت ہے جب نماز عید مصلی میں ہو اور اگر مسجد میں ہو کسی عذر بارش وغیرہ کیوجہ سے تو پھر مقتدی کے حق میں مکروہ نہیں۔ (المنہل) اور حنابلہ کا مذہب مغنی وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ کراہت خاص موضوع صلوۃ کے ساتھ ہے، خواہ وہ مصلّٰی ہو یا مسجد یا اس کے علاوہ دوسری جگہ مطلقاً جائز ہے۔

لم یصل قبلها و لا بعدها: مذاہب ائمہ کی تفصیل اوپر گذر چکی، یہ حدیث امام شافعیؒ کے مسلک کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس حدیث کا تعلق امام سے ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید سے قبل یا بعد نفل نماز نہیں پڑھی، اور یہی شافعیہ کہتے ہیں کہ کراہت صرف امام کیلئے ہے، مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ کراہت امام کیلئے ہے، اور مقتدی کے حق میں ان کے یہاں تفصیل ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۴۸)(الدر المنضود)

نماز عیدین میں سنن ونوافل نہ ہونے کی حکمت

سوال: عیدین سے پہلے اور بعد میں سنن ونوافل نہ رکھنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب: سنن ونوافل فرائض کے آگے پیچھے مشروع ہیں، اور عیدین کی نماز بالاجماع فرض عین نہیں ہیں، علاوہ ازیں سنتیں مصلحتاً تجویز کی گئی ہیں، جن نمازوں سے پہلے سنتیں ہوتی ہیں جیسے ظہر فجر کے وقت سو کر اٹھنے کی وجہ سے وہاں سنن قبلیہ رکھی گئی ہیں، تا کہ سنت پڑھنے سے سستی دور ہو، اور فرض نماز نشاط کے ساتھ ادا ہو، اور عصر اور مغرب اور عشاء کے بعد چونکہ مشاغل ہیں، عصر اور مغرب کے بعد تو کاروبار ہے اور عشاء کے بعد سونا ہے، اس لئے سنن بعدیہ رکھی گئی ہیں تا کہ فرض کی آخری رکعت میں کاروبار شروع نہ ہو جائے، اور فجر اور عصر پڑھے گا ممکن ہے کہ وہ مکروہ وقت میں سنتیں

پڑھے، اور عیدین سے پہلے سنتیں نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ ۹،۱۰ ربجے پڑھی جاتی ہیں، پھر ان نمازوں کے لئے صبح ہی سے تیاری ہوتی ہے، اور اس کے بعد کوئی مشغلہ بھی نہیں ہے، وہ چھٹی کے دن ہیں، اس لئے عیدین کے آگے پیچھے سنتیں تجویز نہیں ہوئیں۔ واللہ اعلم. (تحفۃ الالمعی)

عورتوں کا عیدگاہ آنا

﴿۱۳۴۷﴾ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَاَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰنَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۵۱، باب وجوب الصلوۃ فی الثیاب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۵۱۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۱، باب ذکر اباحة الخروج والنساء فی العیدین، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۰۔

ترجمه: حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم ماہواری والی عورتوں کو عید کے دن نکالیں، اور پردہ والیوں کو۔ وہ مسلمانوں کی جماعت میں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں، اور ماہواری والی عورتیں اپنے مصلی سے علاحدہ رہیں، ایک عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کے ساتھ والی اپنی چادر اس کو اوڑھا دے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کی تاکید کی ہے، لیکن اس کے ساتھ اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ پردہ کے ساتھ جائیں، اپنے پاس چادر وغیرہ نہ ہو تو دوسری عورت سے چادر لے کر اوراوڑھ کر جائے، حائضہ عورت ہے، تو وہ بھی عیدگاہ جائے، لیکن وہ عیدگاہ کے اندر نہ جائے، اگر عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے تب نہ جانے کی مصلحت واضح ہے، لیکن اگر مسجد کے حکم میں نہیں ہے تب بھی حائضہ عیدگاہ سے الگ رہے، کیونکہ اس کو نماز تو پڑھنا نہیں ہے، صرف وعظ ونصیحت سننا ہے، لہٰذا نمازیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی بھی اس کو ضرورت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتنہ کا اندیشہ بھی نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کی سب کو ضرورت تھی، اور اسلام کی شان وشوکت کا اظہار بھی مقصود تھا، ان اغراض سے عورتوں کو مسجد میں آنے کا حکم تھا، اب فتنہ کا دور ہے، اس لئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا جاتا ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۶۰)

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

اس حدیث شریف سے تو معلوم ہورہا ہے کہ سب عورتوں کو نماز کے لئے عیدگاہ جانا چاہئے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں فقہا کیا کہتے ہیں، ائمہ میں سے امام احمدؒ کا اس حدیث پر عمل ہے، ان کے نزدیک مطلقاً شابہ وغیر شابہ سب کے لئے یہ جائز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ، **عدم التطیب، عدم التزین بالثیاب الفاخرہ.**

اور بعض علماء کے نزدیک عورتوں کا عید کی نماز کے لئے جانا مطلقاً مکروہ ہے، جیسے سفیان ثوریؒ ابراہیم نخعیؒ اور ابن المبارکؒ وغیرہ۔

تیسرا مذہب اس میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ شافعیہ مالکیہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: "**یجوز للعجائز دون الشواب**" لیکن انہیں شرطوں کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوئیں، اس سے معلوم

ہوا کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس مسئلہ میں نماز عید اور عام نمازوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں سب کا حکم یکساں ہے، البتہ حنابلہ نماز عید اور دوسری نمازوں میں فرق کے قائل ہیں، اور ظاہر احادیث سے حنابلہ ہی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ دوسری نمازوں میں خروج کی ترغیب کسی حدیث میں نہیں، صرف اجازت وارد ہے، بخلاف صلوۃ عید کے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بالاخراج فرمارہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب.

(مرقاۃ: ۲/۲۴۸)

عورتوں کا مسجد آنا

امرنا ان نخرج الحیض: اس حدیث شریف سے استدلال کر کے غیر مقلدین شور مچاتے ہیں کہ عورتوں کو مسجد میں ضرور آنا چاہئے، اور مسجد آ کر نماز پڑھنا چاہئے، حالانکہ اس حدیث شریف سے تو صاف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورتوں کے مسجد آنے کا مقصد اصلی نماز نہیں بلکہ مقصود اصلی تعلیم وتعلم اور وعظ ونصیحت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ کے قریب آنے کا حکم دیا ہے، ظاہر بات ہے کہ وہ نماز تو پڑھیں گی نہیں، ایسی تاکید کے ساتھ ان کو بلانے کا مقصد سوائے تعلیم کے اور کیا ہو سکتا ہے، اب دین مکمل ہو چکا ہے، عورتوں کو مسجد آ کر دین سیکھنے کی ضرورت نہیں رہی، لہٰذا فتنہ کے اندیشہ سے مساجد آنے سے عورتوں کو روک دیا گیا ہے۔

مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ میں عورتوں کا نماز کیلئے آنا

سوال: حج کے موقعہ پر مسجد نبوی اور مسجد حرام میں عورتوں کو نماز پڑھنے کی اجازت کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے اندر عورتیں صرف مسجد

نبوی میں آتی تھیں، دیگر مساجد میں شاید باید کوئی عورت جاتی ہو تو جاتی ہو، اور مسجد نبوی میں آکر نماز ادا کرنا تین وجہ سے تھا۔

(۱)......شریعت سیکھنے کے لئے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے۔

(۳)......جگہ کی برکت کی وجہ سے۔

اور مسجد حرام میں عورتیں دو مقصد سے آتی تھیں۔

(۱)...... بیت اللہ کا طواف کرنے کی غرض سے۔

(۲)......جگہ کی برکت کی وجہ سے۔

مسجد حرام میں دونوں باتیں آج بھی موجود ہیں، مسجد نبوی میں آنے کی پہلی وجہ تو باقی نہیں رہی، اس لئے دین مکمل ہوکر کتابوں میں موجود ہے، البتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت قبر اطہر کی زیارت اور جگہ کی برکت آج بھی موجود ہے، لہٰذا یہ دونوں مقصد آج بھی موجود ہیں، اب چونکہ ان جگہوں پر فتنہ بھی نہیں ہے، اور مذکورہ عظیم مقاصد موجود ہیں، اس لئے ان مساجد میں عورتوں کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جا سکتا، بلکہ ترغیب دی جاتی ہے، کیونکہ یہ حسین موقعہ زندگی میں بہت کم لوگوں کو بار بار نصیب ہوتا ہے، اس لئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

عید کے دن دف بجانا

﴿۱۳۴۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنٰى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا

اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَکَشَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْھِہٖ فَقَالَ دَعْھُمَا یَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّھَا اَیَّامُ عِیْدٍ وَفِی رِوَایَۃٍ یَا اَبَابَکْرٍ اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا وَھٰذَا عِیْدُنَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۰ / ۱، باب سنة العید لاهل الاسلام، کتاب العیدین، حدیث نمبر:۹۵۲۔مسلم شریف: ۲۹۱ / ۱، باب اذا فاته العید یصلی رکعتین، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:۹۸۷۔(مسلم شریف، باب الرخصة فی اللعب، کتاب العیدین، حدیث نمبر:۹۸۲۔)

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس دولڑکیاں تھیں، جومنی کے ایام میں دف بجارہی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ اشعار گارہی تھیں، جو انصار نے بعاث کے دن کہے تھے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے پر کپڑا اڑھا ئے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں لڑکیوں کو ڈانٹا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا، اور ارشاد فرمایا: ''کہ اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کا دن ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اے ابوبکر! بے شک ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری عید ہے۔''

تشریح: عید کا دن فرحت وسرور کا ہے، اس میں جائز حدود کے اندر رہ کر اظہار مسرت کرنا چاہئے، عید کے دن اور بعض دیگر خوشی کے مواقع جیسے نکاح کے وقت دف بجانے کی اجازت ہے، اور ایسے اشعار پڑھنے کی اجازت ہے، جس میں شجاعت وبہادری کا اظہار ہو، لیکن وہ گانے بجانے اور آلات موسیقی جس کے اندر خالص لہو ولعب ہوتا ہے اور نفسانی خواہشات میں ابال آتا ہے مطلقاً حرام ہے۔

تدففان و تضربان: تضربان یا تو تدففان کی تاکید کے لئے ہے، ایسے میں صرف ترجمہ ہوگا کہ وہ دف بجارہی تھیں، اور اگر تاکید کے لئے نہیں بلکہ مستقل لفظ ہے تب معنی ہونگے کہ وہ دف بجارہی تھیں، اور اچھل کود رہی تھیں۔

یوم بعاث: اوس وخزرج کے درمیان قبولِ اسلام سے پہلے بہت زبردست جنگ ہوئی تھی، اور جنگ مدینہ سے کچھ دور ایک جگہ بعاث ہے وہیں پر ہوئی تھی، اس جنگ کے موقعہ پر ہر قبیلہ نے اپنی بہادری اور اپنے جوانوں میں عزم وہمت پیدا کرنے کے لئے اشعار کہے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس موجود لڑکیاں دف بجارہی تھیں، اور جنگ بعاث کے موقعہ پر کہے گئے اشعار میں سے کچھ اشعار گا بھی رہی تھیں۔

والنبی ﷺ متغش بثوبہ: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید کے دن اگر چہ دف بجانے اور گانے کی اجازت دی، لیکن خود اس سے تغافل برتا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرف رغبت نہیں دائی، لہٰذا اس سے اعراض بہتر ہے۔

فانتھرھما: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں داخل ہوئے تو انہوں نے یہ منظر دیکھا تو آپ سمجھے کہ یہ چیز درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحتاً کئی مواقع پر گانے بجانے کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توجہ نہیں ہے، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ہی ان لڑکیوں کو ان کے عمل سے روک دیا۔

فقال دعھما یا ابابکر: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روکنے سے منع فرمادیا، اور ارشاد فرمایا: ان لڑکیوں کو دف بجانے اور گانا

گانے دو۔

فانھا ایام عید: یعنی یہ خوشی ومسرت کا دن ہے، اس دن اظہار مسرت کر لینے دو۔

سماع کا حکم

سوال: سماع جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: سماع فی نفسہ جائز ہے، مگر ان عوارض کی بنا پر جو غیر شرعی ہیں، سماع اور اس سے متعلق موسیقی وغیرہ سب ممنوع ہیں، اور مباح سماع پر بھی مداومت درست نہیں ہے۔

گانے بجانے کا حکم

حدیث پاک سے باجے تاشے اور گانے وغیرہ پر استدلال کرنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ چھوٹی بچیاں تھیں، اور جیسے چھوٹی بچیاں جھلی وغیرہ کسی برتن پر منڈھ لیتی ہیں، انہوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، کوئی باقاعدہ باجہ وغیرہ نہیں تھا، نیز گانے جس میں عشقیہ اشعار ہوتے ہیں، جن کو سن کر طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے، اس طرح کوئی گانا وغیرہ بھی نہیں تھا، بلکہ خاندان کے بڑے لوگوں کی بہادری وغیرہ سے متعلق اشعار تھے، جنہیں سن کر بہادری پیدا ہوتی ہے، ان اشعار کو وہ گا رہی تھیں، اس لئے ان میں کوئی مضائقہ نہیں تھا، لہٰذا اس سے باقاعدہ باجہ بجانے اور فحش اور عشقیہ گانے پر استدلال کرنا درست نہیں۔ پوری تفصیل (مرقاۃ: ۹: ۲۴۹، ۲/۲۵۰، والتعلیق: ۲/۱۶۰) میں ملاحظہ ہو۔

عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ کھالینا چاہئے

﴿۱۳۴۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۳۰، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۵۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عیدگاہ کے لئے اس وقت تک نہیں جاتے تھے جب تک کہ چند کھجوریں نہ کھالیتے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھجور طاق عدد ہی کھاتے تھے۔

تشریح: عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے چند کھجوریں طاق عدد کا خیال رکھ کر کھالی جائیں، اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز کھالی جائے، تاکہ افطار متحقق ہو جائے، اور عملی طور پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آج روزہ نہیں ہے۔

لایغدو یوم الفطر حتی یاکل: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدگاہ صبح جلدی روانہ ہوتے تھے، لیکن اس کے باوجود جانے سے پہلے کچھ کھجور کھالیتے، تاکہ اس بات کا اظہار ہو جائے کہ رمضان کا مہینہ گذر چکا ہے، اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

سوال: کھجور کھانے کی کیا حکمت ہے؟

جواب: صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آسانی سے کھجور میسر آتی تھیں، اسی لئے کھجور کھاتے تھے، یا پھر کھجور کے شیریں، مفید اور قوت بخش ہونے کی بنا پر اس کا استعمال کرتے تھے۔

عدد کے مطابق کھجور کھانے کی حکمت

سوال: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طاق عدد کھجور کیوں تناول فرماتے تھے؟

جواب: ہر کام میں عدد کا خیال رکھنا بہتر ہے، کیونکہ "ان اللہ وتر یحب الوتر" [اللہ طاق ہے، اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔] (مرقاۃ: ۲/۲۵۰، التعلیق: ۲/۶۲۱)

عید الاضحیٰ میں نماز عید سے پہلے کچھ کھانا

سوال: کیا بقر عید کے موقعہ پر کھجور کھا کر نماز کیلئے جایا جائے؟

جواب: عید الاضحیٰ یعنی بقر عید کے دن نماز سے پہلے کوئی چیز نہ کھانا بہتر ہے، نماز کے بعد اپنی قربانی کا گوشت کھایا جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل حدیث میں آتا ہے: "لا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی" (ترمذی شریف: ۱/۱۲۰، باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج) [عید الاضحیٰ کے دن نہیں کھاتے تھے، یہاں تک کہ نماز پڑھ لیتے تھے،] اس لئے کہ قربانی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دعوت ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی دعوت کی رغبت اور ذوق وشوق کا تقاضہ ہے کہ اس سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے، تاکہ رغبت اور ذوق وشوق کے ساتھ قربانی یعنی اللہ تعالیٰ کی دعوت کو کھائے، لیکن بھوک کا تقاضہ ہو اور قربانی تیار ہونے میں دیر ہو اور اس وقت تک صبر کرنا مشکل ہو تو پھر کچھ کھانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط

ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے سے واپس آنا

﴿۱۳۵۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدٍ خَالَفَ الطَّرِیْقَ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۳۴، باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۸۶۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے واپس آتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید گاہ جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کیا، اور واپسی کے لئے دوسرا راستہ، فقہاء نے بھی اس اختلافِ طریق کو مستحب لکھا ہے، اس کی علماء نے بہت سی حکمتیں لکھی ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بیس سے زائد میرے سامنے حکم جمع ہو چکی ہیں۔ مثلاً:

راستہ کی تبدیلی کی حکمتیں

(۱)......شهادة الطريقين وسكانهما من الثقلين، [یعنی تاکہ بروز قیامت دونوں راستے اس شخص کے حق میں گواہی دیں، ایسے ہی دونوں جگہوں کے ساکنین جن وانس۔

(۲)......اسلام کی شان وشوکت کا اظہار۔

(۳)......حصول البركة للطريقين.

(۴)......دونوں راستوں اور ان میں رہنے والوں کے ساتھ برابری۔

(۵)......تاکہ دونوں راستوں پر رہنے والوں کی عیادت کر سکیں۔

(۶)......دونوں راستوں پر رہنے والوں کی ملاقات آسانی سے ہو سکے۔

(۷)......دونوں راستوں پر رہنے والے اقارب کی مزاج پرسی اور صلہ رحمی فرمائیں۔

(۸)......دونوں راستوں پر رہنے والے احکام معلوم کر سکیں، اور تعلیم وتبلیغ کا فائدہ حاصل ہو۔

(۹)......دونوں راستوں پر رہنے والے غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دے سکیں۔

(۱۰)...... مجمع کا شان وشوکت کے ساتھ نکلنا بھی خود دعوت کا کام دیگا۔

(۱۱)...... دونوں راستے والوں کو سلام کرسکیں۔

(۱۲)...... دونوں راستوں کے فقراء کی امداد فرماسکیں۔

(۱۳)...... دونوں راستہ والے حاجتمند اپنی حاجت بیان کرسکیں، اوران کی حاجت روائی ہوسکے۔

(۱۴)...... اعداء سے حفاظت، اگر آنے جانے کا ایک ہی راستہ متعین ہوتو دشمن سازش کر سکتے ہیں۔

(۱۵)...... ازدحام سے بچنے کے لئے کہ ایک ہی راستہ سے آنا جانا ہوتو ازدحام زیادہ ہوگا۔

(۱۶)...... دونوں راستوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوسکے۔

(۱۷)...... نیک فال لینے کے لئے کہ جس طرح راستہ بدل گیا اسی طرح حالت بدل گئی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت خاصہ حاصل ہوگئی۔

اس طرح غور کرنے، دیگر فوائد بھی سمجھ میں آسکتے ہیں، اللہ اکبر جس ذات گرامی کے ایک ایک عمل میں اس درجہ فوائد وحکم ہوں اس کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔ (مرقاۃ:۲۵۰/۲۵۱/۲، التعلیق:۱۶۲/۲)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کرنا

﴿۱۳۵۱﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَانَبْدَأُ بِهِ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ

سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِاَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۳۲/۱، باب التکبیر للعید، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۶۸۔ مسلم شریف: ۱۵۴/۱، باب وقتها، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۶۰۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا: چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ "اس دن سب سے پہلا جو کام ہمیں کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ ہم عید کی نماز پڑھیں، پھر گھر جا کر ہم قربانی کریں، لہٰذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا، اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے، بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے، جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لئے ذبح کیا ہے۔"

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن سب سے پہلے نماز پڑھی جائے، نماز کے بعد خطبہ ہوگا، اگرچہ خطبہ کا ذکر یہاں صراحتاً نہیں ہے، پھر قربانی کی جائے، عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔

البتہ اہل قریہ پر نماز عید واجب نہیں ہے، لہٰذا وہ طلوع فجر یا نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

ان نصلی: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے خطبہ دیا اور خطبہ میں یہ بات فرمائی کہ عید الاضحیٰ کے دن پہلے نماز پڑھو، پھر قربانی کرو، حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر خطبہ دیا تھا، اور دوران خطبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ بات بیان فرمائی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۱)

قربانی کاوقت اور اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک شہر والوں کے لئے قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے، اور گاؤں والوں کے لئے طلوع فجر کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حدیث باب ہے، اس میں نماز کے بعد قربانی کا حکم ہے، اور نماز سے پہلے قربانی کی ممانعت ہے، اہل قریہ پر نماز عید واجب نہیں، لہٰذا وہ نماز سے پہلے دن شروع ہوتے ہی قربانی کر سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد عید کی نماز اور خطبہ کے بقدر وقت گذرنے کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ چونکہ قربانی کے مخاطب دیہات والے بھی ہیں اور ان پر عید ہے نہیں، لہٰذا نماز کو وقت پر محمول کیا جائے گا، اور جتنی دیر میں نماز و خطبہ ہو سکتا ہے اتنا وقت گذر گیا تو قربانی کا وقت ہو گیا۔

شوافع کا جواب: احادیث میں نفس صلوۃ کا تذکرہ ہے، وقت کا نہیں ہے، لہٰذا نماز کے بعد ہی قربانی شروع ہوگی، البتہ اس حکم کے مخاطب شہر کے لوگ ہیں، دیہات کے لوگ طلوع فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۵۱)

تنبیہ: قربانی میں شہری اور دیہاتی ہونے کا اعتبار نہیں، بلکہ جگہ کا اعتبار ہے، اگر قربانی شہر میں ہو رہی ہے تو شہر کا حکم ہے اور اگر دیہات میں ہو رہی ہے تو دیہات کا حکم ہے۔

عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں

﴿۱۳۵۲﴾ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰی وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰی صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلٰی اِسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۸۲۷، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلیذبح علی اسم اللہ، کتاب الذبائح و الصید، حدیث نمبر: ۵۵۰۰۔ مسلم شریف: ۲/۱۵۴، باب وقتها، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۶۰۔

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے۔''

تشریح: قربانی کا وقت آنے سے پہلے قربانی نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی وقت سے پہلے کردے گا اس کا فریضہ اس کے ذمہ باقی رہے گا، لہٰذا ایسے کرنے والے پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے فریضہ کی ادائیگی کیلئے دوسرا جانور ذبح کرے، قربانی کا وقت شہر والوں کے لئے نماز عید الاضحیٰ کے بعد ہوتا ہے، اور دیہات کے لوگوں کے لئے طلوع فجر ثانی کے بعد سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

ومن ذبح قبل الصلوة: نماز سے پہلے قربانی درست نہیں ہے، یہ حدیث جمہور کے مذہب کے موافق ہے، امام شافعیؒ کے خلاف ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز اور دو خطبے کی ادائیگی کے بقدر وقت گذرنے کے بعد قربانی شروع ہے، خواہ نماز ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، حافظ ابن حجر شافعیؒ المذہب ہیں، اس لئے اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ نماز سے پہلے قربانی کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز اور خطبہ کے بقدر وقت گذرنے سے پہلے قربانی

کرنا ہے، لہٰذا ایسے شخص کی قربانی درست نہیں ہوتی، صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ یہ بہت دور کی تاویل ہے۔(مرقاۃ:۲/۲۵۲)

نمازعیدالاضحیٰ کے بعد قربانی

﴿۱۳۵۳﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۳۲، باب سنة الاضحية، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۵۵۴۶۔مسلم شریف: ۲/۱۵۴، باب وقتها، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۹۶۱۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ جس نے نمازعیدالاضحیٰ سے پہلے قربانی کی تو بے شک اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کیا، اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا، اس کی قربانی پوری ہوگئی، اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق درست طریقہ اختیار کیا۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے کہ قربانی کا وقت عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ہے، جو اس وقت کا خیال رکھ کر قربانی کرتا ہے وہ مسلمانوں کے درست طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے، اور جو اس کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز سے پہلے ہی قربانی کرتا ہے تو وہ ثواب سے محروم ہوا، اس کا فریضہ ادا نہیں ہوا، لہٰذا یہ ایسے ہی ہوا جیسے کہ اس نے اپنی ذات کی خاطر گوشت کے استعمال کے لئے ذبح کیا اس سے تقرب الی

اللہ مقصود ہی نہیں ہے۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ان صریح روایات کے ہوتے ہوئے امام شافعیؒ نے جمہور کے خلاف نہ جانے کیسے بات کہی کہ شہر والے بھی نماز سے قبل قربانی کر سکتے ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۵۲)

عیدگاہ میں قربانی

﴿۱۳۵۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱/۱۳۴، باب النحر والذبح یوم النحر بالمصلی، کتاب العیدین، حدیث نمبر:۹۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے، اور نحر کرتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید کے بعد عیدگاہ ہی میں قربانی کا فریضہ ادا فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسا اوقات اونٹ کی قربانی کرتے تھے، اور بسا اوقات دیگر جانور ذبح فرماتے تھے، اونٹ کے حلال کرنے کو نحر کہتے ہیں، اور دیگر جانوروں کے حلال کرنے کو ذبح کہتے ہیں۔

سوال: عیدگاہ میں قربانی کرنے کی کیا مصلحت ہے؟

جواب: (۱)......قربانی درحقیقت شعائر اسلام میں سے ہے، اس کا اظہار افضل ہے، اور اظہار بڑے مجمع میں زیادہ ہوگا، اور عیدگاہ میں مجمع کثیر ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدگاہ میں قربانی کرتے تھے۔

(۲)...... اس میں فقراء کا نفع بھی ہے کہ وہ عیدگاہ سے گوشت لے کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے، لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ اس دور میں خاص کر ہندوستان میں بعض مجبوریوں کی بناپر گھروں پر ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔

نحر کا طریقہ

سوال: نحر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: نحر اونٹ میں ہوتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کے سینہ کے اوپر اور گردن کے نیچے نیزہ مارتے ہیں، جس سے وہ زمین پر گر پڑتا ہے، اونٹ کو بھی ذبح کرنا جائز ہے، لیکن افضل نحر ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

عیدین کی مشروعیت

﴿۱۳۵۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۶۱، باب صلوۃ العیدین، کتاب الصلوۃ،

حدیث نمبر: ۱۳۴۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے، اور مدینہ والوں نے دو دن مقرر کر رکھے تھے، جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: ''کہ یہ دونوں دن کیسے ہیں؟'' حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم ان دونوں میں زمانۂ جاہلیت میں کھیل تماشہ کرتے تھے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن مقرر کر دئے ہیں، ایک عید الاضحیٰ کا دن اور دوسرے عید الفطر کا دن۔''

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو جو مسلمان وہاں بستے تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سال کے دو دن میں کھیل کود کرتے اور خوشی مناتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوال پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان دنوں میں خوشی منانے کا سلسلہ ہمارے یہاں پہلے سے جاری ہے، زمانۂ جاہلیت سے، ان دو دنوں سے مراد نوروز اور مہرجان ہے، نوروز یکم جنوری جس میں آفتاب کی تحویل برج حمل میں ہوتی ہے۔ اور مہرجان میں آفتاب کی تحویل برج میزان میں ہوتی ہے، لکھا ہے کہ یہ دونوں دن حرارت اور برودت کے اعتبار سے معتدل ہوتے ہیں، اور یہ کہ دن اور رات ان میں برابر ہوتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ قدیم زمانہ کے حکماء واقفین علم ہیئت نے ان دنوں کو اختیار کیا تھا، دوسرے لوگ ان کا اس میں اتباع کرتے رہے، یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تو انہوں نے اس کا ابطال اور تردید فرمائی، چنانچہ آگے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی فرمارہے ہیں: **"ان اللہ قد ابدلکم بھما خیرا منھما"** [کہ اللہ تعالیٰ نے اے

مسلمانو! تم کو اظہار تشکر اور خوشی منانے کے لئے ان دو دنوں کے بدلہ میں دو اور دن عطاء کئے ہیں۔ جو ان سے بہتر ہیں۔] یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔

یہ دو دن ان سے کیوں بہتر ہیں؟ وجہ اسکی ظاہر ہے کہ ان دنوں کا انتخاب حکماء وفلاسفہ کی طرف سے تھا، اور ان دو دنوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۲)

کفار کے تہواروں میں شرکت

علماء نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ کفار کے تہوار اور خوشی کے دنوں میں مسلمانوں کا خوشی منانا سخت ترین معصیت ہے، ابو حفص کبیر الحنفی فرماتے ہیں کہ جو شخص نیروز میں کسی مشرک کو کوئی معمولی سا ہدیہ مثلاً بیضہ اس یوم کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ بھیجے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے، اور اگر تعظیم یوم کے طور پر نہیں بلکہ صرف اظہار محبت وتعلق کے لئے ایسا کرے تب کفر نہ ہوگا، البتہ تشبہ کی وجہ سے مکروہ ضرور ہوگا، احتراز اس سے بھی ضروری ہے۔ (التعلیق الصبیح: ۲/۱۶۳، مرقاۃ: ۲/۲۵۲) (الدر المنضود)

نماز عید الاضحیٰ کے بعد کھانا

﴿۱۳۵۶﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي)

حواله: ترمذی شریف: ۱۲۰/۱، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۵۴۳ـ ابن ماجہ شریف: ۱۲۶/۱۲۵، باب فی

الاکل یوم الفطر، کتاب الصیام، حدیث نمبر:۱۷۵۶۔ دارمی: ۴۵۵/۱، باب الاکل قبل الخروج یوم العید، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۶۰۰۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلنے سے پہلے کچھ کھا لیتے تھے، اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھ کر کھاتے تھے۔

تشریح: عید الفطر کا دن رمضان کے معاً بعد ہے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ آج روزہ نہیں ہے، صبح ہی سے افطار فرما کر عید گاہ جاتے تھے، اور بقرعید میں یہ صورت ہے نہیں، اس لئے بقرعید کے دن نماز کے بعد قربانی کر کے قربانی کے گوشت میں سے کھاتے تھے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۳) تفصیل اوپر گذر چکی۔

عیدین میں زائد تکبیرات

﴿۱۳۵۷﴾ وَعَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعاً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ خَمْساً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۹/۱، باب ماجاء فی التکبیر فی العیدین، کتاب العیدین، حدیث نمبر:۵۳۶۔ ابن ماجہ شریف: ۹۱، باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوة العیدین، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:۱۲۷۹۔ دارمی: ۲۲۰/۱، باب التکبیر فی العیدین، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۱۶۰۶۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیرات قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات قراءت سے پہلے کہیں۔

تکبیرات عیدین سے متعلق مسائل اربعہ

تشریح: حكم التكبير، عدد التكبير، محل التكبير. رفع اليدين في التكبيرات الزائدة.

مسئلہ اولیٰ: تکبیرات عیدین حنفیہ و مالکیہ کے یہاں واجب ہیں، امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک سنت ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: اس کے اندر علماء کے دس قول ہیں، جن کو حضرت نے بذل المجہود میں ذکر فرمایا ہے، ہم یہاں ان میں سے صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب بیان کرتے ہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکعت اولیٰ میں سات تکبیرات ہیں، اور رکعت ثانیہ میں پانچ۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں تحریمہ کے علاوہ ہیں، اور مع تحریمہ کے آٹھ ہیں، اور امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک سات تکبیریں مع تحریمہ کے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک کل تکبیرات چھ ہیں، ہر رکعت میں تین تکبیریں۔

مسئلہ ثالثہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل تکبیر دونوں رکعتوں میں قبل القرأت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک فرق ہے، رکعت اولیٰ میں تکبیرات قبل القراءت ہیں اور رکعت ثانیہ میں قبل الرکوع۔ اس صورت میں موالات بین القراءتین ہو جائیگی، اور جمہور کے نزدیک تکبیرات قراءتین کے وسط میں ہو جاتی ہیں، شرح احیاء میں لکھا ہے کہ موالات بین القراءتین اور تکبیر ثلاثا ثلاثا عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، ابوسعید

خدری، براء بن عازب اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے، اور اس وقت ان کے پاس حذیفہ اور ابوموسیٰ اشعری موجود تھے کہ ان حاضرین میں سے سعید بن العاص نے تکبیرات عیدین کے بارے میں سوال کیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوموسیٰ اشعری سے سوال کرو، اس پر ابوموسیٰ نے فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرو، اس لئے کہ وہ ہم میں سب سے اقدم واعلم ہیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے عدد تکبیرات اور ان کی ترتیب وہی بیان کی جس کے حنفیہ قائل ہیں۔

مسئلہ رابعہ: یہاں ایک مسئلہ اختلافی اور ہے وہ یہ کہ تکبیرات عیدین امام ابوحنیفہ وشافعیؒ واحمدؒ تینوں کے نزدیک رفع یدین کے ساتھ ہیں، اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں ہوگا، باقی تکبیرات میں نہیں۔ **والیہ ذھب ابویوسف.**

دلیل ائمہ ثلاثہ: **"حدثنا قتیبة ......الخ. عن عائشة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یکبر فی الفطر والاضحی فی الاولیٰ سبع تکبیرات وفی الثانیة خمسا" (ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۳، باب التکبیر فی العیدین)** یہ حدیث عدد تکبیرات میں ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے، اس کی سند میں ابن لہیعہ اعرابی ہے، جو متکلم فیہ ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ تکبیرات عید کے سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح وقوی نہیں ہے۔

دلیل احناف: "حدثنا محمد ابن العلاء...... الخ. فقال ابوموسیٰ کان یکبر اربعا تکبیرۃ علی الجنائز" (ابو داؤد شریف: ۱۶۳/ ۱، باب التکبیر فی العیدین) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث جس کی تصدیق حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کی ہے، حنفیہ کی دلیل ہے، ان کے نزدیک پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ چار تکبیرات ہیں، اسی طرح دوسری میں مع تکبیر رکوع چار ہیں۔

دلیل حنفیہ پر شافعیہ کا نقد: اس پر شافعیہ وغیرہ نے یہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابو عائشہ ہیں، جو مجہول ہیں، نیز عبدالرحمٰن بن ثوبان یہ ضعیف ہیں، جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ثوبان کی جرح متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ بہت سے علماء نے ان کی توثیق کی ہے، بذل میں اس پر تفصیلی کلام ہے، ایسے ہی لکھا ہے کہ ابو عائشہ سے روایت کرنے والے یہاں سند میں مکحول ہیں، اور ان کی متابعت کی ہے خالد بن معدان نے جیسا کہ تہذیب التہذیب وغیرہ کتب رجال میں موجود ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۵۴، مرقاۃ: ۲/۲۵۳) (الدرالمنضود)

نمازِ عیدین میں قرأت

﴿۱۳۵۸﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ کَبَّرُوْا فِی الْعِیْدَیْنِ وَالْاِسْتِسْقَآءِ سَبْعاً وَخَمْساً وَصَلُّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔ (رواہ الشافعیؒ)

حوالہ: مسند شافعیؒ: ۱۵۳/ ۱، باب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر: ۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے تھے، اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے، اور قراءت بلند آواز سے کرتے تھے۔

تشریح: حدیث شریف کے الفاظ بظاہر امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک ہر دو رکعت میں زائد تکبیرات کی تعداد تین تین ہیں، اولاً تو یہ حدیث منقطع ہے، ثانیاً گذشتہ حدیث کے تحت یہ بات کہی گئی تھی کہ احادیث میں تکبیرات عیدین سے متعلق کئی عددوں کا ذکر ہے، امام صاحبؒ نے اقل کو لیا ہے، اور امام شافعیؒ نے اکثر کو لیا ہے، امام صاحب کے پیش نظر یہ بات ہے کہ تکبیرات عیدین ایک اضافی امر ہے، لہٰذا کم سے کم لیا جائے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بات ہے کہ تکبیرات عیدین عیدین کا امتیاز ہے، لہٰذا کثرت کو لیا جائے۔

وصلوا قبل الخطبة: عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہے، اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے، اور اسی پر تعامل اور توارث چلا آرہا ہے۔

وجهروا بالقرأة: عیدین کی نماز میں قراءت جہراً ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عیدین کی نماز میں لمبی قراءت کا ارادہ ہوتا تو سورۂ "ق" اور سورۂ قمر پڑھتے تھے، اور اگر ہلکی قراءت مقصود ہوتی تو سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے۔

عیدین کی تکبیرات اربعہ

﴿۱۳۵۹﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ اَبَامُوْسٰى

وَحُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْاَضْحىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْمُوْسیٰ كَانَ يُكَبِّرُ اَرْبَعاً تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ صَدَقَ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شريف: ۱/۱۶۳، باب التكبير في العيدين، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۱۵۳۔

ترجمه: حضرت سعید بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں تکبیر کیسے کہتے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار تکبیریں کہتے تھے جیسے کہ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ سچ کہا۔

تشریح: یہ حدیث مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مؤید ہے، اس لئے کہ احناف نماز عیدین میں چھ زائد تکبیروں کے قائل ہیں، تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں، یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے، اس میں پہلی رکعت کے اندر تکبیر تحریمہ شامل ہے، یعنی تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار تکبیریں تھیں، جو ایک تحریمہ کی تکبیر ہوگی باقی تین زائد ہوگئیں، اسی طرح دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کو ملا کر چار تکبیریں تھیں، تو تین تکبیریں زائد ہوئیں اور ایک رکوع کی تکبیر ہوئی۔

صدق: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ بتایا کہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں ایک رکعت میں چار تکبیریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ (تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر تحریمہ) تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کی تصدیق فرمائی، اس بنا پر یہ حدیث دو حدیثوں کے قائم مقام ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مستقل حدیث کی حیثیت رکھتی ہے، حدیث باب کو بعض لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس حدیث کا مدار عبدالرحمٰن بن ثوبان پر ہے جو کہ ضعیف ہیں، لیکن بہت سے حضرات نے عبدالرحمٰن بن ثوبان کی توثیق کی ہے، اس لئے حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۴)

کمان کا سہارا لیکر خطبہ دینا

﴿۱۳۶۰﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ یَوْمَ الْعِیْدِ قَوْساً فَخَطَبَ عَلَیْہِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۲، باب یخطب علی قوس، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱۴۵۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے دن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمان پیش کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ خطیب کو خطبہ دیتے وقت کسی چیز پر ٹیک لگالینا جائز ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کمان پیش کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکی ٹیک لگالی اور ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔ (التعلیق: ۲/۱۴۵، مرقاۃ: ۲/۲۵۵)

عصا ہاتھ میں لینے کے سلسلہ میں مذاہب ائمہ

جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا مطلق مسلک یہی ہے کہ خطیب کو چاہئے کہ کسی لکڑی وغیرہ پر

اعتماد کر کے کھڑا ہو، اس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ اس کے اندر ہاتھوں کو فعل عبث اور حرکت سے روکنا ہے، اور سکون کی کیفیت حاصل ہونا ہے، جیسا کہ نماز میں بحالت قیام وضع الیدین کی بھی ایک حکمت یہی بیان کی گئی ہے، بعض خطباء اور مقررین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوران بیان ہاتھوں کو بار بار چلاتے اور حرکت دیتے ہیں، یہ چیز خلاف سنت ہے، تو عصا کا ہاتھ میں ہونا سکون کی حالت قائم کرنے میں معین ہے۔

اب یہ کہ عصا کون سے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک دائیں ہاتھ میں اور حنابلہ کے نزدیک کسی ایک ہاتھ میں، پھر شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کو منبر پر کنارہ پر رکھے تاکہ دوسرا ہاتھ بھی مشغول رہے، اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے، دوسرے ہاتھ کو خواہ منبر کے کنارہ پر رکھے یا اس کا ارسال کرے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ ان تفاصیل کی کوئی دلیل یا ثبوت حدیث میں نہیں ہے، یہ مذاہب تو ہوئے جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے۔ رہ گیا مسئلہ حنفیہ کا، فقہاء احناف کی بات اس سلسلہ میں میرے خیال میں محقق و منقح نہیں ہے، وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس ملک کو مسلمانوں نے عنوۃً قتال کے ذریعہ فتح کیا ہو وہاں خطیب کو چاہئے کہ متکئاً علی سیف خطبہ دے، اور یہ تلوار اس کے بائیں ہاتھ میں ہونی چاہئے اور گویا اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ ملک تلوار کے ذریعہ فتح ہوا ہے، سو اگر تم لوگ خدانخواستہ اسلام سے پھر گئے تو ہمارے ہاتھ میں یہ تلوار باقی ہے۔ کذا فی مراقی الفلاح۔ اس پر علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اتکاء علی عصا یا علی قوس مکروہ ہے، لیکن اس میں ابن امیر الحاج نے بحث کی ہے وہ یہ کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایات سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں عصا یا قوس پر اتکاء فرماتے تھے، (پھر اس کو مکروہ یا خلاف سنت کہنا کیونکر صحیح ہے۔) (الدر المنضود)

خطبہ میں برچھی کا سہارا لینا

﴿۱۳۶۱﴾ وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهٖ اِعْتِمَادًا۔ (رواہ الشافعیؒ)

حوالہ: مسند شافعیؒ: ۱۴۵/۱، باب صلوۃ الجمعۃ، حدیث نمبر: ۴۲۲۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے مرسلا روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنی برچھی کا پورا سہارا لیتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی برچھی کا سہارا لے کر بھی خطبہ دیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۵)

خطبہ میں کسی انسان کا سہارا لینا

﴿۱۳۶۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئاً عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱۷۸/۱، باب قیام الامام فی الخطبۃ متکأً،

کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:۱۵۷۴۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید کے دن نماز عید میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جماعت تھا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر اذان واقامت کے خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی، نماز سے فارغ ہوکر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، لوگوں کو نصیحت کی، ان کو آخرت کی یاد دلائی ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ابھارا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی طرف تشریف لے گئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ بھی تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، اور ان کو نصیحت کی، اور ان کو آخرت کی یاد دلائی۔

تشریح: حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ خطیب دوران خطبہ کسی انسان کا سہارا لیکر بھی خطبہ دے سکتا ہے۔

عیدگاہ ایک راستہ سے جانا دوسرے سے واپس آنا

﴿۱۳۶۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ یَوْمَ الْعِیْدِ فِیْ طَرِیْقٍ رَجَعَ فِیْ غَیْرِهٖ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۲۰/ ۱، باب ماجاء فی خروج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی العید، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:۵۴۱۔

دارمی: ۱/۴۶۰، باب الرجوع من المصلی الخ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۶۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب نکلتے تو ایک راستے سے جاتے تھے، اور دوسرے راستے سے واپس آتے تھے۔

تشریح: عیدگاہ جانے اور واپس ہونے کے راستے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف تھے، عام فقہاء کے نزدیک یہی سنت ہے، اس میں بہت سی حکمتیں ہیں جو ماقبل میں گذر چکیں۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں پڑھنا

﴿۱۳۶۴﴾ وَعَنْهُ اَنَّهُ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِهِمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (رواه ابو داؤد وابن ماجة)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۴، باب من یصلی بالناس العید فی المسجد اذا کان یوم مطر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۱۶۰۔ابن ماجہ شریف:۹۳، باب ماجاء فی صلوۃ العید اذا کان مطر، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۳۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے روز بارش ہورہی تھی، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔

تشریح: اصل یہ ہے کہ عید کی نماز صحراء یعنی عید گاہ میں پڑھی جائے، "الا لعذرٍ مثل المطر" جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے، اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عید میں بھی اصل یہی ہے کہ اس کو مسجد میں ادا کیا جائے، اگر سب لوگ مسجد میں سما سکتے ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عید کی نماز کے لئے خروج الی المصلی ضیق مسجد کی وجہ سے تھا۔

لیکن مکہ مکرمہ کے اندر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے مسجد حرام میں عیدین کی نماز ہوتی چلی آ رہی ہے، اسی پر تعامل ہے، اور اس کی عظمت کی بنا پر اس کو یہ خصوصیت حاصل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۶)

نمازِ عید الاضحیٰ میں تعجیل

﴿۱۳۶۵﴾ وَعَنْ اَبِی الْحُوَیْرِثِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْاَضْحٰی وَاَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَکِّرِ النَّاسَ۔ (رواہ الشافعیؒ)

حوالہ: مسند الامام الشافعیؒ: ۱/۱۵۲، باب صلوۃ العیدین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابوالحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کی طرف جو نجران میں مامور تھے، لکھا کہ

عیدالاضحیٰ کی نماز جلد پڑھو، اور عیدالفطر کی نماز تاخیر سے ادا کرو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرو۔

تشریح: عیدین کی نماز کا وقت ارتفاع شمس سے زوال تک ہے، اور ان نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا بہتر ہے، لیکن عیدالفطر کی نماز عیدالاضحیٰ کی نماز سے قدرے تاخیر سے پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی معمول بھی تھا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی فرمان بھی جاری فرمایا تھا۔ تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

عید کی نماز اگلے دن پڑھنا

﴿۱۳۶۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَكْبًا جَاؤُا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُ الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ يَّغْدُوْا اِلٰى مُصَلَّاهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۶۴/۱، باب اذا لم یخرج الامام للعیدین یومہ یخرج الغد، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱۵۸۔ نسائی شریف: ۱۷۷/۱، باب الخروج الی العیدین من الغد، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر: ۱۵۵۶۔

ترجمہ: حضرت ابوعمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قافلہ آیا، اور انہوں نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے کل گذشتہ عید کا چاند دیکھا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ کو افطار کرلیں، اور اگلی صبح کو

اپنی عیدگاہ پہونچیں۔

تشریح: معلوم ہوا کہ عید کی نماز اگر کسی وجہ سے عید کے دن نہ پڑھی جاسکی تو اگلے روز اس کی قضاء کی جائے گی۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی قضاء ہے، اگر امام اور قوم سب کی فوت ہو جائے، عید الفطر کی صرف اگلے روز تک اور عید الاضحیٰ کی یوم النحر کے آخری دن تک حنفیہ کا مذہب یہی ہے، جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے اور بذل میں بھی، لیکن حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ امام طحاویؒ نے عید کی نماز کی قضاء صرف امام ابو یوسفؒ کا مذہب نقل کیا ہے، اور امام صاحبؒ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ وہ قضاء کے قائل نہیں ہیں، علامہ شوکانی نے امام احمدؒ امام ابو حنیفہؒ وصاحبین کا مذہب مشروعیت قضاء لکھا ہے، اور ملا علی قاری نے امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ذکر کئے ہیں لیکن روضہ المحتاجین: ۲۲۶ر میں لکھا ہے: "**یسن قضاء ها ان خرج وقتها**" اور علامہ شعرانیؒ نے امام مالکؒ کا مذہب عدم قضاء لکھا ہے اور یہی انوار ساطعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء ہے اور مالکیہ کے یہاں نہیں۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے جس کے لئے امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے، "**باب اذا فاته العيد يصلي ركعتين**" [کہ اگر کسی شہر میں عید کی نماز ہو چکی ہو اور ایک شخص اس میں شریک نہیں ہو سکا تو اس شخص کے حق میں بھی قضاء ہے یا نہیں، حضرت شیخؒ نے تراجم بخاریؒ: ۲۰/۳ر میں لکھا ہے کہ مالکیہ کی اس میں چار روایات ہیں، راجح یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے قضاء عید مستحب ہے، منفرداً او جماعۃً ایسے ہی شافعیہ کے نزدیک بھی مشروع ہے، منفرداً، "**وعند الحنابلة يسن قضائها يومها قبل الزوال وبعده على صفتها**" اور حنفیہ کا

مسلک درمختار میں یہ لکھا ہے ”ولا یصلیها وحده ان فاتت مع الامام“ (مرقاۃ:۲/۲۵۷) (الدر المنضود)

﴿الفصل الثالث﴾

عیدین کی نماز کے لئے اذان واقامت نہیں

﴿۱۳۶۷﴾ وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَا لَمْ یَكُنْ یُؤَذَّنُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا یَوْمَ الْاَضْحیٰ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ یَعْنِیْ عَطَاءً بَعْدَ حِیْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَنِیْ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنْ لَا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ یَوْمَ الْفِطْرِ حِیْنَ یَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا یَخْرُجُ وَلَا اِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَیْءَ لَا نِدَاءَ یَوْمَئِذٍ وَلَا اِقَامَةَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۲۹۰، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر:۸۸۶۔

ترجمه: حضرت ابن جریج سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا: کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ان نمازوں کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی، پھر میں نے حضرت عطاء سے ایک مدت کے بعد اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ عید الفطر کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے، نہ امام کے عیدگاہ نکلنے کے وقت اور نہ نکلنے کے بعد، اور نہ تکبیر ہے، اور نہ نداء

ہے، اور نہ کچھ اور ہے، اس دن نہ نداء ہے اور نہ اقامت ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بہت زور دے کر اور تاکید کے ساتھ اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ عیدین کی نماز کے لئے اذان و اقامت یا کسی اور قسم کا اعلان مشروع نہیں ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور سے اسی پر عمل چلا آ رہا ہے۔

السنداء: نداء سے بعض لوگوں نے اعلان مراد لیا ہے، عید کے دن کسی اعلان کے ذریعہ بھی عیدگاہ میں جمع نہیں کیا جائے گا، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ **"وینبغی ان یفسر النداء بالاذان لانه یستحب ان ینادی لها الصلوۃ جامعة بالاتفاق"** مطلب یہ ہے کہ یہاں نداء کے معنی اذان ہیں، کیونکہ عید کے دن عید کی نماز کے لئے اعلان مثلاً **"الصلوۃ جامعة"** پکارنا بالاتفاق مستحب ہے، دونوں طرح کے اقوال جمع کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ اعلان کی ممانعت کا تعلق عیدگاہ کے اندر اعلان کرنے اور بالالتزام اعلان کرنے سے ہے، اور استحباب کا تعلق اس اعلان سے ہے جو مسجد کے باہر ہو۔ (مرقاۃ: ۲/۲۵۸)

نمازِ عیدین سے قبل خطبہ کی ممانعت

﴿۱۳۶۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ فَیَبْدَأُ بِالصَّلٰوۃِ فَاِذَا صَلّٰی صَلٰوتَہٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاھُمْ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِبَعْثٍ ذَکَرَہٗ لِلنَّاسِ اَوْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَمَرَھُمْ بِھَا وَکَانَ یَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَکَانَ اَکْثَرَ مَنْ یَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَلَمْ یَزَلْ

كَذٰلِكَ حَتّٰى كَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَاِذَا كَثِيْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰى مِنْبَرًا مِنْ طِيْنٍ وَلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِىْ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَجُرُّنِىْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّهٗ نَحْوَ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ قُلْتُ اَيْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَدْ تُرِكَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ كَلَّا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَاتَاْتُوْنَ بِخَيْرٍ مِمَّا اَعْلَمُ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص: ۲۹۰، ج: ۱، کتاب صلوۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن نکلتے تو ابتداء نماز سے فرماتے، پھر جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو کھڑے ہوتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، جب کہ لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لشکر روانہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ فرماتے، اس کے علاوہ کوئی ضرورت ہوتی تو لوگوں کو اس کا حکم فرماتے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو، اور صدقہ کرنے والوں میں عورتوں کی کثرت ہوتی تھی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آتے، پھر یہی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ مروان بن الحکم مدینہ کا گورنر مقرر ہوا، چنانچہ میں مروان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نکلا، یہاں تک ہم دونوں عیدگاہ پہونچ گئے، تو اچانک میری نگاہ اس منبر پر پڑی جس کو کثیر بن صلت نے مٹی اور کچی اینٹ سے بنایا تھا، پھر اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ سے گھسیٹنے لگا، گویا کہ وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ کر لے جانا چاہتا ہے، اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا، جب میں

نے اس کی جانب سے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے کہا کہ نماز سے ابتدا کرنے کا دستور کہاں چلا گیا، مروان بولا اے ابوسعید! جھگڑا نہ کرو، جو چیز تمہارے علم میں ہے وہ چھوڑ دی گئی ہے، میں نے کہا کہ ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو چیز میرے علم میں ہے تم اس سے بہتر پیش نہیں کر سکتے ہو، یہ کلمات تین بار فرمائے، پھر واپس چلے آئے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا خطبہ نماز کے بعد دیتے تھے، کیونکہ لوگ اصلاً نماز پڑھنے آتے ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے نماز پڑھاتے، پھر خطبہ دیتے، جمعہ میں بھی یہی معمول تھا، لیکن مدینہ میں ایک واقعہ پیش آ گیا، جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے، اس واقعہ کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ میں خطبہ نماز سے مقدم کر دیا، لیکن عیدین کا خطبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں اپنی اصل پر رہا، پھر خلفاء راشدین کے دور میں بھی یہی صورت حال برقرار رہی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے گورنر مروان بن حکم نے خطبہ کو مقدم کر دیا، لوگوں نے اس صورت حال پر ناگواری کا اظہار کیا، کیونکہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف تھی، حدیث باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناگواری کا ذکر ہے، انہوں نے صاف طور پر یہ سمجھا دیا کہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور اور خلفاء راشدین کے دور میں تھی اس کو تبدیل کرنا اور اس کو بہتر سمجھنا قطعاً غلط ہے، چنانچہ انہیں اولیاء اللہ کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اپنی اصل شکل پر باقی ہے، اور امت کا اس پر تعامل چلا آ رہا ہے۔

مروان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں اہل بیت علی رضی اللہ عنہ واصحاب

علی رضی اللہ عنہم پر تعریض اوران کی مذمت کرتا تھا، اس لئے بہت سے لوگ اس کا خطبہ بغیر سنے اٹھ جایا کرتے تھے، جب اس نے یہ دیکھا تو پھر دوسری حرکت یہ کی کہ خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا، کیونکہ بغیر نماز کے لوگ واپس نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے مجبوراً ان کو خطبہ سننا پڑتا تھا۔

اول من قدم الخطبۃ: تقدیم خطبہ کے بارے میں امام ترمذیؒ صفحہ نمبر: ۷۰/ میں فرماتے ہیں: "یقال اول من خطب قبل العید مروان" اس پر کوکب میں لکھا ہے یعنی بنیتِ فاسدہ ورنہ مروان سے پہلے خطبہ کی تقدیم عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر چکے ہیں، لیکن ان کی تقدیم کا منشاء کچھ اور تھا وہ یہ کہ ان کے زمانہ تک مسلمانوں کی بہت کثرت ہوگئی تھی۔ اخیر تک عیدگاہ پہونچتے ہی رہتے تھے، تو انہوں نے اس خیال سے کہ لوگوں کی نماز عید فوت نہ ہو، نماز کو خطبہ سے مؤخر فرمادیا تھا، اور اس پر اس زمانہ کے صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے انکار نہیں فرمایا، لہٰذا ان کا یہ فعل فعل حسن ہوا۔

حضرت شیخ نے حاشیہ کوکب میں لکھا ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں تقدیم الخطبہ علی الصلوۃ کو اولیات عثمان سے شمار کیا ہے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے: "اول من قدم الخطبة علی الصلوة معاوية" جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض علماء جن میں ملاعلی قاریؒ بھی ہیں، (کما فی البذل) نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان یا معاویہ رضی اللہ عنہم کی جانب تقدیم خطبہ کی نسبت غلط ہے، اس لئے کہ حدیث الباب میں تصریح ہے کہ مروان سے پہلے ایسا کسی نے نہیں کیا، چنانچہ بخاری کی روایت صفحہ: ۱۳۱/ میں ہے: "فقال ابوسعید فلم یزل الناس علی ذلک حتی خرجت مع مروان الخ" اسی طرح بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "شهدت العید مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فکلهم کانوا یصلون قبل الخطبة" (بخاری شریف: ۱۳۱/۱، باب

الخطبة بعد العید) اسی طرح علامہ عینیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

باب الاضحية

قربانی کا بیان

رقم الحدیث: ۱۳۶۹/ تا ۱۳۹۱/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الاضحیة

(قربانی کابیان)

لفظ اضحیہ کی تحقیق

اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں کئی لغتیں ہیں۔

(۱)......اضحیة: بضم الهمزة.

(۲)......اضحیة: بکسر الهمزة ان دونوں کی جمع ''اضاحی'' آتی ہے، یاء کی تخفیف وتشدید دونوں کے ساتھ۔

(۳)......ضحیة: اس کی جمع ضحایا آتی ہے۔

(۴)......اضحاة: بفتح الهمزة اس کی جمع اضحی آتی ہے، یہ اس جانور کو کہتے ہیں، جو قربانی کے دنوں میں تقرب الی اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔ (التعلیق: ۲/۱۶۷، بذل: ۹/۵۶۶، مرقاۃ: ۲/۲۵۹)

پچھلے باب میں صاحب مشکوۃؒ نے عیدین کے دوسرے افعال واعمال کا تذکرہ کیا تھا،

عید الاضحیٰ کے اہم اعمال میں سے ایک قربانی بھی ہے، اس لئے "باب العیدین" کے بعد قربانی پر مستقل باب قائم کرنا مناسب سمجھا گیا۔

حیثیت قربانی

اس بات پر اجماع ہے کہ قربانی ایک انتہائی پسندیدہ اور مقبول عمل ہے، حدیث میں ہے کہ نحر والے دن قربانی حق تعالیٰ کے ہاں احب الاعمال ہے، قربانی کے استحسان پر متفق ہونے کے بعد ائمہ میں اختلاف ہوا ہے، کہ کیا قربانی واجب بھی ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ ثلاثہ سے یہ منقول ہے کہ قربانی سنت ہے، ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں تصریح کی ہے کہ امام مالک وشافعیؒ کے نزدیک قربانی سنن مؤکدہ میں سے ہے، امام مالکؒ سے ایک روایت وجوب کی بھی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک قربانی واجب ہے، امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے، امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی سنت ہے، امام طحاویؒ نے حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ قربانی امام صاحب کے قول کے مطابق واجب ہے، اور صاحبینؒ کے قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔

دلائل وجوبِ قربانی

حنفیہ نے قربانی کے وجوب پر بہت سے دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱)......قرآن کریم کی آیت مبارکہ "فصل لربک وانحر" اس سورۃ میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نعمت کوثر دینے کی بشارت دی ہے،

پھر اس کے شکریہ میں دو چیزوں کا امر فرمایا ہے: "صـل" یعنی نماز پڑھو، اور دوسرے "انـحـر" اس آیت میں نحر کی کئی تفسیریں سلف سے منقول ہیں ان میں سے ایک تفسیر ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دیگر سلف سے مروی ہے، ان حضرات نے "نـحـر" کی تفسیر قربانی سے کی ہے، مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں: "**عـن ابـن عـبـاس رضی اللہ تـعـالـیٰ عنهما فصل لربک وانحر قال الصلوة المكتوبة والنحر الـنسک والـذبـح والاضـحـی.**" (**جـامـع الـبـيـان: ۳۲۶/۳۰، سورة الـكـوثـر**) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کی اس تفسیر کے مطابق اس آیت میں قربانی کا امر ہوا اور امر کا اصل مقتضی وجوب ہے، اس لئے قربانی واجب ہوگی، قرآن کریم کے امر کا اصل مقتضی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مأمور بہ فرض ہو لیکن یہاں چونکہ نحر کی تفسیر میں اختلاف سلف کی وجہ سے اس کی دلالت میں ظنیت آ گئی ہے، اس لئے اس سے صرف وجوب ہی ثابت ہوگا۔

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث: "**قـال رسـول اللہ صلی اللہ تـعـالـیٰ عـلیه وسلم من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا**" (**ابن ماجه شریف: ۲۲۶، کنز العمال: ۸۶/۵**) [جس شخص کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ جائے۔] اس حدیث شریف کی تخریج ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ نے کی ہے، حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اس حدیث میں وسعت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنے والے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے، یہاں تک فرما دیا کہ ایسا شخص مسلمانوں کی عیدگاہ میں آنے کے لائق نہیں۔ ظاہر ہے ایسی سخت وعید ترک واجب پر ہی ہو سکتی ہے،

ترک سنت یا ترک مستحب پر ایسی وعید نہیں ہوتی، اس حدیث سے ایک تو قربانی کا وجوب ثابت ہوا، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ قربانی ہر شخص پر واجب نہیں بلکہ وجوب اضحیہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان میں سے بعض شرائط آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد "من کان له سعة" سے مستنبط کی گئی ہیں۔

یہ حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے، لیکن بعض حضرات نے اس کی سند پر کچھ کلام کیا ہے، ان کے مفصل جوابات مطولات میں دے دیئے گئے ہیں، یہاں اختصاراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے، اس حدیث کی سند پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن عیاش ہیں اور یہ ضعیف ہیں، لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں، اس لئے کہ ان کی تضعیف بھی کی گئی ہے، لیکن یہ متفق علیہ ضعیف نہیں ہیں۔ امام مسلم نے ان کی روایات متابعات وشواہد میں ذکر کی ہیں، یہ درجہ حسن سے کم کے راوی نہیں۔

دوسرا اعتراض اس کی سند پر یہ کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عیاش کے بعض شاگردان سے یہ حدیث موقوفاً نقل کرتے ہیں، یعنی اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا ارشاد قرار دیتے ہیں، اور بعض محدثین نے موقوف روایت ہی کو اصح قرار دیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث کے رفع ووقف میں روایات مختلف ہوں اور دونوں طرف راوی ثقہ ہوں تو رفع کو زیادہ ثقہ سمجھتے ہوئے قبول کرلیا جاتا ہے۔ مرفوع حدیث کو قبول کر لینے سے موقوف روایات کا ترک لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ بات اس صحابی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہو، بعد میں کبھی یہ بات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بیان فرمادیتے ہوں، اور کبھی اس حدیث کے مطابق اپنے فتویٰ کے طور پر۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ حدیث موقوف ہی ہے تب بھی ہمارے لئے مضر نہیں، اس لئے کہ یہ موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہوگی، کیونکہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اس طرح وعید بیان کرنا در

اصل آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا منصب ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ وعید بیان کی ہے یہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر ہی کی ہوگی۔

(۳)...... فصل ثالث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: **"اقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینة عشر سنین یضحی"** اس سے معلوم ہوا کہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد قربانی پر مواظبت کی ہے، آنخضرت کی مواظبت دلیل وجوب ہے، اس لئے کہ اگر اس کا ترک جائز ہوتا تو زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو بیان جواز کے لئے اسے ترک کرتے۔

(۴)...... صحاح ستہ کی بہت سی احادیث میں یہ مضمون آرہا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ بعض لوگوں نے مدینہ منورہ کے اندر عید کی نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: **"من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح مکانها اخری ومن لم یذبح فلیذبح باسم اللہ" (مسلم شریف: ۲/۱۵۳، باب وقتها، کتاب الاضاحی)** یہ الفاظ فصل ثالث میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متفق علیہ روایت کے ہیں، اس میں ایک تو نماز عید سے پہلے قربانی کرنے والوں کو صیغۂ امر کے ساتھ دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم نہ دیتے، پھر ان لوگوں کو ذبح اضحیہ کا امر فرمایا، جنہوں نے عید سے پہلے قربانی نہیں کی، اور امر کا اصل مقتضی وجوب ہے، اس سے ثابت ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

ابن حزم نے حدیث کے پہلے حصہ سے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان کو آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعادۂ اضحیہ کا حکم اس کے وجوب کی وجہ سے نہیں دیا، بلکہ

اس وجہ سے دیا ہے کہ نفل عبادت بھی شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے، اعلاء السنن میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے سے تب واجب ہوتی ہے جب کہ اس کو اس کے وقت مشروع میں شروع کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص یوم نحر کا روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوگی، یہاں بھی ایسے ہی ہے، اس لئے کہ شہر میں رہنے والے کے لئے نمازِ عید سے پہلے قربانی کا وقت مشروع نہیں ہوتا، نیز یہ بات نص حدیث سے ثابت ہے کہ جس کو دوبارہ قربانی کا حکم دیا ہے وہ قبل الصلوۃ ذبح کی وجہ سے۔ شارع فی الاضحیۃ نہیں بنے تھے۔

"لقوله عليه السلام من ذبح قبل ان نصلى فانما هو شاة لحم عجلها لاهله ليست من النسک في شيء" (بخاری شریف: ۱۳۲/۱، حدیث نمبر: ۹۶۸)

نحر: اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں۔

ذبح: چھوٹے جانور کی قربانی کو کہتے ہیں۔ (اوجز: ۲۲۴/۹، مرقاۃ: ۲۶۰/۲) (اشرف التوضیح)

﴿الفصل الاول﴾

قربانی کا مسنون طریقہ

﴿۱۳۶۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعاً قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۳۴، باب وضع القدم علی صفح الذبیحة، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۵۲۴۹۔ مسلم شریف: ۲/۱۵۵، باب استحباب الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۶۶۔

حل لغات: املحین، مختلف رنگ کے چت کبرے۔ اقرنین، سینگ والے۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو چت کبرے سینگ دار مینڈھے اپنے ہاتھوں سے ذبح فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت تسمیہ اور تکبیر پڑھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قربانی کرتے وقت اپنا پاؤں جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں، اور "بسم اللہ و اللہ اکبر" پڑھ رہے ہیں۔

تشریح: ضحی رسول اللہ ﷺ بکبشین: قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ذبح کرنے کے آداب سے اچھی طرح واقف ہو، اور اگر ذبح کے آداب سے واقف نہ ہو تو دوسرے سے بھی قربانی کرانا جائز ہے، لیکن قربانی کے وقت موجود ہونا بہتر ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۰، التعلیق: ۲/۱۶۷)

وسمی وکبر: ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اور تکبیر تمام حضرات کے نزدیک مستحب ہے، نیز "بسم اللہ اکبر" کہنا افضل ہے۔ جمہور کے نزدیک ذبح کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے۔ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بائیں کروٹ لٹایا جائے تاکہ اس کا سر ذبح کرنے والے کے بائیں طرف ہو جائے اور ذبح کرنے والا اس کے سر کو بائیں ہاتھ سے دبا کر دائیں ہاتھ سے بسہولت ذبح کرے، اور ذبح کرنے والا جانور

کے ایک جانب قدم بھی رکھ لے تا کہ جانور کی روح جلد نکل جائے۔(مرقاۃ:۲/۲۶۰)

ایضاً

﴿۱۳۷۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۵۶، باب استحباب الاضحية، کتاب الاضاحي، حدیث نمبر:۱۹۶۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ لانے کا حکم کیا، جو سینگ دار ہو، جو سیاہی میں چلتا ہو، سیاہی میں بیٹھتا ہو، اور سیاہی میں دیکھتا ہو، چنانچہ ایسا ہی دنبہ لایا گیا، تا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی قربانی کریں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عائشہ! چھری لے کر آؤ، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ چھری کو پتھر پر تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھری لی اور دنبہ کو پکڑا پھر اس کو لٹایا اور ذبح کرنے کا ارادہ کیا، تو یہ پڑھا ''بسم اللہ الخ'' اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، اے اللہ اس قربانی کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے، آلِ محمد کی طرف سے اور امت محمد

کی طرف سے قبول فرمائیے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنبہ کی قربانی کی۔

تشــــریح: دنبہ کی قربانی تو ایک ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ البتہ اس کا ثواب سب کو پہونچایا جا سکتا ہے۔

اقرن: سینگ دار۔

یطاء فی سواد: جو سیاہی میں چلے، مطلب یہ ہے کہ اس کے پیر سیاہ ہوں۔

یبرک فی سواد: [سیاہی میں بیٹھے] مطلب یہ ہے کہ اسکا پیٹ سیاہ ہو۔ سیاہ پیٹ والا۔

ینظر فی سواد: جو سیاہی میں دیکھے، مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھیں سیاہ ہوں، سیاہ آنکھ والا۔ (التعلیق: ۲/۱۶۷)

اس حدیث شریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عمدہ جانور کی قربانی افضل ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس جانور کا گوشت عمدہ اور اچھا ہو اس جانور کی قربانی کرنا افضل ہے۔ (شامی زکریا: ۹/۴۶۶)

چھری کو تیز کرنا

اَشْحَذِیْھَا بِحَجَرٍ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جانور کو تیز چھری سے ذبح کرنا چاہئے، چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں اپنی چھری کو تیز کر لینا چاہئے، نیز جانور کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو جانور کے سامنے چھری تیز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو آپ نے درہ سے مارا، اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۱)

امت کی طرف سے قربانی کرنا

اللھم تقبل من محمد و اٰل محمد: اس حدیث شریف سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جانور کی ہی قربانی فرمائی، اوراس جانور میں اپنی آل اور تمام امت کو شریک کیا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے، دراصل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دنبے قربان کئے تھے، ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی، اور دوسری قربانی کا ثواب امت اور اپنی آل کو پہونچایا تھا۔ (بذل:۹/۵۳۹،عون المعبود:۳/۵۰)

ایک بکری کی قربای کئی افراد کی طرف سے

سوال: کیا ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی افراد کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک دنبہ اور بکرے کی قربانی میں کئی افراد کی شرکت نہیں ہوسکتی ہے، ایک دنبہ اور ایک بکرا ایک شخص ہی کی طرف سے کافی ہوگا، جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ ثواب پہونچانا مقصود ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۶۱،اعلاء السنن:۱۷/۲۱۱)

فائدہ: (۱)......قربانی کا جانور دوسرے سے خریدوانا درست ہے۔

(۲)......افضل اوراعلیٰ جانور کی قربان کرنا افضل ہے۔

(۳)......سینگوں والا، سیاہ پیروالا، سیاہ پیٹ والا، سیاہ آنکھ والا مینڈھا بہتر ہوتا ہے۔

(۴)......تیز چھری سے ذبح کرنا افضل ہے۔

(۵)......دوسرے شخص سے چھری تیز کرواسکتے ہیں۔

(۶)......شوہر اپنی بیوی سے بھی خدمت لے سکتا ہے، اس سے چھری وغیرہ بھی تیز کرا سکتا ہے۔

(۷)......اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔

(۸)......چھوٹے جانور کو لٹا کر ذبح کرنا افضل ہے۔

(۹)......ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھانا چاہئے۔

(۱۰)......ذبح کے وقت قبولیت کی دعا کرنا چاہئے۔

(۱۱)......ایک مینڈھا یا بکری کے ثواب میں متعدد افراد کو شریک کر سکتے ہیں۔

(۱۲)......بے شمار افراد کو بھی ثواب میں شریک کر سکتے ہیں۔

(۱۳)...... جو حضرات ابھی پیدا نہیں ہوئے، بعد میں پیدا ہونے والوں کو بھی ثواب میں شریک کر سکتے ہیں۔ چونکہ امت میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام افراد شامل ہیں۔

(۱۴)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، امت پر شفقت بے نہایت کا علم ہوا۔

(۱۵)...... صاحب استطاعت حضرات کو چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کا اہتمام کریں۔

قربانی کے جانور کی عمر

﴿۱۳۷۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَّعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّانِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۱۵۵، باب سن الاضحية، كتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۹۶۳۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ قربانی میں تم صرف ''مسنہ'' جانور ذبح کرو، البتہ اگر مسنہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ یا بھیڑ کا ''جذعہ'' ذبح کرلو۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے فقہا کی ایک اصطلاح سمجھنا ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ اصلاً فقہ میں ''مسنہ'' سے بکرے اور دنبہ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جو ایک سال کا ہوگیا ہو، گائے اور بھینس وغیرہ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جس کے دو سال پورے ہوگئے ہوں، اونٹ میں وہ جانور مراد ہوتا ہے جس کے پانچ سال پورے ہوگئے ہوں۔ اور ''جذعہ'' دنبہ یا بھیڑ کا وہ بچہ کہلاتا ہے جس کی عمر چھ مہینے پوری ہوگئی ہو، اس بات کو سمجھنے کے بعد اب حدیث کا مطلب سمجھئے، حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا جانوروں میں مسنہ کی قربانی ضروری ہے، البتہ بھیڑ اور دنبہ میں ''جذعہ'' یعنی چھ مہینے کے بچے کی بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔

لاتذبحوا الا مسنة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ مسنہ جانور ہی قربانی کرو، یعنی اس جانور کی قربانی کرو، جو عمر دار ہو، اور عمر دار جانور اس وقت کہلاتا ہے، جب اس کے دودھ کے دانت ٹوٹنے کی عمر ہوجاتی ہے، عربی میں اس کو ''ثنی'' کہتے ہیں، یعنی وہ جانور جس کے آگے کے دانت گر گئے ہوں، کس جانور کو کب مسنہ کہا جائے گا، اس کی وضاحت گذشتہ سطور میں ہوچکی ہے۔

جذعة من الضأن: حدیث شریف کے اس جزء کا حاصل یہ ہے کہ دنبہ اگر چہ ایک سال کا ہونے پر مسنہ ہوتا ہے، لیکن اس کے مسنہ ہونے سے پہلے جبکہ وہ

"جذعـہ" یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد ہو، اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے قید یہ ہے کہ وہ بھیڑ ایسا موٹا تازہ ہو، اگر سال بھر کی بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے تو دوسروں سے چھوٹا محسوس نہ ہو، یہاں پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بکری کے چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد مدت کے بچہ کی قربانی درست نہیں ہے، بکری کے لئے تو ایک سال کا ہونا ضروری ہے، عربی میں لفظ "غـنـم" جنس ہے، اس کے تحت دو قسمیں ہیں: (۱) معز، بکری۔ (۲) ضأن، بھیڑ۔ جن احادیث میں "غـنـما جذعا" کا تذکرہ آیا ہے اور اس کی قربانی کو درست بتایا گیا ہے، وہاں بھیڑ ہی مراد ہے، ترمذی شریف میں حدیث ہے: "عـن ابی کباش قال جلبت غنما جذعا الی المدینة فکسدت علی فلقیت اباهریرة فسألته فقال سمعت رسـول الله صـلـی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول نعم او نعمت الاضحیة الجذع مـن الـضـان فقال فانتهبه الناس" (ترمذی شریف: ۲۷۶/ ۱، باب فی الجذع مـن الـضأن فی الاضاحی) [ابوکباش کہتے ہیں کہ میں چھ ماہ کے دنبے بیچنے کی غرض سے مدینہ منورہ لے کر آیا، لوگوں نے ان کو خریدنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کرکے ایک سال سے کم عمر کے دنبوں کی قربانی کے جواز کی بابت دریافت کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ چھ ماہ کا بھیڑ بہترین قربانی ہے، یہ حدیث سن کر لوگ میرے جانور کو خریدنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔] (التعلیق: ۲/۱۶۸،۱۶۷، مرقاۃ: ۲/۲۶۱، اوجز: ۹/۲۳)

بکری کے بچہ کی قربانی

﴿۱۳۷۲﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ

اَلنَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَاہُ غَنَماً یَقْسِمُھَا عَلٰی صَحَابَتِہٖ ضَحَایَا فَبَقِیَ عَتُوْدٌ فَذَکَرَہٗ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِہٖ اَنْتَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصَابَنِیْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِہٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۳۳، باب ضحیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۵۳۴۰۔مسلم شریف: ۲/۱۵۴، باب فی الاضحیۃ، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۹۶۵۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قربانی کی بکریاں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تقسیم کرنے کیلئے دیں، چھ ماہ کا ایک بکری کا بچہ رہ گیا، حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کی قربانی تم کرلو۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: "قلت یارسول اللہ! الخ" میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے حصہ میں تو "جذعہ" چھ ماہ کا بچہ آیا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو۔

تشریح: فبقی عتود: باقی بچہ رہ گیا، گذشتہ حدیث کے تحت ہے کہ "غنم" جنس ہے، جس کی ایک صنف "معز" یعنی بکری ہے اور دوسری صنف "ضان" یعنی دنبہ ہے، اب اگر یہاں دنبہ کا "عتود" یعنی بچہ مراد لیا جائے تب تو کوئی مسئلہ رہا ہی نہیں، اس لئے کہ اگر دنبہ کا بچہ موٹا تازہ ہے اور وہ سال بھر سے کم ہے تو بھی قربانی درست ہے، لیکن اگر یہاں "غنم" سے بکری اور "عتود" سے بکری کا بچہ مراد ہو تب یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو رخصت عطا کی ہے وہ ان صحابی کے ساتھ خاص ہے، عام لوگوں

کے لئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان یہی ہے کہ "لا تذبحوا الا مسنة" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت براء کے ماموں کو بھی بکری کے بچہ کی قربانی کی اجازت دی تھی، اور صراحت کر دی تھی کہ دوسرے کے لئے بکری کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے، ترمذی شریف میں وہ روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا یوں ہے: "فقال یا رسول اللہ! عندی عناق لبن هی خیر من شاتی لحم افاذبحها قال نعم وهو خیر نسیکتک ولا تجزئ جذعة بعدک" (ترمذی شریف: ۱/۲۷۷) حضرت براء کے ماموں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو گھر کے دودھ سے پلا ہے، وہ گوشت کی دو بکریوں سے بہتر ہے، کیا میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کر سکتے ہو، اور یہ تمہاری دونوں قربانیوں میں سے بہتر ہے، اور تمہارے بعد کسی کے لئے "جذعہ" (یعنی ایک سال سے کم عمر کی بکری) کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۲)

عیدگاہ میں قربانی

﴿۱۳۷۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رواه البخاري)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۳۴، باب النحر والذبح یوم النحر بالمصلی، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے۔

تشــــریح: قربانی کا جانور عیدگاہ میں ذبح کرنا یانحر کرنا زیادہ بہتر ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، اس میں بہت سی مصلحتیں اور بہت سے فوائد ہیں، اب گھر میں قربانی کا رواج ہے یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معمول کے خلاف ہے، اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ بعد کے زمانہ میں جو گھروں میں قربانی کا راج ہوا ہے وہ امر محدث ہے۔ لیکن شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے کہ آج کل کے حالات کے اعتبار سے بالخصوص ہندوستان میں گھروں ہی میں قربانی بہتر ہے۔ ذبح اور نحر میں فرق اور باقی تفصیل کتاب العیدین میں گذر چکی۔

عیدگاہ میں قربانی کے فوائد

(۱)......قربانی شعائر اسلام میں سے ہے اس کے لئے اظہار اور مجمع میں کرنا ہی بہتر ہے۔

(۲)......لوگ ذبح کا طریقہ اور مسائل سیکھ سکتے ہیں۔

(۳)......فقراء اور ضرورت مندوں کو گوشت تقسیم کرنے میں سہولت ہے۔

(۴)......ذبح کرنے میں گوشت بنانے میں احباب مدد بھی کر سکتے ہیں۔

(۵)......ذبح کے فوراً بعد کلیجی گردے وغیرہ کسی خادم وغیرہ کے ذریعہ تیزی سے گھر بھیج سکتے ہیں، تاکہ گھر پہنچنے تک وہ تیار ہو جائیں، اور گھر جاتے ہی قربانی کا گوشت کھا سکیں۔

قربانی کے جانور میں شرکت

﴿۱۳۷۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔
(رواه مسلم وابو داؤد) وَاللَّفْظُ لَهٗ۔

حواله: مسلم شريف: ٤٢٤/١، باب جواز الاشتراک فی الهدی، کتاب الحج، حدیث نمبر:١٣١٨۔ ابو داؤد شریف: ٣٨٨/٢، باب البقرة والجزور، کتاب الضحایا، حدیث نمبر:٢٨٠٨۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک گائے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ (مسلم، ابو داؤد) الفاظ حدیث ابو داؤد کے ہیں۔

تشریح: بڑے جانور مثلاً اونٹ گائے، بھینس وغیرہ میں سات افراد کی شرکت ہو سکتی ہے، یعنی سات لوگ مل کر ایک جانور کی قربانی کریں، تو سب کی طرف سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

البقرة عن سبعة: اس روایت سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہی جمہور کا مذہب بھی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بھی یوں ہے کہ "نحرنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة" (ترمذی شریف: ٢٧٦/١) [حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔]

جمہور کے خلاف امام اسحٰق اونٹ میں دس افراد کی شرکت کا موقف اختیار کرتے ہیں، اور اپنے مسلک پر ترمذی شریف کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "عن ابن

عباس کنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرة سبعة وفی البعیر عشرة" (ترمذی شریف: ۲۷۶/۱، باب فی الاشتراک فی الاضحیة) [حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس سفر میں عید الاضحیٰ کا دن آ گیا تو گائے میں ہم سات آدمی شریک ہوئے، اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔]

اس حدیث کا جمہور کی طرف سے ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث صریح نہیں ہے، اس لئے کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ ''علامہ مظہر'' نے اس حدیث کو باب والی حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت موقوف ہے، لہٰذا یہ روایت جمہور کی روایات صحیحہ کے معارض نہیں ہو سکتی۔ (مرقاۃ: ۳/۳۱۲، بذل: ۹/۵۶۱)

عشرۂ ذی الحجہ میں بال ناخون تراشنا

﴿۱۳۷۵﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئاً وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَّنْ رَاٰى هِلَالَ ذِيْ الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲/۱۶۰، باب نهی من دخل علیه عشر ذی الحجة وهو یرید التضحیة ان یاخذ من شعره، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۷۷۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ داخل ہو، اور تم میں سے کسی نے قربانی کا ارادہ کرلیا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بال اور ناخن کو ہاتھ نہ لگائے۔ ایک روایت میں ہے کہ نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ نہ اپنے بال کٹوائے اور نہ اپنے ناخن ترشوائے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ حجاج کرام کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑی قدر ومنزلت ہے، حاجی کو یہ حکم ہے کہ وہ قربانی کرنے سے پہلے بال اور ناخن نہ ترشوائے، اور نہ خط بنوائے، حجاج کرام سے کچھ مشابہت پیدا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت خصوصی طور پر متوجہ ہو جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجاج کے علاوہ دیگر لوگوں کو جو کہ اپنے وطن میں ہیں اور ان کو قربانی کرنا ہے، یہ حکم دیا کہ یہ بھی ذی الحجہ کا چاند دیکھ کر قربانی کے فریضہ سے فارغ ہونے تک خط نہ بنوائیں، بال اور ناخن نہ ترشوائیں۔ (التعلیق: ۲/۱۶۸، مرقاۃ: ۲/۲۶۳)

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض وجوب کے قائل ہیں اور بعض عدم وجوب کے قائل ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک ہر مقیم صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔

دلائل: (۱)......عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینة عشر سنین یضحی. (ترمذی: ۱/۲۷۷) اس

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قیام مدینہ کے دس سالہ عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بھی قربانی ترک نہیں فرمائی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے۔

(۲)......**عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (ابن ماجه شريف: ۲۲۶، حاكم للمستدرك: ۴/۲۵۸)** [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔] اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی نہ کرنے والے پر وعید فرمائی ہے، اور وعید ترک واجب پر ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

شوافع کا مذهب: شوافع وغیرہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، حدیث باب میں قربانی کو ارادہ سے معلق کیا گیا ہے، اور تعلیق بالارادہ وجوب کے منافی ہے، اسی طرح یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ''اضحیة'' کے ساتھ سنت کا لفظ آیا ہے۔

جـــواب: ارادہ کا تعلق سنت اور وجوب دونوں سے ہوسکتا ہے، جیسے کہ فرمانِ نبوی ہے: ''**من اراد الجمعة فليغتسل**'' ایسا نہیں ہے کہ جمعہ جس کا جی چاہے پڑھے، اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے بلکہ جمعہ تو فرض ہے، لیکن ارادہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اسی طرح ''سنت'' کا لفظ بعض اوقات واجب کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے ختنہ کرنے کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنت فرمایا ہے، حالانکہ ختنہ کرانا واجب ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اوقات ''اضحیۃ''

کے لئے سنت کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن قربانی واجب ہے۔

ارادہ کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ

سوال: جب قربانی واجب ہے تو حدیث باب میں لفظ ''ارادہ'' استعمال کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: بعض اوقات آدمی پر قربانی واجب نہیں ہوتی، لیکن وہ قربانی کا ارادہ کر لیتا ہے ان افراد کو بھی اگلے حکم کے تحت داخل کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ کا لفظ استعمال فرمایا، اس لفظ کے استعمال کرنے سے صاحب حیثیت لوگوں پر قربانی کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (التعلیق:۱۶۸/۲، مرقاۃ:۲۶۲/۲، بذل:۵۲۹،۵۳۱/۹)

عشرۂ ذی الحجہ میں بال ناخون نہ ترشوانا

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، لہٰذا اگر کسی کو زیرناف اور ناخن وغیرہ تراشے ہوئے چالیس دن گذر گئے ہوں تو عشرۂ ذی الحجہ میں اس کے لئے ان کو کاٹنا ضروری ہے۔ کیونکہ چالیس دن سے زیادہ زیرناف کے بال اور ناخن نہ کاٹنا مکروہ تحریمی ہے، ایسی صورت میں ایک مستحب کام کیلئے مکروہ تحریمی کا ارتکاب درست نہیں ہے۔ (بذل:۵۳۷/۹، اعلاء السنن:۲۷۱/۱۷، اجز:۲۳۸/۹، مرقاۃ:۲۶۳/۲)

مِنْ شَعَرِہٖ وَبَشَرِہٖ کے معنی

سوال: حدیث باب میں ''بشرہ'' کا لفظ آیا ہے، ''بشرہ'' کے معنی کھال کے آتے

ہیں، بال ترشوانا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن کھال کے ترشوانے اور ان ایام میں اس کے نہ ترشوانے کا حکم دینا اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ہے، ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممانعت کیوں فرمائی ہے۔

جواب: یہاں ''بشرہ'' سے کھال اور چمڑا مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے ناخن مراد ہے، جیسا کہ اس حدیث شریف کے تحت دوسری روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ "لایقلمن ظفرا" عشرۂ ذی الحجہ میں ناخن نہ ترشوائے جائیں، اس کے آگے کلمات ہیں: "لایاخذ من شعرہ ولا من اظفارہ" قربانی کا ارادہ کرنے والے اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائیں۔ (التعلیق: ۲/۱۶۹)

عشرۂ ذی الحجہ کی اہمیت

﴿۱۳۷۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۳۲، باب فضل العمل فی ایام التشریق، کتاب العیدین، حدیث نمبر: ۹۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ کو ان ایام یعنی عشرۂ ذی الحجہ میں عمل صالح جتنا زیادہ محبوب ہے دیگر ایام میں اتنا نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے راستے میں جہاد بھی نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاد بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان ومال کو لے کر جہاد کے لئے نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہیں لوٹا۔

تشــریح: عشرۂ ذی الحجہ میں کئے گئے اعمال خیر دیگر ایام میں کئے گئے اس طرح کے اعمال خیر سے ثواب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ان ایام میں پڑھی جانے والی نمازوں کا ثواب دیگر دنوں میں پڑھی گئی، نمازوں سے زیادہ ہوگا، اس طرح ان ایام کے روزے دیگر ایام کے روزوں سے افضل ہیں۔

الایام العشر: تمام ایام میں سب سے افضل عشرۂ ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ان میں نماز، روزہ، قربانی، حج، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس جیسی دیگر تمام بنیادی عبادتیں سب کی سب پائی جاتی ہیں۔

عشرہ ذی الحجہ اور رمضان المبارک

سوال: کیا عشرۂ ذی الحجہ رمضان المبارک کے ایام سے بھی بہتر ہے؟

جواب: رمضان المبارک کے ایام کی فضیلت بہت بڑھی ہوئی ہے، اس میں نفل کا ثواب فرض کے ثواب کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔ اس لئے رمضان کے دنوں کا دیگر دنوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے، یہاں عشرۂ ذی الحجہ کے ایام کی فضیلت در حقیقت ''ایام رمضان'' کے استثناء کے ساتھ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۴)

اعمال عشرہ ذی الحجہ اور جہاد

ولا الجهاد في سبيل الله: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس موقعہ پر جہاد کے بارے میں اس لئے سوال کیا کہ "عشرۂ ذی الحجہ" میں حج کی ادائیگی بھی ہوتی ہے، اب جو شخص حج میں مشغول ہوگا، وہ جہاد تو نہیں کر رہا ہوگا۔ لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ ان ایام کے اعمال سے جہاد افضل ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ان ایام کے اعمال جہاد سے افضل ہیں۔ البتہ جہاد کی ایک صورت ہے جو ان ایام کے اعمال سے بھی افضل ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ مجاہد اپنے مال اور جان کی قربانی پیش کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہو جائے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۴)

اعمال عشرہ ذی الحجہ

بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ ان ایام کی دیگر ایام سے فضیلت ان اعمال سے وابستہ ہے، جو اعمال ان ایام کے ساتھ مخصوص ہیں، اور وہ دو عمل ہیں۔ (۱) تکبیر۔ (۲) نفلی روزے۔

تکبیر کے دو درجے ہیں: (۱) وجوب یہ تو ۹/ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک ہے۔ (۲) مندوب۔ ایام عشرۂ میں کثرت سے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے تکبیر پڑھنا بہت مستحسن ہے۔ عشرۂ ذی الحجہ میں روزے ۹/ تاریخ تک ہیں۔ عشر کہنا مجاز اور تغلیب کے طور پر ہے۔ ان ایام میں روزہ کی بڑی فضیلت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، اور ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ تو اب حدیث کا حاصل یہ ہوگیا کہ ان ایام کے خصوصی اعمال یعنی تکبیرات اور روزہ دیگر ایام کے تمام نفلی اعمال سے افضل ہیں۔ ایسی صورت میں صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ کیا یہ اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے ہاں یہ اعمال جہاد سے بھی افضل ہیں، مگر جس شخص نے شہادت کا درجہ پالیا، اس کا جہاد ان اعمال سے افضل ہے۔
(معارف السنن: ۵/۴۴۲، مرقاۃ: ۲/۲۶۸، قبل فصل الثانی)(تحفۃ الالمعی)

﴿الفصل الثانی﴾

خصی کی قربانی

﴿۱۳۷۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الذَّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ۔ (رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة والدارمی) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیِّ ذَبَحَ بِیَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ وَاَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۷۵، ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۶، باب مایستحب من الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۲۷۹۵۔ ابن ماجہ

شریف:۲۲۵، باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۳۱۲۱۔دارمی:۲/۱۰۳، باب السنة فی الاضحية، کتاب الاضحية، ترمذی شریف:۱/۲۷۸، باب کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۵۲۱۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن دو سینگوں دار، چتکبرے، خصی، دنبے ذبح کئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا منہ قبلہ کی طرف کیا، اور یہ دعا پڑھی: "انی وجهت وجهی ......الخ" میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، دراں حالیکہ میں ابراہیم کی ملت پر ہوں، جو یکسو تھے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا مالک و پروردگار ہے، اے اللہ! یہ قربانی آپ ہی کے فضل سے ہے، اور آپ ہی کی رضا کے لئے ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور اس کی امت کی طرف سے قبول فرمایئے، پھر "بسم الله الله اكبر" فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذبح فرمایا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) ایک روایت احمد، ابوداؤد، اور ترمذی نے نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا، ور ارشاد فرمایا: "بسم الله الله اكبر" اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے ہے، اور میرے اس امتی کی طرف سے جو قربانی نہ کرسکا ہو۔

تشریح: بعض اہل علم نے خصی جانور کی قربانی کو مکروہ فرمایا ہے، اس لئے کہ اس کے اعضاء کے اندر کمی آ گئی، لیکن صحیح یہ ہے کہ خصی جانور کی قربانی مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ خصی ہونے کی وجہ سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے، نیز جب اس کی قربانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمائی ہے تو وہ مکروہ کیسے ہوسکتی ہے؟ اسی لئے بعض حضرات نے خصی جانور کی قربانی کو بہتر قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۴، التعلیق: ۲/۱۲۹)

وما انا من المشرکین: کا حاصل یہ ہے کہ میں تمام ادیان باطلہ سے دور رہکر خالص توحید الٰہی کی طرف راغب ہوں اور پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف التفات بھی نہیں کرتا اور ہر طرح کے شرک جلی اور خفی سے بالکلیہ دور ہوں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۴)

باقی تفصیل اس حدیث پاک سے متعلق ماقبل میں گذر چکی۔

میت کی طرف سے قربانی

﴿۱۳۷۸﴾ وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔ (رواه ابوداؤد) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۵، باب الاضحیة عن المیت، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۲۷۹۰۔ ترمذی شریف: ۱/۲۷۵، باب ماجاء فی الاضحیة عن المیت، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۴۹۵۔

ترجمه: حضرت حنشؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو دنبے ذبح کرتے دیکھا، میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کروں، لہٰذا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

طرف سے قربانی کرتا ہوں، (ابوداؤد) ترمذی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول اپنی حیات طیبہ میں یہ رہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو دنبے ذبح فرماتے تھے۔ حدیث باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دو دنبے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دو دنبے ذبح کئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی حیات میں یہی معمول تھا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ ایک دنبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور ایک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کیا۔ معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔

میت کی طرف سے قربانی کا مطلب یہ ہے کہ میت کو ثواب پہنچے، حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جو قربانی کی گئی ہو اس کا تمام گوشت صدقہ کرنا چاہئے، جب کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عام قربانی کے گوشت کی طرح اس میں سے بھی اپنے استعمال میں لیا جا سکتا ہے، غیر مقلدین میت کی طرف سے قربانی کو جائز نہیں سمجھتے۔ دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا اور عمل حدیث کے خلاف، تقلید کو شرک کہتے ہیں اور خود اپنے بڑوں کی تقلید میں اتنے متشدد ہیں کہ حدیث پاک کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے، اور یہاں تک کہہ دیا کہ "فلا ادعہ ابداً" میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنی حیات میں اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے رہے، اور امت میں زندہ و مردہ سب ہی ہیں۔ (عون المعبود: ۳/۵۰، التعلیق: ۲/۱۷۰، مرقاۃ: ۲/۲۶۵)

کس جانور کی قربانی جائز نہیں

﴿۱۳۷۹﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجة) وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰی قَوْلِهٖ وَالْاُذُنَ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۳۸۸/ ۲، باب مايكره من الضحايا، كتاب الضحايا، حدیث نمبر: ۲۸۰۴۔ ترمذی شريف: ۲۷۵/ ۱، باب مايكره من الاضاحی، كتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۴۹۸۔ نسائی شريف: ۱۸۰/ ۲، باب المقابلة، كتاب الضحايا، حدیث نمبر: ۴۳۸۴۔ دارمی: ۱۰۶/ ۲، باب مالايجوز فی الاضاحی، كتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۵۲۔ ابن ماجه شريف: ۲۲۷، باب مايكره ان يضحی به، كتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۳۱۴۳۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھوں اور کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں، اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی جانب سے یا پچھلی جانب سے کٹا ہوا ہو، اور نہ اس جانور کی قربانی کریں جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں، اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابن ماجہ نے یہ روایت "الاذن" تک ذکر کی ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ اس میں عیب کثیر تو نہیں ہے، جو جانور اندھا یا کانا ہے اس کی قربانی درست نہیں ہے، اسی طرح جس جانور کے پیدائشی کان نہیں ہیں یا اس کا نصف سے زائد کان کٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

"مقابلہ" سے مراد وہ جانور ہے کہ جس کے آگے سے کان کٹا ہوا ہو، اور بقیہ لٹکتا ہوا رہ گیا ہو۔

"خرقاء" سے مراد وہ جانور ہے کہ جس کے کان کو چوڑائی میں کاٹا گیا ہو، یا جس کے کان میں گول سوراخ کیا گیا ہو۔

علامہ مظہری فرماتے ہیں کہ جس بکری کا کان تھوڑا سا بھی کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں مطلق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر نصف سے کم کان کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، امام صاحب کی دلیل حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: "**قال قتادة سمعت ابن کلیب قال سمعت علیا یقول نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن عضباء القرن والاذن قال قتادة فقلت لسعید بن المسیب ما عضباء الاذن قال اذا کان النصف او اکثر من ذلک مقطوعا**" (**طحاوی شریف: ۲/۲۷۱، کتاب الصید والذبائح**) اس حدیث شریف میں واضح طور پر **عضباء الاذن** یعنی نصف یا اس سے زائد کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر نصف سے کم کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے صراحت ہو گئی ہے کہ

نصف یا اس سے زائد کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی درست نہیں، تو حدیث باب میں بھی مقابلہ ومدابرہ سے وہ جانور مراد ہوگا کہ جس کا نصف یا اس سے زائد کان کٹا ہوا ہوتا کہ دونوں حدیث میں تعارض بھی نہ رہے اور دونوں میں تطبیق ہوجائے یا کہ حدیث باب میں جو نہی ہے اس سے مراد نہی تنزیہی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۶۵، التعلیق:۲/۱۷۰)

ایضاً

﴿۱۳۸۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه شريف: ۲۲۷، باب مايكره ان يضحى به، كتاب الاضاحي، حدیث نمبر: ۱۳۴۵۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سینگ ٹوٹے اور کان کٹے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشريح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ جس جانور میں عیب کثیر ہو، مثلاً کان نصف سے زائد کٹا ہے، یا جس کے سینگ جڑ سے ٹوٹے ہوں، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

"اعضب القرن" سے مراد وہ جانور ہے جس کے سینگ اس طرح جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں کہ اس کا گودا نظر آتا ہو۔

اور "اعضب الاذن" سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان کا نصف یا اس سے زائد حصہ کٹا ہوا ہو۔ (التعلیق:۲/۱۷۰)

ایضاً

﴿۱۳۸۱﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَاتُنْقِيْ۔ (رواه مالك واحمد والترمذي وابوداؤد والنسائي وابن ماجة والدارمي)

حواله: مؤطا امام مالک:۱۸۷، باب ماينهى عنه من الضحايا، كتاب الضحايا، مسند احمد: ۴/۲۸۹، ابوداؤد شریف:۲/۳۸۷، باب مايكره من الضحايا، كتاب الضحايا، حدیث نمبر:۲۸۰۲۔ ترمذی شریف:۱/۲۷۵، باب مالايجوز من الاضاحي، كتاب الضحايا، حدیث نمبر:۱۴۸۱۔ ابن ماجه شریف:۲۲۷، باب مايكره ان يضحى به، كتاب الاضاحي، حدیث نمبر:۳۱۴۴۔ دارمی:۲/۱۰۵، باب مالايجوز في الاضاحي، كتاب الاضاحي، حدیث نمبر:۱۹۴۹۔

ترجمه: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا جانور قربانی کے لائق نہیں ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ چار طرح کے جانور:

(۱)......وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

(۲)......وہ کانا جانور جس کا کانا پن خوب واضح ہو۔

(۳)......وہ بیمار جانور جس کی بیماری نمایاں ہو۔

(۴)......ایسادبلا جانور کہ جس کی نلیوں میں گودا نہ ہو۔

تشــــریح: اس حدیث شریف میں چار طرح کے عیب والے جانور کی قربانی کی ممانعت کا تذکرہ ہے۔

(۱)...... ایسالنگڑا جانور جو تین پیروں سے چلتا ہو۔ چوتھا زمین پر رکھتا ہی نہ ہو۔ یا پاؤں زمین پر رکھتا ہو مگر اس سے چل نہ پاتا ہو، تو یہ واضح لنگڑا جانور ہے۔

(۲)...... وہ جانور اندھایا کانا ہو۔ یعنی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زائد روشنی چلی گئی ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، یہ واضح کانا جانور ہے۔

(۳)...... بہت بیمار جانور۔ بیماری کے سبب گھاس وغیرہ نہ کھاتا ہو۔ تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، یہ نمایاں طور پر بیمار ہے۔

(۴)...... ایسا لاغر جانور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور اس کی بناپر کھڑا نہ ہو پاتا ہو، اس جانور کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۷۱/۱۷۰، مرقاۃ: ۲/۲۶۶)

قربانی کا پسندیدہ جانور

﴿۱۳۸۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَيَأْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة)

حواله: ابو داؤد شریف: ۳۸۶/ ۱، باب مایستحب من الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث نمبر:۲۷۹۶۔ترمذی شریف: ۲۷۵/ ۱، باب ماجاء یستحب من الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۴۹۶۔نسائی شریف: ۱۸۱/ ۲، باب الکبش، کتاب الضحایا، حدیث نمبر:۴۴۰۲۔ابن ماجه شریف: ۲۲۶، باب مایستحب من الاضاحی، حدیث نمبر:۳۱۲۸۔

ترجمه: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں ایسا دنبہ ذبح کیا جو سینگ دار تھا، خصی کیا ہوا نہ تھا، سیاہی میں دیکھتا تھا، سیاہی میں کھاتا تھا، سیاہی میں چلتا تھا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک پسندیدہ اور عمدہ دنبہ کا تذکرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی قربانی فرمائی، اس دنبہ کا منہ، پیر، اور آنکھوں کے ارد گرد کا حلقہ سیاہ تھا، باقی بدن سفید تھا۔بس خوبصورت، بے عیب، فربہ جانور کی قربانی مستحب ہے۔

فحیل: نر جانور، یعنی خصی نہ کیا گیا ہو، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر خصی کیا ہوا دنبہ ذبح کیا، جبکہ دیگر احادیث میں "**موجوئین**" کا لفظ کثرت سے آیا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے دو دنبے ذبح فرمائے جو خصی کئے ہوئے تھے، اصل بات یہ ہے کہ مواقع متعدد ہیں، کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی فرمائی ہے، اور کبھی بغیر خصی کئے ہوئے جانور کی قربانی کی ہے، دونوں صورتیں درست ہیں، البتہ خصی کر دینے سے گوشت عمدہ ہو جاتا ہے، اور رائحہ کریہہ زائل ہو جاتی ہے، اس لئے اکثر علماء اس کو بہتر قرار دیتے ہیں۔

ینظر فی سواد: سیاہی میں دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کی آنکھوں کے ارد گرد سیاہی تھی۔

یا کل فی سواد: سیاہی میں کھانے سے مراد یہ ہے کہ منہ کا رنگ بھی سیاہ تھا۔
یمشی فی سواد: سیاہی میں چلنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کے پیر بھی سیاہ تھے۔ (التعلیق: ۲/۱۷۱، مرقاۃ: ۲/۲۶۲)

جذع کی قربانی

﴿۱۳۸۳﴾ وَعَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ یُوَفِّیْ مِمَّا یُوَفِّیْ مِنْهُ الثَّنِیُّ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۷، باب مایجوز من السن فی الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۲۷۹۹۔ نسائی شریف: ۲/۱۸۱، باب المسنۃ والجذعۃ، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۴۳۹۵۔ ابن ماجہ شریف: ۲۲۷، باب مایجزئی من الاضاحی، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۳۱۴۱۔

ترجمہ: حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ قبیلہ بنو سلیم سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جذع اس میں کفایت کرتا ہے جس میں ثنی کافی ہو۔

تشریح: تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ "مسنہ" سے مراد بکرے اور دنبہ میں وہ جانور ہے جو ایک سال کا ہو چکا ہو، اور بھینس میں جو دو سال کا ہو چکا ہو، اور اونٹ میں جو پانچ سال کا ہو چکا ہو، جو جانور مسنہ نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، لیکن دنبہ مسنہ ہونے سے

پہلے جبکہ جذعہ ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ جب کہ وہ فربہ ہو، اس حدیث شریف میں بھی یہی منقول ہے، البتہ یہاں "مسنہ" کے بجائے "ثنی" ہے، نر جانور کیلئے ثنی اور مادہ کیلئے "ثنیہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، معنی اس کے وہی ہیں جو مسنہ کے ہیں اور حاصل حدیث یہی ہے کہ دنبہ اگرچہ ایک سال پورے ہونے پر "ثنی" ہوتا ہے، لیکن اس کے ثنی ہونے سے پہلے جب کہ "جذعہ" یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد عمر کا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۷۱، مرقاۃ: ۲/۲۶۷)

بھیڑ کے بچہ کی قربانی

﴿۱۳۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّانِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۷۶، باب ماجاء فی الجذع من الضان، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کہ بھیڑ کا جذعہ یعنی چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد کا بچہ بہترین قربانی ہے۔

تشریح: الجذع من الضان: قربانی کے جانور کا جوان اور مسن ہونا ضروری ہے، لیکن دنبہ اگر چہ چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد ہے اور ایک سال کے دنبوں کے جتنا نظر آتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "من الضان"

کی قید لگائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھ ماہ کے بچہ کی قربانی درست نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو بکری کے چھ ماہ یا اس سے کچھ زائد عمر کے بچہ کی قربانی کی اجازت عطا کی تھی یہ ان کی خصوصیت تھی۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد

﴿۱۳۸۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّفِي الْبَعِيْرِ عَشَرَةً۔ (رواه الترمذى والنسائى وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۲۷۶/۱، باب ماجاء فی الاشتراک فی الاضحية، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۵۰۱۔ نسائی شریف: ۱۸۱/۲، باب ماتجزی عنه البدنة فی الضحایا، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۴۴۰۴۔ ابن ماجه شریف: ۲۲۶، باب عن کم تجزی، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۳۱۳۱۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، دوران سفر قربانی کا دن آ گیا، تو گائے کی قربانی میں ہم سات آدمی شریک ہوئے، اور اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں نے شرکت کی۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: بعض سلف کا یہ مذہب ہے کہ گائے وغیرہ کی قربانی میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں، لیکن حنفیہ اور جمہور کے نزدیک گائے بیل وغیرہ

اور اونٹ سب میں سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں، جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، جو فصل اول میں بحوالہ مسلم وابو داؤد گذر چکی ہے۔ "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیر بحث حدیث جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، یا ثابت ہی نہیں ہے بلکہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ (التعلیق: ۲/۱۷۱، مرقاۃ: ۲/۲۶۷) (اشرف التوضیح)

قربانی کا ثواب

﴿۱۳۸۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۷۵، باب ماجاء فی فضل الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۴۳۹۔ ابن ماجہ شریف: ۲۲۶، باب ثواب الاضحیة، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۳۲۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ کوئی بندہ قربانی کے دن کوئی بھی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو، بلاشبہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں

اور کھروں کے ساتھ آئے گی، اور بلا شبہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے، لہٰذا تم لوگ خوش دلی سے قربانی کرو۔

تشریح: اس حدیث شریف میں قربانی کی تین فضیلتیں مذکور ہیں۔

(۱)......قربانی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل قربانی کرنا ہے۔

(۲)......قربانی کا جانور جیسا قربان کیا جائے گا ویسا ہی جانور قیامت کے دن درجات بلند کرانے کے لئے قربانی کرنے والے کو مل جائے گا۔ قربانی کے جانور کا کوئی بھی عضو ضائع نہ ہوگا، حتی کہ دنیا کے اندر سینگ وغیرہ کو بیکار سمجھا جاتا ہے، قیامت کے دن قربانی کا جانور ان سب چیزوں کے ساتھ آئے گا، اور یہ سب چیزیں قربانی کرنے والے کے لئے نافع ثابت ہونگی۔

(۳)......قربانی کا جانور قربان ہوتے ہی اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں، یعنی اس پر ثواب عنایت فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قربانی کرنے والوں کو اس بات کی تاکید بھی فرمائی ہے کہ قربانی خوش دلی سے کرو، یعنی اس کو بوجھ مت سمجھو، کیونکہ قربانی ضائع نہیں ہوتی، بلکہ اس کا کثیر اجر وثواب ملنا طے ہے۔
(التعلیق: ۲/۱۷۱، مرقاۃ: ۲/۲٦۷)

عشرۂ ذی الحجہ کی عبادت کا ثواب

﴿۱۳۸۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ اَنْ يُتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ

سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۵۸/۱، باب ماجاء فی العمل، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۷۰۸۔ ابن ماجه شریف: ۱۲۴، باب صیام العشر، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۲۲۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ کو تمام دنوں میں عشرہ ذی الحجہ کے دنوں سے زیادہ کسی دن کی عبادت محبوب نہیں ہے، اس عشرہ کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، اور اسکی ہر ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کی عبادت کے ثواب کے برابر ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عشرۂ ذی الحجہ کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے ان دنوں میں کی جانے والی عبادات کا ثواب بھی زیادہ ہے۔

يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة: یکم ذی الحجہ سے لے کر نو ذی الحجہ عرفہ کے دن تک ہر دن کا روزہ سال بھر کے نفل روزوں کے ثواب کے برابر ہے، رمضان کے روزوں کا ثواب عشرۂ ذی الحجہ کے روزوں سے بہت بڑھا ہوا ہے، اس طرح رمضان کے ایام کی عبادت بھی عشرۂ ذی الحجہ کی عبادت سے افضل ہے، حدیث باب میں عشرۂ ذی الحجہ کی افضلیت مذکور ہے، وہ ماہ رمضان کے استثناء کے ساتھ ہے۔ (معارف السنن: ۴۴۲/۵، مرقاۃ: ۲/۲۶۸) (تحفۃ الالمعی)

﴿الفصل الثالث﴾

عید کی نماز سے پہلے قربانی کی ممانعت

﴿١٣٨٨﴾ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُّ الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَاِذَا هُوَ يَرىٰ لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۳۴/۱، باب کلام الامام والناس فی خطبة العید، کتاب العیدین، حدیث نمبر:۹۷۵، مسلم شریف: ۱۵۳/۲، باب وقتها، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر:۱۹۶۰۔

ترجمه: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں قربانی کے دن عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے فارغ ہونے اور سلام پھیرنے کے بعد خطبہ کے لئے بڑھے بھی نہیں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اچانک ان قربانیوں

کا گوشت دیکھا جو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی جا چکی تھیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے ہمارے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، قربانی فرمائی، اورارشادفرمایا: کہ ''جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے ابھی قربانی نہیں کی ہے اس کو چاہئے وہ اللہ کے نام کے ساتھ جانور ذبح کرلے۔''

تشریح: جہاں عیدالاضحیٰ کی نماز ہوتی ہے وہاں نماز عید سے قبل قربانی جائز نہیں ہے، البتہ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں صبح صادق کے بعد قربانی کرنا درست ہے، لہٰذا اگر کسی نے نماز عید سے قبل قربانی کردی تو اس کی قربانی ادا نہیں ہوگی، بلکہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرنا اس کے ذمہ واجب ہے۔ (شامی زکریا: ۴۶۰، ۴۶۱/۹)

قربانی کے ایام

﴿۱۳۸۹﴾ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَلْاَضْحٰى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْاَضْحٰى۔ (رواه مالك) وَقَالَ بَلَغَنِيْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مِثْلَهٗ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۱۸۸، باب الاضحیة عما في بطن المرأة، کتاب الضحایة، حدیث نمبر: ۱۲۰۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔ (موطا امام مالک) امام مالکؒ نے کہا کہ حضرت علی بن ابو طالب سے اسی طرح کی روایت مجھے پہونچی ہے۔

تشریح: قربانی کے ایام تین دن ہیں، پہلا دن دسویں ذی الحجہ یعنی بقرعید کا دن، دوسرا گیارہ ذی الحجہ، تیسرا بارہ ذی الحجہ، چنانچہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں، اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب کے بعد قربانی کا دن ختم ہو جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہی حدیث شریف ہے، جبکہ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں، اور ۱۳ ذی الحجہ کے غروب تک قربانی کرنا جائز ہے، ان کی دلیل حدیث شریف: "ایام التشریق کلها ذبح" (سنن الکبریٰ: ۵/۲۹۲، کنز العمال: ۵/۱۰۶، [ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں، اور تیرہ ذی الحجہ بھی ایام تشریق میں داخل ہے، لہٰذا تیرہ ذی الحجہ کو بھی قربانی درست ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں معاویہ بن یحی ہے، جس کو نسائی، ابن مدینی اور یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، نیز شوافع کا اس پوری حدیث پر عمل نہیں ہے، کیونکہ ایام تشریق تو نویں ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک کل پانچ دن ہیں، اس حدیث کی رو سے شوافع کو پانچ دن قربانی کرنا چاہئے، جب کہ وہ بھی پانچ روز کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۸، التعلیق: ۲/۱۷۲)

قربانی کا وجوب

﴿۱۳۹۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَقَامَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّي۔ (رواه الترمذي)

حواله: ترمذی شریف: ۲۷۷/ ۱، باب الدليل على ان الاضحية سنة، كتاب الاضاحي، حدیث نمبر: ۱۵۰۷۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے، اور ہر سال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام مدینہ کی دس سالہ طویل مدت میں کبھی بھی قربانی ترک نہیں کی، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ قربانی واجب ہے، اس لئے اکثر ائمہ قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، قربانی کا وجوب اس بات سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: "من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا" (ابن ماجه شريف: ۲۲۶) [جو شخص گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔] (مرقاۃ: ۲/۲۶۹)

قربانی کیا ہے؟

﴿۱۳۹۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

قَالَ بِكُلِّ شُعْرَةٍ مِّنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۳۶۸، ابن ماجہ شریف: ۲۲۶، باب ثواب الاضحیۃ، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۳۱۲۷۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! قربانی کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔'' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے۔'' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! اور اون میں؟'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اون والے جانور میں بھی ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ملتی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے قربانی کا ثبوت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قربانی کی اہمیت خوب اچھی طرح معلوم ہورہی ہے، قربانی کرنے والے کو قربانی کے جانور کے ہر ایک بال کے بدلہ ایک نیکی ملے گی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء. (التعلیق: ۲/۱۷۲)

ماھذہ الاضاحی؟: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قربانی کے حوالہ سے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قربانی کیوں کی جاتی ہے؟ جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کی جان جاتی ہے، اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کو کس وجہ سے عبادت قرار دیا گیا ہے؟

واقعہ ذبح اسماعیل

سنت ابیکم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ قربانی حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے حضرت اسمائیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا، انہوں نے بلاچون وچرا انتہائی ذوق وشوق سے بیٹے حضرت اسمائیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی پوری کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمائیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج کر رکھوادیا، جس کو ذبح کردیا گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو بیٹا حضرت اسمائیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی نیت سے چھری چلائی، جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام بہت بلند ہوگیا، اس واقعہ کی یادگار میں قربانی کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی عزیز سے عزیز چیز کی قربانی پیش کرنے کا جذبہ بیدار ہو۔

باب العتيرة

عتیرہ کا بیان

رقم الحدیث: ۱۳۹۲/تا۱۳۹۴۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب العتیرۃ

(عتیرہ کا بیان)

عتیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جو رجب کے مہینہ میں ذبح کیا جاتا تھا، اسلام میں عتیرہ کا کیا حکم ہے؟ اس میں احادیث مختلف ہیں، بعض روایات سے اس کا وجوب معلوم ہوتا ہے، جیسے فصل ثانی میں مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، بعض سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ فصل اول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس کی بعض روایات میں لفظ ہیں، **"لا فرع ولا عتیرۃ فی الاسلام"** (**المسند للامام احمد: ۲/۲۲۹، فتح الباری: ۱۱/۱۵، باب العتیرۃ**) مسند احمد کی ایک روایت میں لفظ ہیں: **"نھی عن الفرع والعتیرۃ"** (**نسائی شریف: ۲/۱۶۷، کتاب الفرع الخ**) یہ سب الفاظ نہی پر دال ہیں، روایات میں بظاہر تعارض ہوا، ان میں تطبیق کی ضرورت ہے، تطبیق میں صاحب مشکوۃ نے امام ابوداؤد کا قول نقل فرمایا ہے کہ عتیرہ منسوخ ہے، یعنی پہلے اس کا حکم یا اجازت دی گئی تھی، پھر اس سے نہی کردی گئی، اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ عتیرہ منسوخ ہے۔ (اشرف التوضیح)

﴿الفصل الاول﴾

عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں

﴿۱۳۹۲﴾ وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَالْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبٍ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲/۸۲۲، باب الفرع، کتاب العقیقة، حدیث نمبر: ۵۴۷۳۔ مسلم شریف: ۲/۱۵۹، باب الفرع والعتیرة، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۹۷۶۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''کہ فرع اور عتیرہ کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے، اور وہ اس کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور عتیرہ وہ جانور ہے جو رجب میں ذبح کیا جاتا تھا۔

تشریح: لا فرع ولا عتیرة: ''فرع'' کہا جاتا ہے جانور کا سب سے پہلا بچہ جس کو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اور بعض نے کہا اس کو ذبح کر کے غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے، تاکہ اس جانور میں برکت ہو، اور وہ کثیر النسل ہو۔ اور ''عتیرہ'' اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کو ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے، کیونکہ اشہر حرم میں یہ سب سے پہلا مہینہ ہے، اس

لئے اس کی تعظیم کے لئے ایسا کرتے تھے، پھر ابتدائے اسلام میں مسلمان اللہ کے نام پر یہ دونوں کرتے تھے، اب علماء میں اختلاف ہوا کہ اب تک یہ حکم باقی رہا یا نہیں، تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی یہ دونوں مستحب ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ اور دوسرے جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ فرع وعتیرہ کا حکم منسوخ ہو گیا، جیسا کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں: "ان جماهیر العلماء علی انه منسوخ وبه جزم الحازمی"

شوافع حضرات استدلال پیش کرتے ہیں کہ بعض احادیث سے انکے وجوب کا حکم معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ مخنف بن سلیم کی حدیث ہے: "یا ایها الناس ان علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة وعتیرة" (ترمذی شریف: ۲۷۸/۱، باب کتاب الاضاحی) اور بعض سے صرف اجازت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ حارث بن عمرو باہلی کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من شاء عتر و من شاء لم یعتر و من شاء فرع و من شاء لم یفرع" (فتح الباری: ۱۱/۱۷۱، باب العتیرۃ) اور بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ "لا فرع ولا عتیرة" (بخاری شریف: ۲/۸۲۲، باب لافرع، کتاب العقیقة، حدیث نمبر: ۵۴۷۳) لہٰذا سب کو ملا کر ہم نے مستحب کہا، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کی دلیل ہے، حضرت ابن عمر و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: "لا فرع ولا عتیرة" اور اجازت وامر پہلے ہوتا ہے، اور ممانعت بعد میں ہوتی ہے، لہٰذا یہ حدیث تمام کیلئے ناسخ قرار دی جائیگی۔ (التعلیق: ۲/۱۷۳، مرقاۃ: ۲/۲۶۹،۲۷۰، بذل: ۹/۶۰۲، (درس مشکوۃ)

الفصل الثانی

عتیرہ منسوخ ہے

﴿۱۳۹۳﴾ وَعَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنَّا وُقُوفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلىٰ كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً وَعَتِيْرَةً هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّةُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ضَعِيْفُ الْإِسْنَادِ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ وَالْعَتِيْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۵، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۲۸۸۸۔ ترمذی شریف: ۱/۲۷۸، باب الاضحیة فی کل عام، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۱۵۱۸۔ نسائی شریف: ۲/۱۶۷، باب کتاب الفرع والعتیرة، حدیث نمبر: ۴۲۲۵۔ ابن ماجه شریف: ۲۲۶، باب الاضاحی واجبة هی ام لا، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۳۱۲۵۔

ترجمہ: حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقوفِ عرفات کئے ہوئے تھے، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا لازم ہے، اور عتیرہ بھی، تم لوگ جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہی ہے جس کو تم لوگ

''رجبیہ'' کہتے ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند ضعیف ہے، ابو داؤد نے کہا کہ عتیرہ منسوخ ہو چکا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتیرہ کا عمل انجام دینے کی بات فرمائی ہے، اور عتیرہ کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ جو قربانی رجب کے مہینے میں خاص طور پر کی جاتی ہے، اس کو ''رجبیہ'' بھی کہتے ہیں، اور وہی عتیرہ بھی کہلاتی ہے، یہ حدیث شریف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان فرامین سے قبل کی ہے، جن میں عتیرہ اور فرع کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، اسی وجہ سے ابو داؤد نے یہ بات فرمائی ہے کہ عتیرہ کی قربانی کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

الرجبیة: عتیرہ کا ایک نام ''رجبیہ'' بھی ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ رجب کے مہینے میں اس ماہ کے احترام کی بنا پر بتوں کے نام سے قربانی کرتے تھے، زمانہ اسلام کے ابتداء میں اسی ماہ میں قربانی اللہ تعالیٰ کے نام پر لوگ کرنے لگے، لیکن جب ذی الحجہ میں قربانی مشروع ہوگئی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۷۰)

﴿الفصل الثالث﴾

نادار پر قربانی نہیں

﴿۱۳۹۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى

عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَأَيْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۵، باب فی ایجاب الاضاحی، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۲۷۸۹۔ نسائی شریف: ۲/۱۷۹، باب من لم یجد الاضحیة، کتاب الضحایا، حدیث نمبر: ۴۳۷۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ مجھ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں یوم الاضحیٰ کو عید کا دن مناؤں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو میری امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے۔'' ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میرے پاس ''منیحہ مادہ'' کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کیا میں اس کی قربانی کرلوں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نہیں، بلکہ تم ایسا کرو اس دن میں اپنے بال اور ناخن تراش لو، اپنی مونچھیں کتر لو، اور اپنے زیرناف بالوں کو مونڈ لو، بس تمہاری پوری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی ہے۔

تشریح: غریب اور نادار شخص پر قربانی نہیں ہے، حدیث باب میں ایک مفلس شخص کا ذکر ہے، جن کے پاس صرف عطیہ کا ایک دودھ کا جانور تھا، اور کچھ نہیں تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لئے اس جانور کی قربانی کرنا ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا، معلوم ہوا کہ تنگ دست پر قربانی واجب نہیں ہے، البتہ غریب شخص قربانی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل پسندیدہ کہا ائے گا۔

قال لا: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "منیحہ" کی قربانی سے سائل کومنع فرمادیا۔ "منیحہ" اس دودھ دینے والی بکری یا اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک کسی دوسرے محتاج شخص کو کچھ مدت کے لئے دیدیتا ہے، تاکہ وہ اس کے دودھ وغیرہ سے اس مدت میں نفع اندوز ہوتا رہے، اور مدت گذرنے کے بعد مالک کولوٹا دے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سائل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس "منیحہ" کی قربانی سے منع فرمایا، اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)...... یہ جانور ان کی ضرورت کا تھا، اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا دودھ کا جانور نہیں تھا، اسی کے ذریعہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گذر بسر کرتے تھے، اگر اس کی بھی قربانی کردیتے تو سخت پریشان ہوجاتے۔

(۲)...... منیحہ کے وہ خود مالک تو تھے نہیں، کیونکہ یہ تو دوسرے کا جانور ہوتا ہے، جو کچھ مدت کے لئے مالک محتاج شخص کو نفع اٹھانے کی غرض سے دیتا ہے، اس کے لئے اس کی قربانی کی اجازت نہیں ہوتی اسلئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

فذلک تمام اضحیتک عند اللہ: مطلب یہ ہے کہ محتاج شخص ان امور کو انجام دے لے، قربانی نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے قربانی کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

جذبۂ اخلاص کی قدردانی

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حسن نیت اور جذبۂ اخلاص کی بہت قدر ہے، اس مسکین کے پاس عطیہ کئے ہوئے دودھ کے جانور کے علاوہ کچھ نہیں، اور وہ اسی کو قربان کرنے کے لئے آمادہ اور بے قرار ہے، رحمت دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو

بھی مایوس نہیں فرمایا، اس کی مسکینیت اور ناداری کا بھی خیال فرمایا، اس کے جانور کو ذبح کرنے سے بھی منع فرمادیا، عید کے دن بال ناخون وغیرہ بنوائے ہی جاتے ہیں، اس مسکین کے اختیار میں اتنا ہی ہے اس لئے رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان چیزوں کے انجام دینے پر ہی اس کی حسن نیت اور جذبۂ اخلاص کی وجہ سے کامل قربانی کے ثواب کی خوشخبری سنادی۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

❀❀❀

باب صلوة الخسوف

خسوف کی نماز کا بیان

رقم الحدیث: ۱۳۹۵ / تا ۱۴۰۷۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوة الخسوف

(خسوف کی نماز کا بیان)

یہاں دولفظ ہیں، خسوف اور کسوف۔ بہت سے ائمہ لغت نے ان دونوں لفظوں میں یہ فرق کیا ہے کہ کسوف کا اطلاق زیادہ تر سورج کے گرہن پر اور خسوف کا اطلاق زیادہ تر چاند کے گرہن پر ہوتا ہے، ثعلب کا بھی یہی قول ہے، جوہری نے اسے افضل قرار دیا ہے، فقہاء کا استعمال بھی اسی کے مطابق ہے، یعنی کسوف شمس کے لئے اور خسوف قمر کے لئے، لہٰذا ان دونوں لفظوں کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوتا رہتا ہے، محدثین بھی عام طور پر ان دونوں لفظوں میں فرق نہیں کرتے۔ (مرقاۃ:۱۷۱/۲،۲، بذل:۲۸۸/۵)

خسوف اور کسوف کی حقیقت

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا ہے، انہی دنوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے، جاہلیت کا یہ نظریہ تھا کہ خسوف وکسوف کسی بڑی شخصیت کی موت وحیات کی وجہ سے ہوتا

ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نظریہ کی تردید فرمائی، اور فرمایا کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ہیں، اس میں کسی کی موت وحیات کا کوئی دخل نہیں۔ (بذل:۵/۲۹۱)

خسوف القمر تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی مرتبہ ہوا ہے، کسوفِ شمس کتنی مرتبہ ہوا ہے؟ بعض حضرات اس میں بھی تعدد کے قائل ہوئے ہیں، لیکن صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ ہی ہوا ہے، جمہور اہل سیر کا یہی قول ہے، مشہور ماہر فلکیات علامہ محمود پاشا مصری نے اپنی کتاب ''نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام'' میں تصریح کی ہے، قواعد ریاضیہ کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسوفِ شمس ایک ہی مرتبہ بنتا ہے۔

صلوۃ کسوف کی حیثیت

صلوۃ الکسوف کی حیثیت کیا ہے؟ بعض حضرات اس کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں، بعض مشائخ حنفیہ نے بھی وجوب کا قول کیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک صلوۃ الکسوف سنت ہے۔

تعداد رکوعات

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف میں کتنے رکوع کئے ہیں، اس میں روایات حدیث مختلف ہیں، کل پانچ قسم کی روایات ہیں۔

(۱)......وہ روایات جن میں ہر رکعت میں ایک مرتبہ رکوع کا ذکر ہے، جیسے فصل ثالث کے آخر میں نعمان بن بشیر کی روایت بحوالہ نسائی شریف: ۱/۱۶۷ باب نوع آخر،

کتاب صلوۃ الکسوف: "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی حین انکسفت الشمس مثل صلوتنا یرکع ویسجد."

(۲)...... بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر رکعت میں دو رکوع فرمانا آیا ہے، جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث ہے۔

(۳)...... ہر رکعت میں تین رکوع جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔

(۴)...... ہر رکعت میں چار رکوع جیسے کہ اس باب کی تیسری حدیث میں ہے۔

(۵)...... ہر رکعت میں پانچ رکوع جیسے فصل ثالث کی پہلی حدیث میں ہے۔

اختلاف روایات کی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال بھی مختلف ہیں۔

حنفیہ نے پہلی قسم کی روایات کو اختیار کیا ہے، جن میں ہر رکعت میں ایک رکوع کا ذکر ہے، ائمہ ثلاثہ نے دوسری قسم کی روایات کو اختیار کیا ہے، جن میں ہر رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے، باقی روایات کو یہ حضرات معلول قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں فعلی روایات میں تو بظاہر اختلاف ہے، لیکن قولی حدیث سے ایک رکوع والے قول کی تائید ہوتی ہے، سنن ابو داؤد وغیرہ میں قبیصۃ بن المخارق الہلالی کی ایک روایت ہے اس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے: **"فاذا رأیتموھا فصلو کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ"** (ابو داؤد شریف: ۱/۱۶۸، کتاب الکسوف) [یعنی تم جب کسوف شمس کو دیکھو تو اس فرض نماز کی طرح نماز پڑھا کرو، جو تم نے قریب ترین زمانہ میں پڑھی ہے۔] اور ایسی نماز فجر کی نماز تھی، ظاہر ہے کہ فجر کی نماز میں ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہوتا ہے، یہ حدیث قولی ہے، اور تشریع عام کی حیثیت رکھتی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کے لئے ضابطہ بیان فرمادیا کہ ایسے موقعہ پر فجر کی طرح دو رکعتیں ایک ایک رکوع کے ساتھ پڑھنی چاہئیں، باقی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے جو مختلف افعال مروی ہیں، وہ وقتی عوارض وخصوصیات کی بناء پر ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر رکعت میں کئی رکوع فرمانا جو آیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع صلوٰتی تو ہر رکعت میں ایک ہی کیا ہے، جیسے عام نمازوں میں ہوتا ہے، باقی جو زائد رکوع ہوئے ہیں وہ رکوع تخشع تھے، اس نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت سے نشانات دیکھے ہیں، جنت ودوزخ کا مشاہدہ بھی فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حق تعالیٰ کی قدرت کی کوئی نشانی اور آیت دیکھتے تو تعظیم باری کے لئے فوراً جھک جاتے اور رکوع فرماتے ایسے رکوع کو رکوع تخشع کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور بھی موقعوں پر قدرت حق کی نشانی دیکھ کر جھکنا ثابت ہے، اس باب کی فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ام المؤمنین میں سے کسی کے انتقال کی خبر ملی تو فوراً سجدہ میں گر گئے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اذا رأیتم آیۃ فاسجدوا وأی آیۃ اعظم من ذھاب ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" (ترمذی شریف: ۲/۲۲۷، فی فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک سے زائد رکوعات، رکوع تخشع تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ رکوع آیات قدرت دیکھنے کی وجہ سے فرمائے تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس کے علاوہ اور بھی ایسے افعال احادیث میں آرہے ہیں، جو حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں کئے ہیں، لیکن امت کے لئے وہ سنت نہیں، مثلاً آپ نے نماز میں ایسا انداز اختیار کیا ہے جیسے کسی چیز کو پکڑتے وقت کیا جاتا ہے، یہ اس وقت کیا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کے میوہ جات دیکھے ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم بعض آیات دیکھ کر پیچھے بھی ہٹے ہیں، ظاہر ہے آگے پیچھے ہونا اس نماز میں امت کے لئے مسنون نہیں ہے، بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اسی طرح اس نماز کے دوران رکوع متخشع بھی آپ کی خصوصیات میں سے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کے لئے ضابطہ بیان کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا: ''اذا رأیتموھا صلوا کما رأیتمونی اصلی'' بلکہ یہ ارشاد فرمایا: ''صلو کأحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ'' (ابو داؤد شریف: ۱۶۸/۱، کتاب الکسوف) اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال ایسے فرمائے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت تھی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق: ۱۷۵/۲، بذل: ۲۹۱/۵۔ (اشرف التوضیح)

حکمت وفوائد

کسوف وخسوف میں متعدد فوائد اور حکمتیں ہیں، چند کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱)......حق تعالیٰ شانہ کی عظیم قدرت کا اظہار۔

(۲)......ان دونوں عظیم مخلوق کا اور ان کے نور کا حق تعالیٰ شانہ کے قبضہ قدرت میں ہونا۔

(۳)...... ان دونوں کے طلوع وغروب اور ان کی گردش ان میں گرمی وسردی اور دیگر تاثیرات کا منجانب اللہ ہونا، اور ان دونوں کا انتہائی عاجز وبے بس ہونا۔

(۴)...... ان دونوں کی پرستش کی انتہائی قباحت اور ان کی پرستش کرنے والوں کی انتہائی حماقت کا اظہار۔

(۵)......غافل دلوں کو بیدار اور چوکنا کرنا۔

(۶)......قیامت کا ایک ہلکا سا نمونہ دکھانا۔

(۷)......لوگوں کو دکھانا کہ جو ذات چاند سورج کو بے نور کرنے پر قادر ہے وہ ان کو بالکلیہ فنا کرنے اور قیامت لانے پر بھی قادر ہے، پس لوگوں کے قیامت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۸)......کبھی بے گناہوں کی بھی پکڑ ہو جاتی ہے، پس گناہگاروں کے بے خوف ہونے کی کوئی گنجائش نہیں، گناہگاروں کو ہر وقت خوف کھانے اور ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے۔

(۹)......دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت ظاہر ہو کر دل دنیا کی محبت سے سرد ہو جاتے ہیں، اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۰)......دل کامل طور پر خالق و مالک تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اس لئے یہ وقت بندوں کے لئے عظیم نعمت خداوندی ہے۔ اس لئے اس وقت کی انتہائی قدر کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ پورا وقت عبادت خداوندی، نماز، دعا، صدقہ و خیرات اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری میں مشغول ہونا چاہئے، تاکہ حق تعالیٰ شانہ کی کامل مغفرت و رحمت بندہ کی طرف متوجہ ہو۔

(۱۱)......ان دونوں کے بے نور ہو جانے سے بندہ کو احساس ہوتا ہے کہ یہ دونوں حق تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمتیں ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو مخلوق کا کیا حال ہو، پس بندہ کو کس درجہ شکر گذاری کرنا چاہئے۔ (اوجز: ۴/۲۴)

تنبیہ: صلوۃ کسوف سے متعلق چیزیں اور فوائد و حکمت اور فلاسفہ کے قول کی تردید وغیرہ کی نفیس بحثیں اوجز میں موجود ہیں، جنکو دیکھنا ہو وہ اوجز کی طرف رجوع کریں۔

﴿الفصل الاول﴾

سورج گرہن کی نماز

﴿۱۳۹۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُّ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۵/۱، باب الجهر بالقرآن فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۰۶۶۔ مسلم شریف: ۲۹۵/۱، باب صلوة الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۹۰۱۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا کہ "الصلوة جامعة" [نماز کے لئے جمع ہو جائیں] کا اعلان کر دے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو رکعتیں چار رکوع اور چار سجدوں سے پڑھائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے لمبا رکوع کبھی نہیں کیا اور نہ اس سے لمبا سجدہ کبھی کیا۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک رکعت میں

دورکوع ہیں، ان کی دلیل حدیث باب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک رکوع ہے، عام نماز کی طرح۔

دلیل: **"عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال انکشفت الشمس علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکد یرکع ثم رکع فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع وفعل فی الرکعۃ الاخری مثل ذلک" (اعلاء السنن: ۲/۱۲۲، ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۹، باب من قال یرکع رکعتین)** اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر رکعت میں ایک ہی رکوع کیا، معلوم ہوا کہ عام نمازوں کی طرح صلاۃ کسوف میں ہر رکعت میں ایک ہی رکوع کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کی مستدل کا جواب یہ ہے کہ راوی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عمل خود اپنی اس حدیث شریف کے خلاف ہے، اور جب راوی کا عمل خود اپنی حدیث کے خلاف ہو تو وہ روایت قابل استدلال نہیں رہتی۔

نیز جن احادیث میں ایک رکعت کے اندر متعدد رکوع ثابت ہیں، وہ کسوف کی وجہ سے نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت طاری تھی، تجلیات خداوندی کا ظہور ہو رہا تھا، عالم غیب منکشف ہو رہا تھا، جنت وجہنم کا نظارہ کرایا جارہا تھا، جس کی وجہ سے کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھتے کسی چیز کو پکڑنے کے لئے اور کبھی کسی چیز سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹتے، اسی کیفیت کی بناء پر آنحضرت نے متعدد رکوع کئے جو حکم کلی نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ (التعلیق: ۲/۱۷۷،۱۷۵)

چاند گرہن کی نماز میں جہری قراءت کرنا

﴿۱۳۹۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف:۱/۱۴۵، باب الجهر بالقرأة فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۱۰۶۵۔ مسلم شریف:۱/۲۹۶، باب صلوة الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۹۰۱۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی نماز میں با آواز بلند قراءت فرمائی۔

تشریح: سورج گرہن کی نماز میں قراءت سراً ہوگی یا جہراً؟ اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام احمدؒ صاحبینؒ اسحاقؒ ابن المنذرؒ وغیرہم کے نزدیک سورج گرہن کی نماز میں قراءت جہراً ہوگی۔

دلیل: "ان علیا جهر بالقرأة فی کسوف الشمس وقد ورد الجهر فیها عن علی مرفوعا وموقوفا" ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز قرأت سر کے ساتھ ہوگی۔

دلیل: "عن ابن عباس قال ما سمعت من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی صلوة الکسوف حرفا" "وعن سمرة بن جندب قال صلی بنا النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی کسوف الشمس لا نسمع له صوتا" (نسائی شریف:۱/۱۶۸) حضرت سمرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ شاید وہ دور رہنے کی وجہ سے نہیں سنتے

تھے، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث معتبر ہوگی، جواب یہ ہے کہ دور رہنا تو کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ سمرہ بن جندب تو تیراندازی کو چھوڑ کر صرف سننے اور دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

امام احمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دونوں طرح کی احادیث مروی ہیں، اس لئے اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اصل دن کی نماز میں یہ ہے کہ قرأت سراً ہوتی ہے، حدیث نبوی کی وجہ سے کہ **صلوۃ النهار عجماء** لہٰذا سورج گرہن کی نماز بھی سراً ہوگی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی سری نمازوں میں بالجہر ایک دو آیت پڑھ دیتے تھے تو ممکن ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں بعض آیات کو امت کی تعلیم کی غرض سے جہراً قرأت فرمائی ہو۔ جس کو بعض حضرات نے نقل فرمایا ہے۔ (التعلیق: ۲/۱۷۸، مرقاۃ: ۲/۲۷۲)

کسوف کی نماز جماعت کے ساتھ

﴿۱۳۹۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ

الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيْلاً وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعاً طَوِيْلاً وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَاماً طَوِيْلاً وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعاً طَوِيْلاً وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئاً فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْداً وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَراً قَطُّ اَفْظَعَ مِنْهُ وَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۳/۱، باب صلوۃ الکسوف جماعۃ، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۱۰۵۲۔ مسلم شریف: ۲۹۶/۱، باب ماعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۹۰۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نماز ادا کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقریبا سورۂ بقرہ کی

قرأت کے بقدر طویل قیام فرمایا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طویل رکوع کیا، پھر رکوع سے سر اٹھایا، اور طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر ایک طویل رکوع کیا، اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا، اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر رکوع سے سر اٹھایا، پھر طویل قیام کیا، اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر طویل رکوع کیا، اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر سجدہ کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے گرہن نہیں لگتا ہے، لہٰذا جب تم لوگ یہ گرہن دیکھو تو اللہ کو یاد کرو، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی جگہ کھڑے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز لینا چاہتے ہیں، پھر ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیچھے ہٹ گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جنت دیکھی اور اس میں سے انگور کا خوشہ لینا چاہا تھا، اگر میں وہ خوشہ لے لیتا تم رہتی دنیا تک اس میں سے کھاتے رہتے، اور مجھ کو جہنم بھی دکھائی گئی، تو میں نے کبھی آج سے زیادہ گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر نہیں دیکھا، اور میں نے جہنم میں اکثر عورتوں کو دیکھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور یہ کس بنیاد پر اے اللہ کے رسول! تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ ان کے کفر کی بنیاد پر، عرض کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: یہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں، اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرتے رہو، پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات دیکھ لئے تو وہ یہ کہے گی کہ میں نے

تمہاری طرف سے کبھی خیر کی کوئی بات نہیں دیکھی۔

تشریح: ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ: یعنی چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جو اس کی قدرت کاملہ کا مظہر ہیں، اس کو روشنی دینا اور بے نور کر دینا اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، سورج اور چاند کو چمکنے اور بے نور ہونے میں ان کو اپنا کوئی اختیار نہیں، یہاں تک کہ اگر ان کو گرہن لگ جائے تو انہیں اتنی قدرت نہیں کہ وہ اسے دور کر سکیں پس ایسی عاجز شئی کو لوگ کیسے معبود بناتے ہیں، اور چاند اور سورج کو گرہن لگنا کسی شخص کے مرنے کی وجہ سے نہیں، اور نہ کسی آدمی کے دنیا میں آنے کی وجہ سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے، جب بندوں کی نافرمانیاں عام ہو جاتی ہیں اور اللہ کی طرف رجوع نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ سورج گرہن اور چاند گرہن کے ذریعہ بندوں کو ڈراتے اور دھمکاتے ہیں تاکہ بندے اطاعت گذار ہو جائیں اسی لئے جب سورج گرہن یا چاند گرہن لگ جائے تو نماز، ذکر، تلاوت استغفار وغیرہ کا حکم ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۷۳)

لاکلتم منه مابقیت الدنیا: یعنی اگر اس خوشہ کو دنیا میں لایا جاتا تو جب تک دنیا قائم رہتی لوگ اس کے پھل کھاتے رہتے، اس طرح کہ اس خوشہ سے جو بھی پھل توڑ لیا جائے تو اس کی جگہ دوسرا پھل فوراً لگ جائے، اس لئے کہ جنت کے پھلوں کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو توڑا جائے گا تو فوراً اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا تو اللہ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ دنیا کے اندر بھی اسی طرح پیدا فرما دے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خوشہ کو اس لئے نہیں لیا کہ اگر آنحضرت اس کو توڑ لیتے اور لوگ اس کو دیکھتے تو ایمان بالغیب باقی نہ رہتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوشہ نہیں لیا۔ (التعلیق: ۲/۱۷۹، مرقاۃ: ۲/۲۷۳)

سورج گرہن کی نماز میں خطبہ

﴿۱۳۹۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَايَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۴۲/۱، باب الصدقة فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۱۰۴۴۔مسلم شریف:۲۹۵/۱، باب صلوة الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۹۰۱۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مثل ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، اور لمبا سجدہ کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر ارشاد فرمایا: کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، اور یہ کسی کے مرنے اور پیدا ہونے سے گرہن میں نہیں آتے، لہٰذا جب سورج گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو، اس کی

بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو، اور صدقہ خیرات کرو، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے، اس بات میں کہ اس کا بندہ یا اس کی بندی زنا کرے، اور اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تم لوگ وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تمہارا ہنسنا کم ہو جائے، اور رونا زیادہ ہو جائے۔

تشریح: چاند اور سورج میں گرہن لگنا اللہ تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے سے دور کرنے کے لئے ایسے موقعہ پر نماز اور ذکر دعا کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہئے، اور چونکہ صدقہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "الصدقة تطفئ غضب الرب" لہٰذا کثرت سے صدقہ کرنا چاہئے، تا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب دور ہو جائے اور اس کی رحمت متوجہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے، اس لئے اس قبیح عمل کے قریب جانے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

لا یخسفان لموت احد: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھنے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں زمانہ جاہلیت کے اس نظریہ کی تردید کی کہ سورج گرہن کا تعلق کسی عظیم شخصیت کی ولادت یا وفات سے ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ تو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے، لہٰذا جب اس کا ظہور ہو تو نماز وغیرہ کا اہتمام کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج گرہن کا شرعی نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا ایک اثر ہے، جب بندوں کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ کرنے کی غرض سے سورج کو بے نور کر دیتا ہے، تا کہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کی نافرمانی کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود نہیں بلکہ عالم بالا پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں، علماء فلکیات ظاہری اسباب کے تحت یہ بات نقل کرتے ہیں کہ اگر زمین سورج اور چاند کے

درمیان حائل ہوتی ہےتو چاند گرہن ہوتا ہے اور اگر چاند زمین اور سورج کے درمیان حائل ہوتا ہےتو سورج گرہن ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ اوجز: ۲۳/۴۔

ما من احد اغیر من اللہ ان یزنی: اللہ تعالیٰ نے زنا سے سختی کے ساتھ روکا ہے، اب اگر کوئی زنا کرتا ہےتو اللہ تعالیٰ کو بندہ کے اس جرم پر بہت غیرت آتی ہے، اور غیرت کی بناپر غصہ اور غصہ کے سبب انتقام کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار کے مواقع پر بندوں کو خصوصی طور پر ان نیک کاموں میں لگنا چاہئے، جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے والے ہیں۔

سورج گرہن کے وقت دعاء، استغفار کی تاکید

﴿۱۳۹۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعاً یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَرُکُوْعٍ وَسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَاتَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئاً مِنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَائِہٖ وَاِسْتِغْفَارِہٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۵، باب ذکر فی الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۰۵۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۹، باب الذکر والنداء بصلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۹۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سورج گرہن ہواتو

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کھڑے ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈر تھا کہ قیامت نہ آ گئی ہو، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے، اور ایسے طویل قیام، رکوع اور سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی کہ میں نے کبھی اتنی طویل نماز پڑھتے نہیں دیکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ بھیجتے ہیں، ان نشانیوں کا ظہور کسی کی موت وحیات کی بنا پر نہیں ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں خوف وخشیت پیدا کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم لوگ جب ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ کے ذکر اس سے دعا اور اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی جلدی کرو۔

تشریح: گرہن لگنا یہ اللہ تعالیٰ کے آثار غضب میں سے ہے لہٰذا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے رضا والے اعمال انجام دینے کی کوشش کرنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جب سورج گرہن ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعجلت تمام مسجد پہونچے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے با جماعت نماز ادا کی اور ذکر واذکار میں لگے رہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں اس بات کی صراحت فرمائی کہ سورج گرہن وغیرہ لگنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سمجھ میں آتی ہے، وہ جب چاہے سورج کو بے نور کر دے اور جب چاہے ساری کائنات کو فنا کر دے۔

فزعا یخشی ان تکون: سورج گرہن کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ جیسے قیامت آ گئی ہو۔

اشکال: سورج گرہن تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری زمانہ میں ہوا، اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

وقوعِ قیامت سے قبل نزول عیسیٰ خروج دجال اور اس جیسے واقعات پیش آئیں گے تو ان واقعات کے پیش آنے سے قبل صرف سورج گرہن کی وجہ سے آنحضرت کو وقوع قیامت کا خدشہ کیسے ہوگیا؟

جواب: (۱)...... یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کے وقوع کا خطرہ لاحق ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ سورج گرہن کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی بے چینی لاحق ہوئی جیسا کہ قیامت آگئی، یعنی سورج گرہن کے وقوع کے وقت لاحق ہونے والے خوف کو قیامت کے خوف سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

(۲)...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے طور پر یہ سمجھ رہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ گھبراہٹ اندیشہ قیامت کی بناء پر ہے، اسی کو انہوں نے نقل کیا ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں واقعی کیا تھا، اس کا جاننا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بس میں تھا نہیں، لہٰذا انہوں نے جو سمجھا اس کو روایت کردیا۔

سوال: اس دوسرے جواب سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو علامات قیامت جانتے تھے، پھر انہوں نے علامت قیامت کے وقوع سے قبل یہ کیوں نقل کیا کہ سورج گرہن کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔

جواب: بسا اوقات شدید خوف کے وقت حقائق کی طرف توجہ نہیں ہو پاتی اور انسان کے خیالات خوف کے مطابق ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے علامات قیامت کے وقوع نہ ہونے کے باوجود محض سورج گرہن کی بناء پر حضرت ابوموسیٰ کو وقوعِ قیامت کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ (التعلیق: ۲/۱۸۰، مرقاۃ: ۲/۲۷۴)

نمازکسوف میں رکوع کی تعداد

﴿١٤٠٠﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۹۷، باب ماعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۹۰۴۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

تشریح: ست رکعات: حدیث باب کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو رکعت میں چھ رکوع کئے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

ایضاً

﴿١٤٠١﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ

صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِيْ اَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۹۹/۱، باب ذكر من قال انه ركع ثمان ركعات، كتاب الكسوف، حدیث نمبر: ۹۰۸۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر نماز پڑھائی جس میں آٹھ رکوع اور چار سجدے کئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کے مثل روایات نقل ہوئی ہیں۔

تشریح: حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف میں دو رکعت میں آٹھ رکوع فرمائے، ہر رکعت میں چار رکوع۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

صلوٰۃ کسوف میں دعا، تسبیح وغیرہ

﴿۱۴۰۲﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِّيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ

عَنْهَا قَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِه عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۹۹، باب ذکر النداء بصلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۹۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں میں مدینہ طیبہ میں تیر اندازی کر رہا تھا، کہ اچانک سورج گرہن ہوگیا، میں نے تیروں کو پھینک دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کو سورج گرہن کے موقعہ پر ضرور دیکھوں، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی حالت میں دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" کہنا شروع کیا، اور دعاء مانگتے رہے، یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو سورتیں پڑھیں، اور دو رکعت نماز ادا کی، اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اسی طرح شرح السنہ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے جبکہ مصابیح کے نسخے میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل ہوئی ہے۔

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سورج گرہن کے موقعہ پر تیراندازی چھوڑ کر خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلئے آئے تا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال کا بغور جائزہ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس موقعہ پر کیا

عمل کرتے ہیں، خود بھی اس عمل کو انجام دیں اور بعد والوں کو بھی اس سے واقف کرائیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبلہ رخ تھے، اور نماز کی ہیئت پر کھڑے تھے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعدد رکوع کا ذکر نہیں کیا ہے، جب کہ وہ بہت اہتمام سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل دیکھنے ہی کی غرض سے آئے تھے، اگر وہ تعدد دیکھتے اس کو ضرور بیان کرتے، کیونکہ یہ ایک انوکھی بات تھی۔

فائدہ: (۱)......حدیث الباب سے صلوۃ کسوف کے موقعہ پر تسبیح، تہلیل، تکبیر، دعا وغیرہ کے اہتمام کا علم ہوا۔

(۲)......حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع وغیرہ کا ذکر نہیں کیا، اگر ایک سے زائد رکوع ہوتے تو ضرور ذکر کرتے، یہ دلیل ہے کہ یہ نماز بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام نمازوں کی طرح ادا فرمائی، اور ہر رکعت میں ایک ہی رکوع فرمایا، جیسا کہ حنفیہ فرماتے ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۷۶)

سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنا

﴿۱۴۰۳﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَۃِ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۴، باب من احب العتاقۃ فی کسوف

الشمس، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۱۰۵۴۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔

تشریح: لقد امر النبی ﷺ بالعتاق: سورج گرہن کا ہونا غضب خداوندی کی علامت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سب سے بڑا مظہر جہنم ہے، جہنم سے رہائی کا بہت اہم ذریعہ غلام کو آزاد کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "من اعتق رقبة مؤمنة اعتق الله بكل عضو منها عضوا منه من النار" (بخاری شریف: ۲/۹۹۴، کتاب الایمان والنذور، ترمذی شریف: ۱/۲۸۱، باب فی ثواب من اعتق رقبة) یعنی جو مؤمن کسی غلام کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے نجات دیں گے، لہٰذا سورج گرہن کے موقعہ پر غلام بھی آزاد کرنا چاہئے۔ (التعلیق: ۲/۱۸۱، مرقاۃ: ۲/۲۷۷)

فائدہ: یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب غلام موجود ہوں، فی زمانا جب کہ غلام ہی موجود نہیں تو یہ حکم بھی نہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

صلوۃ کسوف میں قراءت سراً

﴿۱۴۰۴﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفٍ لَا

نَسْمَعُ لَهٗ صَوْتاً۔ (رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجة)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱۶۸ / ۱، باب من قال اربع رکعات، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۱۹۴۔ ترمذی شریف: ۱۲۶ / ۱، کیف القرأۃ فی الکسوف، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۶۲۔ نسائی شریف: ۱۶۸ / ۱، باب نوع آخر من صلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۴۸۳۔ ابن ماجه شریف: ۹۰، باب ماجاء فی صلوۃ الکسوف، حدیث نمبر: ۱۲۶۴۔

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز نہیں سنتے تھے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مستدل یہی حدیث شریف ہے کہ نماز کسوف میں جہر نہیں ہے۔

سورج و چاند کے گرہن کے موقعہ پر باالاتفاق نماز مسنون ہے، مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رکعت میں دو رکوع ہوں گے، اور امام اعظم ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کے قائل ہیں، اور بھی روایتیں مختلف ہیں۔

نادرہ روایات میں صلوۃ کسوف میں دس دس رکوع بھی ثابت ہیں۔

امام اعظم کی دلیل تو وہ حدیث ہے جس میں ایک رکوع کا ذکر ہے، اور امام شافعیؒ کی دلیل دو دو رکوع والی حدیث ہے۔ گویا دونوں روایتوں میں تعارض ہوگیا، اور قاعدہ ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" لہٰذا اس صورت میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ صلوۃ کسوف میں بھی اسی طرح رکوع ہونا چاہئے جس طرح

تمام نمازوں میں رکوع ہوتا ہے، یعنی ایک رکعت میں صرف ایک رکوع۔

دوسرا جواب جو اصل اور واقعہ کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف پڑھی اس وقت سخت گرمی تھی، اور سورج بالکل ختم ہو گیا تھا، جس سے حبس ہو رہا تھا، اور بہت پریشانی ہو رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طویل نماز پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت ودوزخ کا نظارہ فرمارہے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے ہٹ جاتے اور کبھی جھک جاتے اس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھک جانے کو لوگوں نے رکوع سمجھا، یہ ہے اصل وجہ اختلاف۔ اور صفت جلالیہ کا ظہور رہا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "الحمدللہ" پڑھا، "سبحان اللہ" پڑھا، اس کی وجہ سے قراءت میں اختلاف ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالجہر قراءت فرمائی، حالانکہ اصل قراءت سراً ہوتی تھی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۷۸)

سانحۂ عظیم کے وقت سجدہ کرنا

﴿۱۴۰۵﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيْلَ لَهٗ تَسْجُدُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوْا وَاَيُّ آيَةٍ اَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱۶۹/۱، باب السجود عند الآیات، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۱۹۷۔ ترمذی شریف: ۲۲۷/۲، باب فی فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۲۸۹۱۔

ترجمه: حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کی وفات کی اطلاع دی گئی، تو وہ سجدہ میں چلے گئے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر کیوں سجدہ فرمایا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے سے بڑی کون سی نشانی ہوگی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی ابتلاء یا آزمائش محسوس ہو تو رضاء الٰہی کی خاطر نماز کا اہتمام کرنا چاہئے۔

فلانة بعض ازواج: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۷۸)

فخر ساجدا: حضرات حنفیہ کے نزدیک سجدہ سے مراد سجدۂ صلوۃ ہے، یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقعہ پر نماز ادا کی، حضرات شوافع کے نزدیک سجدہ منفرد ہی مراد ہے، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک "**تعبد بالسجدة المنفردة**" معتبر نہیں ہے، اور شوافع کے یہاں معتبر ہے۔

اذا رأيتم اية فاسجدوا: حضرات شوافعؒ حدیث باب کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آفت سماویہ یا ارضیہ کے وقوع کے وقت سجدہ کرنا چاہئے، حضرات حنفیہ نماز مراد لیتے ہیں، ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ "**كان رسول الله**

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا حزبہ امر فزع الی الصلوۃ" (مرقاۃ:۸ ۲۷/ ۲، التعلیق: ۱۸۱ / ۲)

﴿الفصل الثالث﴾

نماز کسوف میں طویل قراءت کرنا

﴿۱۴۰۶﴾ وَعَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِھِمْ فَقَرَأَ سُوْرَۃً مِّنَ الطُّوَلِ وَرَکَعَ خَمْسَ رَکَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ الثَّانِیَۃَ فَقَرَأَ بِسُوْرَۃٍ مِنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَکَعَ خَمْسَ رَکَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ کَمَا ھُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃِ یَدْعُوْ حَتّٰی انْجَلٰی کُسُوْفُھَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱۶۷ / ۱، باب من قال اربع رکعات، کتاب الکسوف، حدیث نمبر:۱۱۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن لگا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لمبی سورت کی قرأت فرمائی، اور پانچ رکوع اور دو سجدہ کئے، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے، اور ایک لمبی سورت پڑھی، پھر پانچ رکوع اور دو سجدے کئے، پھر اس طرح کہ جس

طرح تھے قبلہ رو بیٹھ کر دعائیں مانگتے رہے، یہاں تک کہ سورج روشن ہو گیا۔

تشریح: اس حدیث شریف میں صلوۃ کسوف پڑھنے کا تذکرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوۃ کسوف میں لمبی قرأت فرمائی، یہ بات مسلم ہے اور اس حدیث باب میں بھی ذکر ہے، لیکن رکوع کے حوالے سے احادیث میں کافی اضطراب ہے۔

صلوۃ الکسوف میں رکوع کے سلسلہ میں دو طرح کی روایات ہیں۔

(۱)......قولیہ۔ (۲)......فعلیہ۔

فعلیہ روایات میں تو اختلاف ہے، لیکن قولی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان سے رکوع واحد ہی ثابت ہوتا ہے۔

بعض مشائخ نے تعدد رکوع والی روایات میں یوں توجیہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں بہت سی عجیب وغریب چیزوں کا مشاہدہ کیا، اس لئے کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا مانگتے اور کبھی پناہ چاہتے اور کبھی نماز ہی کی حالت میں آگے کی طرف قدم بڑھاتے، ان تمام باتوں کے باوجود قرأت وقیام معمول کے خلاف بہت طویل تھا، اسی بناپر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعا مانگنے یا پناہ چاہنے کی بناپر یہ شبہ ہوتا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں جارہے ہیں، پھر پتہ چلتا کہ رکوع میں نہیں گئے لہٰذا کھڑے ہو جاتے اور قیام کے مقدار کی لمبائی کی بناپر مختلف لوگوں کو کئی بار اس کو نوبت آئی، اسی بناپر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صلوۃ خسوف میں رکوع کی مقدار کا مختلف عدد بیان ہوا ہے۔ (الدر المنضود)

نماز کسوف کی ادائیگی کا طریقہ

﴿۱۴۰۷﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ۔ (رواه ابوداؤد) وَفِىْ رِوَايَةِ النَّسَائِىِّ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلٰوتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ فِىْ اُخْرٰى اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْماً مُسْتَعْجِلاً اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَايَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَايَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِىْ خَلْقِهٖ مَاشَاءَ فَاَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِىَ اَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْراً۔ (رواه النسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۶۹/۱، باب من قال یرکع رکعتین، کتاب الکسوف، حدیث نمبر: ۱۱۸۳۔ نسائی شریف: ۱۶۷/۱، باب نوع آخر، کتاب صلوۃ الکسوف، حدیث نمبر: ۱۴۲۴۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دو رکعت نماز پڑھنا شروع کی اور اس کے بارے میں سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا۔ (ابوداؤد) نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس وقت سورج گرہن ہوا ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی، رکوع اور سجدہ عام نمازوں کی طرح کیا، اور نسائی شریف کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ جس دن سورج

گرہن ہوا اس دن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے، اور نماز پڑھی، یہاں تک کہ سورج روشن ہوگیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ کہتے تھے کہ سورج اور چاند گرہن اسی وقت لگتا ہے، جب اہل زمین میں سے کسی عظیم شخصیت کا انتقال ہوتا ہے، بلاشبہ سورج اور چاند کو گرہن کسی کے مرنے اور کسی کے پیدا ہونے سے نہیں لگتا ہے، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے دو مخلوقیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، لہٰذا جب ان میں سے کسی کو گرہن لگے تو نماز پڑھو، یہاں تک کہ وہ روشن ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اپنا حکم ظاہر کردے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں دو اہم باتیں منقول ہیں۔

(۱)......نماز کسوف کی ادائیگی عام نمازوں کی طرح کرنا چاہئے، جس کی تائید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قولی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو کہ ماقبل میں نقل کی جاچکی ہے۔

(۲)......سورج و چاند کے گرہن لگنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، کسی کی موت وحیات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فجعل یصلی رکعتین رکعتین: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر سورج کے بارے میں دریافت فرماتے گرہن صاف ہوا کہ نہیں، اور پھر دو رکعت پڑھتے، معلوم ہوا کہ صلوۃ الکسوف میں دو رکعت سے زائد بھی پڑھی جاسکتی ہیں، حضرت گنگوہی نے حدیث میں رکعتین سے رکوعین مراد لیا ہے۔"یسئل عنها" کا یہ مطلب لیا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے سوال ودعاء کرتے تھے کہ اے اللہ! سورج کو روشن فرمادے۔(التعلیق:۲/۱۸۲،مرقاۃ:۲/۲۷۸)

باب فی سجود الشکر

سجدۂ شکر کا بیان

رقم الحدیث: ۱۴۰۸/تا ۱۴۱۰۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فی سجود الشکر

(سجدۂ شکر کا بیان)

نماز کے باہر تنہا سجدہ کرنے کی متعدد قسمیں ہیں، ایک سجدۂ سہو وہ نماز کے سجدہ کے حکم میں ہے، دوسرا سجدۂ تلاوت اس میں کوئی اختلاف نہیں، تیسرا نماز کے بعد مناجات کا سجدہ تو اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے، چوتھا سجدۂ شکر جو کسی نعمت کے حاصل ہونے یا کسی مصیبت اور بلا کے ٹل جانے کی وجہ سے کیا جائے، اس سجدۂ شکر میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ امام احمدؒ اور صاحبین کے نزدیک سجدۂ شکر سنت ہے، دلیل یہ ہے کہ جب غزوۂ بدر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ابوجہل کا سر لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدۂ شکر میں گر گئے، نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

جب کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدۂ شکر مکروہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بندوں پر بیشمار ہیں، اگر ہر نعمت کی حصولیابی پر بطور سنت اور استحباب سجدۂ شکر کا حکم دیا جائے تو بندہ کو تکلیف مالایطاق تک پہونچانے کا موجب ہوگا، اور جن احادیث میں سجدۂ شکر کا ذکر ہے تو وہاں جز کہہ کر کل یعنی نماز مراد لی گئی ہے، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ سجدۂ شکر کا حکم منسوخ ہے۔ (حاشیہ مشکوۃ: ۱۳۱، التعلیق: ۲/۱۸۳، مرقاۃ: ۲/۲۸۰)

هذا الباب خال عن الفصل الاول والثالث۔

﴿الفصل الثانی﴾

سجدۂ شکر کا ثبوت

﴿۱۴۰۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَہٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ یُسَرُّ بِہٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۸۳/۲، باب فی سجود الشکر، کتاب الجھاد، حدیث نمبر: ۲۷۷۴۔ ترمذی شریف: ۲۸۷/۱، باب ماجاء فی سجدة الشکر، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۵۴۸۔

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی خاص خوشی کی بات پیش آتی تو شکر ادا کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی مصیبت سے بچنے یا نعمت کے حصول کے موقعہ پر سجدۂ شکر ادا کرتے تھے، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ شکر سے مراد صلوۃ شکر ہے، اور شریعت مطہرہ میں نماز پر سجدہ کا اطلاق متعارف ہے۔

اذا جاءہ امر سرورا او یسر بہ: راوی حدیث نے یا تو "سرورا" نقل کیا ہے یا "یسرہ" مضارع مجہول کا صیغہ نقل کیا ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشی کے موقعہ پر سجدۂ شکر ادا فرماتے تھے۔

سجدۂ شکر میں اختلاف ائمہ

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سجدۂ شکر مستحب ہے، صاحبین کا بھی یہی قول ہے، امام مالک کی دو روایتیں ہیں: ایک کراہت کی، دوسری جواز کی۔ (اعلاء السنن: ۲/۲۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق امام محمدؒ فرماتے ہیں: "انہ کان لایراھا شیئا" امام صاحب کی اس روایت کا کیا مطلب ہے؟ اس میں مشائخ احناف کی آراء مختلف ہیں، بعض نے کہا کہ آپ سنیت کی نفی کرنا چاہتے ہیں، بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو شکر تام نہیں سمجھتے تھے، شکر تام تو یہ ہے کہ پوری دو رکعتیں پڑھی جائیں، بعض نے کہا کہ آپ وجوب کی نفی فرمانا چاہتے ہیں، بعض نے کہا اس سے مشروعیت کی نفی مقصود ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں فتویٰ استحباب پر ہی ہے، کیونکہ سجدہ شکر احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ (بذل: ۱۲/۴۰۹، باب فی سجود الشکر، کتاب الجهاد) (اشرف التوضیح)

مصیبت سے حفاظت پر سجدۂ شکر

﴿۱۴۰۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلاً مِنَ النُّغَاشِیِّیْنَ فَخَرَّ سَاجِداً۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ مُرْسَلاً وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ۔

حوالہ: دارقطنی: ۱/۳۱۹، باب السنة فی سجود الشکر، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۱۵۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بونوں میں سے ایک شخص کو دیکھا تو سجدہ میں گر گئے۔ اس روایت کو دارقطنی نے بطریق

ارسال نقل کیا ہے۔ اور شرح السنہ میں یہ حدیث مصابیح کے الفاظ کے موافق نقل ہوئی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پستہ قد ناقص الخلقت کو دیکھ کر اس لئے سجدۂ شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ فضل فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس مصیبت سے محفوظ رکھا، معلوم ہوا کہ جس طرح نعمت کے حاصل ہونے پر شکر بجالانا امر مسنون ہے، اسی طرح مصیبت سے حفاظت کے موقعہ پر بھی شکر بجالانا امر مسنون ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۰، التعلیق: ۲/۱۸۳)

سجدہ میں دعا

﴿۱۴۱۰﴾ وَعَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّۃَ نُرِیْدُ الْمَدِیْنَۃَ فَلَمَّا کُنَّا قَرِیْباً مِنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ فَدَعَا اللّٰہَ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً فَمَکَثَ طَوِیْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ سَاعَۃً ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً قَالَ اِنِّی سَأَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّیْ شُکْراً ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَسَأَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّیْ شُکْراً ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَسَأَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الآخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّیْ شُکْراً۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۳۸۳، باب رفع الیدین فی الدعاء، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۷۷۵۔ ولیس عند الامام احمد فی المسند ولا غیرہ وقد وهم المصنف لانه جاء فی روایة ابی داؤد قوله ذکرہ احمد ثلاثا

مشکوۃ المصابیح: ۴۲۶/ ۱، المکتبۃ التجاریہ مصطفی احمد الباز، ھامش مصابیح السنۃ: ۵۰۳/ ۱، دار المعرفۃ بیروت لبنان)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، جب ہم لوگ مقام ''عزوزاء'' کے قریب پہونچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر پڑے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند کر کے کچھ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، پھر آنحضرت کھڑے ہوئے، اور کچھ دیر تک اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا، پھر سجدہ میں گر پڑے، اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور کچھ دیر تک اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا پھر سجدہ میں گر گئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے اپنے رب سے مانگا، اور اپنی امت کی شفاعت کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے میری تہائی امت عطا کردی، تو میں نے اپنے رب کی شکریہ کی خاطر سجدہ کیا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا، اور اپنے رب سے اپنی امت کو مانگا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک تہائی اور میری امت عطا کردی، چنانچہ میں اپنے رب کی شکرگذاری کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے رب سے اپنی امت کو مانگا تو میرے رب نے مجھ کو آخری تہائی امت بھی عطا کردی، لہٰذا میں اپنے رب کی شکرگذاری میں سجدہ میں گر پڑا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء وسفارش کی وجہ سے اس امت کے تمام لوگوں کی مغفرت فرمائیں گے، پہلی مرتبہ میں ان لوگوں کی بخشش ہوگی، جو نیک ہوں گے، پھر درمیانی لوگوں کی معافی ہوگی، پھر گنہ گاروں کی مغفرت ہوگی، امت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی رحم وکرم کی بناپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باربار سجدۂ شکر بجالائے۔

اس مقام کی خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں اترے ہوں گے، اور وہاں پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی شفاعت کی دعا کی ہوگی۔

دعا کا ادب

فرفع یدیہ ساعۃ ثم خر ساجدا: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آہستہ دعاء مانگنا افضل ہے، نیز دعا کرتے وقت ہاتھوں کا بلند کرنا بھی مستحب ہے۔

سألت ربی لامتی: اپنی تمام امت کی مغفرت کی دعاء کی۔

فاعطانی ثلث امتی: پہلی بار میں ثلث امت کی مغفرت کی بشارت ملی، یہ وہ طبقہ ہے جس کو سابقین کہا گیا ہے، یعنی اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے والا طبقہ دوسری بار میں جن کی مغفرت کا پروانہ ملا یہ وہ لوگ ہیں جن کو "مقتصدین" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی متوسط درجہ کے لوگ اور تیسری بار میں ان لوگوں کی بخشش کی نوید ملی یہ وہ لوگ ہیں جو "عاصی" کہلاتے ہیں۔ (مرقاۃ:۲/۲۸۱، التعلیق:۲/۱۸۳)

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حق تعالیٰ شانہ کی بے پناہ رحمت وعنایت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی امت پر بے پناہ شفقت ورحمت کا اندازہ ہوا، کاش ہم اپنے محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احسانات کو پہچانیں، اور قدر دانی وشکر گذاری کی کوشش کریں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

❁❁❁

باب صلوۃ الاستسقاء

نماز استسقاء کا بیان

رقم الحدیث: ۱۴۱۱ تا ۱۴۲۴۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب صلوۃ الاستسقاء

(نماز استسقاء کا بیان)

استسقاء کی حقیقت

استسقاء باب استفعال کا مصدر ہے، اس کا مجرد "السقی" ہے، استسقاء میں سین اور تاء طلب کے لئے ہیں، استسقاء کا مطلب ہوا "طلب السقی" بارش مانگنا۔ اصطلاح شریعت میں استسقاء کا معنیٰ ہے: "طلب السقی بوجه مخصوص بانزال المطر ودفع الجدب والقحط" جب قحط سالی اور بارش کی کمی ہو جائے تو اس میں دعاء واستغفار کی ترغیب دی گئی ہے، قرآن کریم میں ہے: "استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا." معلوم ہوا دعاء واستغفار میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ اثر رکھا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کی رحمت اور بارش نازل ہوتی ہے، احادیث کثیرہ میں بھی استسقاء کی ترغیب کی گئی ہے۔

استسقاء کی مشروعیت

صلوۃ استسقاء کی مشروعیت ٦ھ میں ہوئی، اور صلوۃ استسقاء اس امت کی خصائص

میں سے ہے۔(الدر المنضود)

استسقاء کی صورتیں

استسقاء کی تین صورتیں ہیں:

(۱)......بغیر نماز پڑھے استغفار کرنا اور بارش کے لئے دعا مانگنا۔

(۲)......خطبہ جمعہ اور فرض نمازوں کے بعد بارش کے لئے دعا کرنا۔

(۳)......بارش کے لئے مستقل طور پر نماز پڑھنا اور اس کے بعد دعائیں کرنا۔

اس کے اندر اعلیٰ صورت یہ ہے کہ باہر عید گاہ وغیرہ کی طرف نکلا جائے، نماز پڑھ کر نہایت عاجزی و شکستگی کے ساتھ دعاء اور استغفار کیا جائے، نماز سے پہلے صدقہ و خیرات کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

استسقاء کی یہ تینوں صورتیں سب کے نزدیک جائز اور ثابت ہیں، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ دو رکعتیں جماعت کے ساتھ امام پڑھائے، اس کے بعد دعاء کی جائے۔امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ استسقاء میں نماز مسنون نہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام صاحب استسقاء میں نماز کو جائز نہیں سمجھتے، بلکہ امام صاحب کے قول کا مقصد یہ ہے کہ استسقاء نماز میں منحصر نہیں، نیز آپ نماز کے سنت مؤکدہ ہونے کی نفی فرمانا چاہتے ہیں، جواز یا ندب کی نفی نہیں۔

نماز کے سنت مؤکدہ نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت سے موقعوں پر بارش کی دعاء کی ہے، لیکن نماز کا التزام نہیں فرمایا۔سنت مؤکدہ تب بنتی ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہوتی، نیز قرآن کریم میں بھی بارش اترنے کے لئے صرف استغفار کو بھی مؤثر قرار دیا گیا ہے:"کما فی قولہ

تعالیٰ استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا" (سورۂ نوح:۱۱)اس کے علاوہ شعبی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء کے لئے باہر نکلے اور استغفار کر کے واپس آ گئے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا لوگوں نے کہا کہ آپ نے استسقاء تو کیا ہی نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: استسقاء کر تو لیا ہے، یہ بھی استسقاء ہی کی ایک صورت ہے، پھر آپ نے سورۂ نوح والی مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (اعلاء السنن:۸/۱۴۸)

لہٰذا صلوٰۃ الاستسقاء کی حدیثیں امام صاحب کے خلاف نہیں، ان سے جواز وندب معلوم ہوتا ہے،اس کے امام صاحب بھی منکر نہیں۔(التعلیق:۲/۱۸۴)(اشرف التوضیح)

نمازِ استسقاء کی حکمت

نماز استسقاء کی حکمت یہ ہے کہ جب بہت سارے لوگ اکٹھا ہو کر نیک عمل اور توبہ واستغفار کریں گے اور پوری توجہ اور الحاح وزاری سے دعا کریں گے تو دعاء کی قبولیت کا زیادہ امکان ہوگا، بالخصوص جب نماز پڑھ کر دعا کریں گے اس لئے کہ بندہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے۔(التعلیق:۲/۱۸۴)

صلوٰۃ استسقاء میں ہاتھ زیادہ اٹھانے کی حکمت

صلوٰۃ استسقاء میں دیگر مواقع سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے،تو اس کی حکمت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا تضرع تام اور ابتہال عظیم کا پیکر محسوس ہے، جو نفس کو عاجزی کرنے کے لئے چوکنا کرتا ہے، جیسے سائل ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا ہے تو اس کے لہجہ میں بیچارگی آ جاتی ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز استسقاء میں قراءت بالجہر

﴿۱۴۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ اِلَی الْمُصَلّٰی یَسْتَسْقِیْ فَصَلّٰی بِہِمْ رَکْعَتَیْنِ جَہَرَ فِیْہِمَا بِالْقِرَاْۃِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ یَدْعُوْ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَحَوَّلَ رِدَاءَہٗ حِیْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۳۹/۱، باب الجھر بالقرأۃ، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۰۲۴۔ مسلم شریف: ۲۹۲/۱، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ طلب بارش کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی، جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہوکر دعا مانگی، دراں حالیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ اور قبلہ رخ ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر پھیر دی۔

تشریح: خرج رسول ﷺ بالناس الی المصلی: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح انفرادی حاجتوں کی تکمیل اور مصائب سے نجات کے

لئے "صلوۃ الحاجۃ" کا حکم فرمایا ہے اسی طرح عمومی پریشانی یعنی قحط سالی سے نجات کے لئے بھی عمومی اجتماعی نماز اور اجتماعی دعاء کی تعلیم فرمائی ہے، طلب بارش کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو "صلوۃ الاستسقاء" کہتے ہیں۔

فصلی بهم ركعتين جهر فيهما بالقراءة: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلوۃ استسقاء کی دو رکعت نماز پڑھائی اور اس میں جہری قرأت کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں سورۂ "ق" یا "سبح اسم ربک الاعلیٰ" تلاوت فرمائی، اور دوسری رکعت میں "اقترب" یا "سورة الغاشية" تلاوت فرمائی، چاروں مذاہب میں صلوۃ الاستسقاء کی دونوں رکعتوں میں جہراً قرأت کرنے کی تاکید آئی ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۳)

تحویل رداء کا حکم

وحول ردائه: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہوتے ہوئے اپنی چادر پھیر دی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ چادر پھیرنا عبادت کے طور پر نہیں تھا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل تفاؤل یعنی نیک فالی کے طور پر تھا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ "حول ردائه ليحول القحط" یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چادر اس مقصد سے پلٹی تا کہ قحط سالی ختم ہو جائے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل تفاؤل کے طور پر تھا تو اس سے عمل کی مشروعیت تو ثابت ہوگئی، لیکن اس عمل کو مسنون نہیں کہا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک "تحویل رداء" کی مشروعیت صرف امام کے لئے ہے، مقتدیوں کا

اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، دیگر ائمہ نے اس عمل کو مقتدیوں کے حق میں بھی مستحب قرار دیا ہے۔

جہاں تک دیگر ائمہ کی بات ہے تو انہوں نے مسند احمد کی حدیث کے ان کلمات سے استدلال کر کے "وتحول الناس معه" مقتدیوں کے لئے تحویل رداء کو مستحب قرار دیا ہے، اور رہی بات حنفیہ کی تو احناف کہتے ہیں کہ حدیث کے کلمات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقتدیوں نے اپنی چادریں پلٹ لیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے چہروں کو قبلہ کی طرف کیا، اور مقتدیوں نے قلب رداء کیا بھی تو اس کو مستحب اس وقت کہا جائے گا جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مقتدیوں کے اس عمل کا علم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش رہے ہوں، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور چونکہ مقتدیوں کی طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیٹھ تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے عمل سے واقف نہیں ہوئے، لہٰذا مقتدیوں کے عمل سے استدلال درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۳/۲۸۳، التعلیق:۲/۱۸۵)

تحویل رداء کا طریقہ

داہنے ہاتھ سے چادر کے نیچے کا بایاں گوشہ اور بائیں ہاتھ سے چادر کا دایاں گوشہ پکڑ لیا جائے پھر دونوں ہاتھوں کو کاندھے سے اوپر اٹھایا جائے، پھر داہنے ہاتھ کو داہنی طرف اور بائیں ہاتھ کو بائیں طرف لایا جائے، اور چادر کاندھے پر ڈالی جائے اس طرح چادر بالکل پلٹ جائے گی، نچلا حصہ اوپر آجائے گا، اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے گا، اسی طرح دایاں اور بایاں بھی پلٹ جائے گا۔ (التعلیق:۲/۱۸۵، ایضاح البخاری:۶/۳۴۳)

دعاء استسقاء کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا

﴿۱۴۱۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ شَیْءٍ مِنْ دُعَائِہٖ اِلَّا فِی الْاِسْتِسْقَاءِ فَاِنَّہٗ یَرْفَعُ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْہِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۴۰/۱، باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۰۳۱۔ مسلم شریف: ۲۹۳/۱، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے علاوہ اپنی کسی دعا میں اپنے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا کرتے تھے، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استسقاء میں اتنے ہاتھ بلند کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

تشریح: استسقاء کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھوں کو بہت بلند فرما کر دعاء فرمایا کرتے تھے۔

اس وقت عرب میں عامۃً حلہ پہننے کا دستور تھا، بغیر سلی دو چادریں ایک چادر اوپر ایک نیچے، اوپر والی چادر بھی بہت کشادہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے جب ہاتھوں کو خوب اوپر اٹھایا جاتا تو بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔

فائدہ: (۱)...... استسقاء کے موقعہ پر ہاتھوں کو خوب بلند اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک انتہائی حسین خوبصورت تھا، کہ حسین

سفید نظر آتا تھا۔

(۳)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک بغلوں میں بال نہیں تھے، یا بہت معمولی تھے۔

(۴)......بغل کے بالوں کو اکھاڑنا اصل سنت ہے، بغل کے بالوں کو جب اکھیڑا جاتا ہے تو بال بہت باریک اور بہت کم ہو جاتے ہیں، بالکل نہ ہونے کے درجہ میں۔

دعاء استسقاء میں ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کرنا

﴿۱۴۱۳﴾ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَسْقٰى فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ اِلَى السَّمَاءِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۹۳/۱، باب رفع الیدین فی الدعاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعاء مانگی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء استسقاء کرتے ہوئے ہاتھوں کو پلٹ لیا، ہتھیلیوں کو زمین کی طرف اور ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کر لیا، مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس قحط سالی کو خوش حالی سے پلٹ دے۔

فاشار بظهر كفيه الى السماء: بعض علماء کہتے ہیں کہ تحویل رداء کی طرح دعا کے وقت ہاتھوں کو پلٹنا بھی تفاول ہی کے طور پر ہے، اور اس میں اس طرف اشارہ ہے

کہ جس طرح ہتھیلی کو پلٹ دیا گیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بادل کو بھی زمین کی طرف پلٹ دیں اور بارش ہو جائے، بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ خشک سالی وغیرہ کے دور ہونے کی دعاء کی جائے، تو ہاتھوں کو الٹا کر کے اٹھایا جائے، یعنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف رکھی جائے، اور کسی نعمت کو طلب کرنا ہو تو ہتھیلیوں کی پشت زمین کی طرف رکھی جائے۔ (مرقاۃ:۲/۲۸۴، التعلیق:۲/۱۸۵)

نافع بارش کی دعا کرنا

﴿۱۴۱۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَيِّباً نَافِعًا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۰، باب مایقول اذا امطرت، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۰۳۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کو دیکھتے تو یوں دعا فرماتے: "اللھم صیبا الخ" [اے اللہ! نفع بخش بارش خوب نازل فرمائیے۔]

تشریح: صیبا نافعا: "صیب" کے اصل معنی بارش کے ہیں، یہ حکم خداوندی سے نفع کا سبب بھی بن سکتی ہے، اور نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ نفع بخش ہونے کی دعا کرنا چاہئے، آگے احادیث آرہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بارش سے پہلے جب ہوا چلتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکرمند ہو جاتے، کیونکہ ہوا

کے ذریعہ ہی سے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے اور بارش وہوا کو رحمت کا ذریعہ بنانے کی دعا فرماتے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۴)

بارش کا پانی متبرک ہے

﴿۱۴۱۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَوْبَہٗ حَتّٰی اَصَابَہٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا قَالَ لِاَنَّہٗ حَدِیْثُ عَھْدٍ بِرَبِّہٖ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۹۴، باب الدعاء فی الاستسقاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۸۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش شروع ہوگئی، روای کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا کپڑا ہٹا دیا، یہاں تک کہ بارش کا پانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر پہونچا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یہ تازہ پانی اپنے رب کے پاس سے آیا ہے۔

تشریح: آسمان سے برسنے والا پانی نہ صرف طاہر ومطہر ہوتا ہے، بلکہ بابرکت بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ جس وقت آسمان سے پانی برس رہا ہوتا ہے اس وقت نہ تو وہ

گنہگار ہاتھوں سے آلودہ ہوتا ہے، اور نہ ہی ابھی اس زمین تک پہونچ پاتا ہے کہ جس پر گناہ کئے جاتے ہیں، لہٰذا اس پانی کو جسم پر ملنا چاہئے، اور نزول باراں کے وقت دعا بھی کرنی چاہئے کہ اس وقت مانگی ہوئی دعا بہت جلد بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت پاتی ہے۔

فحسر : آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بدن سے کپڑا ہٹالیا، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سرِ مبارک کو کھول لیا، لیکن حاکم کی روایت میں ہے کہ "**فحسر ثوبہ من ظھرہ**" اپنی پیٹھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کپڑا ہٹالیا۔

پھر بارش یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ورحمت ہے، جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی طرف آرہی ہے، گویا بارش اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی طرف ایک قاصد بھی ہے، اس کی تعظیم وتکریم بھی ضروری ہے، اس سے برکت حاصل کرنا بھی ضروری ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو اپنے سر اور اپنے بدن پر ملتے تھے۔ (التعلیق: ۲/۱۸۶، مرقاۃ: ۲/۲۸۴)

الفصل الثانی

نماز استسقاء میں چادر پلٹنا

﴿۱۴۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ

عَلٰی عَاتِقِهِ الْاَیْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَیْسَرَ عَلٰی عَاتِقِهِ الْاَیْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱/۱۶۵، ابواب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۱۶۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لائے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارش طلب کی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبلہ رخ ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا دایاں کونا گھما کر اپنے بائیں مونڈھے پر ڈال لیا، اور چادر کا بایاں کونا گھما کر اپنے دائیں مونڈھے پر ڈال لیا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلب باراں کے موقعہ پر تحویل رداء کا عمل انجام دیا، یہ انجام بطور تفاؤل کے تھا، مقصد یہ تھا کہ جس طرح میں نے چادر پلٹی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح بارش نازل فرما کر قحط سالی کو خوش حالی سے تبدیل فرمادیں۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مستقل سنت یا مستحب ہے، پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ تحویل رداء کب کرنی چاہئے، بعض کہتے ہیں کہ خطبہ کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد، بعض کہتے ہیں بین الخطبتین کی جائے، بعض نے کہا خطبہ کے بعد کی جائے۔

صلوۃ استسقاء میں خطبہ

سوال: صلوۃ الاستسقاء میں خطبہ بھی ہونا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اس حدیث اور دوسری بعض احادیث میں خطبہ کا ذکر آرہا ہے۔

سوال: یہ خطبہ ایک ہونا چاہئے یا دو؟

جواب: اس میں امام احمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک خطبہ ہے، امام محمد اور امام

شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا ذوق یہ ہے کہ استسقاء میں کوئی خاص کیفیت مسنون نہیں بلکہ اس میں وسعت ہے جو کیفیت بھی اختیار کر لی جائے مقتضائے حال کے مطابق وہ درست ہے۔ (اشرف التوضیح)

ایضاً

﴿۱۴۱۷﴾ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ اسْتَسْقٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ أَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهُ أَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَبَهَا عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۴۲، ابوداؤد شریف: ۱/۱٦۴، ابواب صلوٰۃ الاستسقاء، کتاب صلوٰۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۱٦۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا فرمائی، اس وقت آپ کے جسم پر کالی چادر تھی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چادر کے نیچے حصہ کو پکڑنا چاہا تا کہ اس کو اوپر کر دیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دشواری ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چادر کو اپنے دونوں مونڈھوں پر ہی پلٹ لیا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحویل رداء اس طور پر فرماتے تھے کہ چادر کے نیچے کا حصہ اوپر ہو جاتا تھا، دایاں حصہ بائیں جانب اور بایاں حصہ دائیں جانب ہو جاتا تھا، لیکن جس موقعہ کا حدیث باب میں ذکر ہے اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو نیچے کا حصہ اوپر کرنے میں دشواری ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا، صرف دائیں حصہ کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں طرف کرنے پر اکتفاء فرمالیا۔

دعاء استسقاء کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا

﴿۱۴۱۸﴾ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اَبِى اللَّحْمِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ رَأَى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِىْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْباً مِّنَ الزَّوْرَاءِ قَائِماً يَدْعُوْا يَسْتَسْقِىْ رَافِعاً يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَايُجَاوِزُ بِهِمَا رَأْسَهٗ۔ (رواه ابوداؤد) وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَائِىُّ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۶۵/ ۱، باب رفع الیدین فی الاستسقاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۱۶۸، ترمذی شریف: ۱۲۴/ ۱، باب ماجاء فی صلوۃ الاستسقاء، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۵۷۔ نسائی شریف: ۱۷۱/ ۱، باب کیف یرفع، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۵۱۳۔

ترجمہ: حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زوراء کے قریب مقام احجار الزیت پر کھڑے ہوکر استسقاء کی دعا فرماتے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ کو اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے، ان کو سر سے اونچا نہیں کررہے تھے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استسقاء کی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگتے تھے، اور اس دعا میں ہاتھوں کو جتنا زیادہ بلند فرماتے تھے دوسری دعا کے موقعہ پر اتنا بلند نہیں فرماتے تھے۔

احجار الزیت: مدینہ میں ایک مقام کا نام ہے، اور اس مقام کا نام اس وجہ سے ہے کہ وہاں پتھروں پر ایسی چمک دمک ہے کہ لگتا ہے کہ پتھروں پر تیل ملا گیا ہے۔

رافعا یدیہ قبل وجہہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء استسقاء کرتے وقت ہاتھوں کو اپنے چہرۂ انور کے سامنے رکھا تھا۔

اشکال: گذشتہ اوراق میں ہے: ''استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء'' یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارش کی دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہتھیلیوں کو زمین کی طرف اور ہتھیلیوں کی پشت کو آسمان کی طرف کیا، حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہتھیلیوں کی پشت کو زمین کی طرف کیا، دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل کرنا ثابت ہے، کبھی آنحضرت نے وہ عمل انجام دیا جس کا گذشتہ احادیث میں ذکر ہوا، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ صورت اختیار کی جس کا حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

لایجاوز بھا رأسہ: حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعاء استسقاء کے وقت ہاتھ بلند کرتے، لیکن اتنے زیادہ بلند نہیں ہوتے تھے کہ سر کے اوپر اٹھ جائیں۔

اشکال: پیچھے حدیث گذری ہے جس میں ہے کہ ''فانہ یرفع حتی یری بیاض

ابطیہ" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی، اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ سر کے اوپر لگ جاتے تھے، تب ہی تو بغل دکھتی تھی، جبکہ حدیث باب میں صراحتاً ہاتھوں کا سر سے اوپر نہ اٹھنا مذکور ہے، دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں طرح کے عمل الگ الگ اوقات کے ہیں، کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ سر سے اوپر اٹھ گئے، ہیں، اور بغل نظر آ گئی ہے، اور کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا ہے کہ وہ سر سے اوپر نہیں اٹھے، جس نے جو دیکھا وہ نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ: ۵/۲۸۵)

استسقاء کے وقت معمولی لباس پہننا

﴿۱۴۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فِي الْإِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلاً مُتَوَاضِعاً مُتَخَشِّعاً مُتَضَرِّعاً۔ (رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجه)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۲۴، باب ماجاء فی صلوۃ الاستسقاء، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۵۹۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۶۵، ابواب صلوۃ لاستسقاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۔ نسائی شریف: ۱/۱۷۰،

باب جلوس الامام علی المنبر للاستسقاء، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۵۰۷۔ابن ماجہ شریف:۹۰، باب ماجاء فی صلوۃ الاستسقاء، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۲۶۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارش طلب کرنے کے لئے نکلے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت معمولی لباس میں نہایت تواضع، عاجزی، اور خاکساری کی حالت میں تھے۔

تشریح: طلب بارش کے وقت نہایت عاجزی اور مسکنت کا اظہار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کے اقرار اور اپنی خطاؤں پر ندامت کے اظہار کے ساتھ طلب باراں کی دعا کی جانی چاہئے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجائے، اور اللہ تعالیٰ قحط سالی کو دور فرمادیں۔

مبتذلا: انتہائی معمولی لباس پہنے ہوئے۔

متواضعا: ظاہری طور پر بھی تواضع تھی۔

متخشعا: باطنی طور پر فروتنی موجود تھی۔

متضرعا: ذکرواذکار اور تضرع سے زبان تر تھی، حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظاہر وباطن عجز وانکسار کا پیکر تھا، اور زبان عجز ونیاز کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول تھی۔(التعلیق:۲/۱۸۶، مرقاۃ:۲/۲۸۵)

استسقاء کے موقعہ پر دعا

﴿۱۴۲۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ

كان النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ (رواه مالك ابو داؤد)

حواله: مؤطا امام مالک:٦٧، باب ماجاء في الاستسقاء، كتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:٢۔ابوداؤد شریف:١٦٦/١، باب رفع اليدين في الاستسقاء، ابواب صلوة الاستسقاء، حدیث نمبر:١١٧٦۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لئے دعا فرماتے تو یوں دعا فرماتے: "اللهم اسق عبادك الخ" [اے اللہ! اپنے بندوں کو اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب کردے، اور اپنی رحمت کو پھیلا دیجئے، اور اپنی مردہ زمینوں کو زندہ کردیجئے۔]

تشریح: عبادک: اسمیں مرد و عورت غلام، باندی، مسلم، کافر سب داخل ہیں۔

بھیمتک: اس میں زمین کے تمام جانور اور کیڑے مکوڑے داخل ہیں، مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اپنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو سیراب فرمائے۔

و انشر: اپنی رحمت کو عام فرما دیجئے۔

و احی بلدک المیت: یعنی پانی نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک ہوکر بنجر گویا مردہ ہوگئی ہیں، آپ پانی برسا کر اور سبزہ اگا کر انہیں دوبارہ زندگی عطا فرما دیجئے۔ (مرقاۃ:٢/٢٨٥)

دعا کرتے ہی بارش ہونا

﴿۱۴۲۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثاً مُغِيْثاً مَرِيْئاً مَرِيْعاً نَافِعاً غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلاً غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۶۵/۱، باب رفع الیدین فی الاستسقاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۱۶۹۔

حل لغات: یواکی واکا علی یدہ مو کاۃ و وکاء، دعا کے لئے دونوں ہاتھ زور دے کر اٹھانا، غیث ج: غیوث، بارش۔ مغیثا فریادرس۔ اغاث اغاثۃ فریاد سننا مدد کرنا۔ مریئا مرؤۃ الارض مراء ۃ، زمین اچھی آب و ہوا والی ہونا۔ مریعا میم کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، سبزہ اگانے والی۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں: "اللھم اسقنا غیثا مغیثا الخ" [اے اللہ! ہمیں ایسی بارش سے سیراب فرمایئے جو فریادرس ہو، سبزہ اگانے والی ہو، نفع بخش ہو، نقصان دہ نہ ہو، جلد آنے والی ہو، دیر کرنے والی نہ ہو۔] حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر ابر چھا گیا۔

تشریح: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے نفع رساں بارش طلب کی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی، اور فوراً بارش ہونے لگی۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مطلق بارش کی دعا نہیں کرنی چاہئے، بلکہ نفع بخش بارش کی دعا کرنی چاہئے۔

﴿الفصل الثالث﴾

استسقاء میں خطبہ

﴿۱۴۲۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْماً يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ لَنَا الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغاً اِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهٗ وَقَلَبَ اَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهٗ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاتِ

مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱۶۵/۱، باب رفع الیدین فی الاستسقاء، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے رک جانے کی شکایت کی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر کا حکم دیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے عیدگاہ میں منبر رکھا گیا، اور لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا کہ اس میں نکلیں گے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے جس وقت سورج کا کنارہ ظاہر ہوا، پس منبر پر بیٹھے تکبیر کہی، اور اللہ کی حمد کی، پھر فرمایا کہ تم نے اپنے شہروں میں قحط کی شکایت کی ہے، اور مینھ کے وقت مقررہ سے دیر کرنے کی، اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا کہ تم اس کو پکارو، اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول کریگا، پھر فرمایا: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو عالموں کا پروردگار ہے، بخشنے والا مہربان ہے، جزاء کے دن کا مالک ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اے اللہ! تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بے پرواہ ہے، اور ہم فقیر ہیں، ہم پر مینھ برسا اور اس چیز کو جو تو اتارے قوت اور ایک مدت تک فائدہ پہونچنے کا سبب بنا، پھر اپنے ہاتھ بلند کئے، اور نہ چھوڑے ہاتھ اٹھانا یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوئی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پشت لوگوں کی طرف پھیری اور اپنی چادر کو الٹایا پھیرا، اور اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے ہوئے تھے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اترے دو رکعت

نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ نے ایک ابر ظاہر کیا، پھر گرجا، اور چمکا پھر اللہ کے حکم سے مینھ برسا، آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مسجد تک نہ پہونچے تھے کہ نالے بہے، جب لوگوں کو سائے کی طرف جلدی کرتے ہوئے دیکھا تو ہنسے، یہاں تک کہ آنخضرت کے دانت ظاہر ہوئے، پس فرمایا میں گواہی دیتا ہوں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور بے شک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

تشریح: قحط کی وجہ سے خشک سالی کی شکایت کی گئی تو آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا قبول فرما کر فوراً بارش نازل فرمائی، آنخضرت نے دعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی ہے، اور اس کی قدرت کا تذکرہ کیا ہے، اور اپنے ہاتھ بلند کر کے چادر پلٹ کر اپنی عاجزی اور بے بسی کے اظہار کے ساتھ خشک سالی کے خوشحالی سے بدلنے کی التجا کی ہے۔

فامر بمنبر: بعض لوگوں کے نزدیک صلوۃ الاستسقاء میں خطبہ سنت ہے، جیسا کہ بعض روایات سے مزید صراحت ہوتی ہے، عبداللہ بن زید کی روایت ہے: "**خرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یستسقی فبدأ بالصلوۃ قبل الخطبۃ**" (رواہ احمد) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خطبہ نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ استسقاء میں جماعت ہی مسنون نہیں تو خطبہ جماعت کے تابع ہے وہ کیسے مسنون ہو سکتا ہے، امام صاحبؒ کے قول کی تائید ابوداؤد کی حدیث ہے: "**فلم یخطب خطبکم ھذہ**" یعنی آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ نہیں دیا۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۶)

دعا میں توسل

﴿۱۴۲۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ

الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْا۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۳۷/ ۱، باب سوال الناس والامام الاستسقاء اذا قحطوا، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر: ۱۰۱۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب قحط پڑ اتھا، تو وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دعاؤں میں وسیلہ بنایا کرتے تھے، اور تو بارش عطا کرتا تھا، اب ہم تیری بارگاہ میں پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو دعاؤں میں وسیلہ بنارہے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرمادے، چنانچہ بارش برستی تھی۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، چونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے، جو کہ مرتبہ میں باپ کے مانند ہوتا ہے، اس وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا جان کی بڑی عزت فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی خصوصی رشتہ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی، اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی درخواست کی۔

وسیلے کے معنی

اردو زبان میں ذریعہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کے معنی

کچھ مختلف ہیں، اور یہ وسل (ض) فعیلۃ کے وزن پر مشتق ہے، وسل کے معنی "التوسل الی شیء برغبۃ" کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا۔

وسیلے کی مختلف صورتیں

دعاء میں توسل اختیار کرنے والوں کا ذہن مختلف ہوتا ہے، اور ان کے احکام الگ الگ ہیں، مثلاً:

(۱)...... اگر توسل کے ساتھ دعا مانگنے والوں کا ذہن یہ ہے کہ اگرچہ حقیقتاً عطا کرنے والا تو خدا ہی ہے، لیکن جن کو وہ وسیلہ اور واسطہ بنا رہا ہے اس کو خدا نے مستقل طور پر یا عارضی طور پر خصوصی اختیارات تفویض کر دیئے ہیں، اور ان اختیارات کی وجہ سے متوسل بہ مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے تو اس ذہن کا انسان دعا میں خدا کا نام محض تبرک کے لئے ذکر کرتا ہے، اصل مقصود اسی وسیلہ اور واسطہ سے مانگنا ہوتا ہے، چنانچہ ایسا انسان ان واسطوں سے ان چیزوں کو بھی مانگتا ہے جن کا دینا صرف باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اگر ایسا ہے تو شرک ہے، اور اس کی کسی کے یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(۲)...... اور اگر سائل کا ذہن یہ ہے کہ وہ واسطہ اور وسیلہ کو صاحب اختیار نہیں سمجھتا اور نہ ان سے کچھ مانگ رہا ہے اور نہ مانگنے کو جائز سمجھتا ہے بلکہ وسیلہ کے بارے میں اس کا تصور یہ ہے کہ یہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے، اور اپنے اعمال صالحہ اپنی بہتر دینی خدمات کے سبب بارگاہ خداوندی میں ان کو مقبولیت ہونی چاہئے، اس لئے ان کے وسیلہ سے دعاء کے مقبول ہونے کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف)...... پہلی صورت یہ ہے کہ سائل کسی زندہ مسلمان یا بزرگ سے اپنے لئے دعاء کی درخواست کرے، یہ صورت بالاجماع درست ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے "لاتنسانا یا اخی فی دعائک" (ابو داؤد شریف: ۱/۲۱۰، باب الدعاء) فرمایا تھا۔

(ب)...... دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرحوم مسلمان بزرگ سے دعا کی درخواست کرے، یعنی قبر کے قریب جا کر یہ کہے کہ اے فلاں! خدا سے میرے لئے دعا کیجئے کہ وہ میری فلاں ضرورت پوری کر دے، تو اس مسئلہ کا تعلق سماع موتی سے ہے، جو سماع موتی کے قائل ہیں وہ اس کو جائز کہتے ہیں، اور جو سماع موتی کے منکر ہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے، لیکن چونکہ خیر القرون میں مرحومین سے دعا کی درخواست کا معمول نہیں رہا اس لئے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

(۳)......اور اگر دعاء کے لئے کسی زندہ یا مرحوم سے دعا کی درخواست نہیں کرتا، بلکہ خود دعا کرتا ہے اور دعا کی قبولیت کے لئے بارگاہ خداوندی میں کسی چیز کو ذکر کرتا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

(الف)......پہلی صورت یہ کہ وہ اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کی درخواست کرے، جیسا کہ صحیح روایات میں امم سابقہ کے تین افراد کا واقعہ ہے کہ غار میں منہ بند ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے اپنے اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امم سابقہ کے اس واقعہ کو استحسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے، اس لئے دعا میں نیک اعمال کو وسیلہ بنانا سب کے نزدیک جائز ہے، اس طریقہ کو "توسل بالاعمال الصالحۃ" کہتے ہیں، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(ب)......دوسری صورت یہ کہ کسی ایسی شخصیت کے وسیلے سے دعا کرے، جس کو بارگاہ خداوندی میں مقبول سمجھتا ہے اس کو "توسل بالاعیان" کہتے ہیں، جمہور اس

کے جواز کے قائل ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ اس وسیلہ کا ظاہر توسل بالاعیان ہے، لیکن اس کی حقیقت "توسل بالاعمال الصالحة" ہی ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرتا ہے: "اللھم اتوسل الیک بعبدک فلان" اے اللہ میں فلاں بزرگ کے توسل سے دعا کرتا ہوں، اس کی بنیاد کوئی غلط عقیدہ نہیں، کہ وہ اس بزرگ کو متصرف فی الامور سمجھ رہا ہے، یا یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے دعا قبول کروا سکتے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بزرگ اپنے اعمال صالحہ اور اپنی دینی خدمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں، اور مجھ کو ان سے تعلق ہے، اور اس طرح دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اے اللہ! میرے اس تعلق کی برکت سے میری دعا قبول فرمالے، وغیرہ۔ اس لئے اس کی حقیقت "توسل بالعمل الصالح" ہی کو قرار دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس ذات کو دعا میں وسیلہ بنایا جائے اگر دعا کرنے والا اس کو متصرف سمجھ رہا ہے تو یہ شرک اور حرام ہے، اور اگر وہ اس کو کسی بھی درجہ میں متصرف فی الامور نہیں سمجھتا ہے، دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اور وسیلے کے طور پر پیغمبر علیہ السلام یا اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندہ کا نام بھی ذکر کرتا ہے تو ابن تیمیہؒ اس کے منکر ہیں، اور جمہور اس کی گنجائش سمجھتے ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھیں۔ روح المعانی: ۱۲۴، ۶/۱۲۵، تحت آیت "وابتغوا الله الوسیلة"

توسل کی حیثیت

توسل کے مختلف طریقوں اور ان کے احکام کے ساتھ یہ معلوم کرلینا بھی مناسب ہے کہ توسل کی حیثیت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ اختیار کرنا مشروع اور جائز ہے، بعض حضرات نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، اور بعض کے یہاں اس کی اہمیت بھی ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "ومن آداب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ والتوسل بنبی اللہ یستجاب." (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۶)[دعاء کے آداب میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توسل کو مقدم کیا جائے تا کہ دعا قبول ہو۔]

چیونٹی کی وجہ سے بارش

﴿۱۴۲۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ خَرَجَ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ بِالنَّاسِ یَسْتَسْقِیْ فَاِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِیْبَ لَكُمْ مِنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ۔ (رواه الدارقطنی)

حوالہ: دار قطنی: ۲/۴۶، کتاب الاستسقاء.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبیوں میں سے ایک نبی اپنے امتیوں کو لے کر نماز استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پیر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نبی وقت نے فرمایا: کہ واپس چلو اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی رحمت و توجہ اپنی تمام مخلوقات پر ہے، معمولی سی چیونٹی نے بارگاہ الٰہی میں بارش کے نزول کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی دعا قبول کرتے ہوئے بارش نازل فرمادی۔

نبی من الانبیاء: حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔

ر افعۃ: چیونٹی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگ رہی تھی۔

اللھم انت خلقتنا فان رزقتنا و الا فاهلکنا: [اے اللہ! تو نے ہم کو پیدا فرمایا، پس یا تو ہم کو رزق عطا فرمایا پھر ہم کو ہلاک فرمادے۔]

یا پھر یہ دعاء چیونٹی مانگ رہی تھی: "اللھم انا خلق من خلقک لاغنی بنا عن رزقک فلا تهلكنا بذنوب بني آدم" [اے اللہ! تیری مخلوق میں سے ہم بھی ایک مخلوق ہیں، اور ہم کو تیرے رزق کے بغیر کوئی چارہ نہیں، پس آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم کو ہلاک نہ فرما۔]

فقد استجیب لکم من اجل ھذہ النملۃ: [اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔]

اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی قدرت مخلوق سے بے نیازی اور تمام مخلوقات کے حق میں رحمت ورافت ساری چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۸)

باب فی الریاح

ہواؤں کا بیان

رقم الحدیث: ۱۴۲۵/تا ۱۴۳۶۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فی الریاح

(ہواؤں کا بیان)

﴿الفصل الاول﴾

ہوا کے ذریعہ نصرت وہلاکت

﴿۱۴۲۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۱/۱، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "نصرت بالصبا" کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۰۳۵۔ مسلم شریف: ۲۹۵/۱، باب فی ریح الصباء، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۹۰۰۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہ پورواہ ہوا کے ذریعہ میری مدد کی گئی، اور قوم عاد پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔

تشریح: ”صبا“ اس ہوا کو کہتے ہیں جو مشرق سے چلتی ہے۔ اس سے غزوہ احزاب کے متعلق اترنے والی آیت کی طرف اشارہ ہے، غزوۂ احزاب کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ قبیلہ غطفان اور یہودیوں نے جب مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا اور تقریباً ایک مہینہ تک محاصرہ کئے رکھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا طوفان اور آندھی چلائی کہ کافروں کے خیمے اکھاڑ دیئے، اور چولہوں پر جو ہانڈیاں چڑھی ہوئی تھیں الٹ دیں، اور ان کے چہروں پر مٹی اور کنکریوں کی ضربیں لگائیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کردیا کہ طوفان انہیں ہلاک اور برباد کردیگا اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اتارا تمام فرشتوں نے اپنے قدموں کے ذریعہ ایسا بھونچال پیدا کیا کہ کافروں کے ہوش وحواس اڑ گئے اور ان کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا تو کافروں کو ہلاکت کا یقین ہوگیا، چنانچہ سب سے پہلے ابوسفیان جو لشکر کا سردار تھا گھوڑے پر سوار ہوا اور مکہ کی طرف بھاگ نکلا سردار کو بھاگتے دیکھ کر دوسرے کافر بھی بھاگ کھڑے ہوئے، اور شکست سے دوچار ہوئے، پس بادصبا کا جھونکا درحقیقت اہل اسلام کے لئے فضل الٰہی اور نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۸۹:۹)

”دبور“ اس ہوا کو کہتے ہیں جو مغرب کی طرف سے چلتی ہے۔ حدیث کے اس ٹکڑے سے قوم عاد کی ہلاکت وبربادی کی طرف اشارہ ہے، اس کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے کہ قوم عاد کے لوگوں کا قد بارہ بارہ گز کا ہوتا تھا، جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کرگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ایسی زبردست ہوا چلائی کہ ہواؤں نے قوم عاد کے لوگوں کو زمین پر پٹک دیا، اور

ان کے سروں کو پیس دیا، اور پیٹوں کو پھاڑ دیا، اور اوجھ کو باہر کر دیا، جس سے پوری فضا بدبودار ہوگئی، تو یہ ہوا دراصل حکم الٰہی کے تحت قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کے لئے مامور کی گئی تھی، اور کبھی ہوا چلانا کسی قوم کی مدد کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی کسی قوم کی بربادی کے لئے جیسے کہ دریاء نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ہمنواؤں کے لئے پانی ہی ثابت ہوا، لیکن فرعون اور اس کے لشکریوں کے لئے باعث بربادی ہوا۔ (مرقاۃ:۲/۲۸۹)

بادل اور ہوا سے فکر

﴿۱۴۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكاً حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْماً اَوْ رِيْحاً عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۲/۷۱۵، باب فلما رأوه عاضا مستقبل اودیتهم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:۴۸۲۸۔ مسلم شریف:۱/۲۹۵، باب التعوذ عند رؤیة الریح، کتاب صلوة الاستسقاء، حدیث نمبر:۸۹۹۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کبھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صرف مسکرایا کرتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بادل یا ہوا دیکھتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے کی رنگت کی تبدیلی صاف سمجھ میں آتی تھی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منہ کھول کر اور قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے، سنجیدگی اور متانت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتیازی وصف تھا، خوشی وفرحت کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرانے پر اکتفا فرماتے تھے، چونکہ ہوا اور ابر کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو سابقہ زمانوں میں ہلاک فرمایا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان چیزوں کو دیکھ کر فکر لاحق ہوجایا کرتی تھی اور خوف وخشیت میں اضافہ ہوجاتا تھا۔ (التعلیق: ۲/۱۸۸، مرقاۃ: ۲/۲۸۹)

تیز ہوا کے وقت دعا

﴿۱۴۲۷﴾ **وَعَنْهَا** قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ! كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۵۵، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ وھو الذی ارسل الریاح، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر: ۳۲۰۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۹۴، باب التعوذ عند رؤیۃ الریح، کتاب صلوۃ الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے: "**اللھم انی اسئلک الخ**" [اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتا ہوں اور وہ بھلائی مانگتا ہوں جو تو نے اس ہوا میں رکھی ہے، اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لئے تو نے اس ہوا کو بھیجا ہے، اور میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی اس ہوا کی برائی سے اور اس برائی سے جو آپ نے اس میں رکھی ہے، اور اس چیز کی برائی سے جس کے لئے آپ نے اس کو بھیجا ہے۔] اور جب آسمان پر ابر ظاہر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر نکلتے پھر اندر داخل ہوتے، آگے ہوتے پیچھے ہوتے، پھر جب پانی برسنا شروع ہو جاتا تو یہ پریشانی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور ہو جاتی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس چیز کو محسوس کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ یہ ابر کہیں ایسا ہی نہ ہو جس کے بارے میں قوم عاد نے کہا تھا، (جس کا ذکر قرآن پاک میں یوں **فلما رأوہ الخ**) [پھر جب قوم عاد نے اس ابر کو دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آیا تو انہوں نے کہا یہ ابر ہے، جو ہم پر برسے گا،] اور ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بارش کو دیکھتے تو فرماتے اے اللہ اس بارش کو رحمت بنا دیجئے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بادلوں کو امنڈتے دیکھتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی امت سے انتہائی تعلق و لگاؤ کی بنا پر یہ خدشہ ہونے لگتا کہ کہیں یہ عذاب کے بادل نہ ہوں، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے کی رنگت بدل جایا کرتی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات بخوبی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے بادل بھیج کر ہلاک کیا تھا، جب قوم عاد نے قحط

کے زمانہ میں بادل دیکھے تھے تو وہ بے حد مسرور ہوئے کہ اس میں ہمارے لئے راحت کا سامان ہے، لیکن درحقیقت اس میں ان کے لئے عذاب پوشیدہ تھا۔

تغیر لونہ: بادل دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا ہے۔

اشکال: اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا خدشہ کیوں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر عذاب آسکتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم" (سورۂ انفال: ۳۴)

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت اس قصہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

(مرقاۃ: ۲/۲۹۰)

غیب کی کنجیاں

﴿۱۴۲۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ" الاٰيَةَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۲/۶۶۶، باب وعند مفاتيح الغيب لايعلمها الا هو، كتاب التفسير، حديث نمبر: ۴۴۴۱.

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "ان الله عنده الخ" (سورۂ لقمان: ۳۴) [بے شک اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے۔]

تشریح: پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا کلی علم اللہ تعالیٰ نے کسی کونہیں دیا ہے، ان پانچ چیزوں کا قطعی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کونہیں، البتہ اپنے بعض مقرب بندوں کو جزئی طور پر کبھی کبھی ان چیزوں سے باخبر کر دیتا ہے۔

وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: (۱) قیامت کے وقوع کا علم۔ (۲) بارش کے نزول کا علم۔ (۳) رحم مادر میں کیا ہے؟ اس کا علم۔ (۴) انسان آئندہ کیا کمائے گا؟ اس کا علم۔ (۵) کس زمین پر موت آئے گی اس کا علم۔

قیامت کے وقوع کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا کہ "ما المسؤل عنها باعلم من السائل" (بخاری شریف: ۱/۱۲، باب سوال جبرئیل الخ) یعنی کہ جس سے تو پوچھ رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے، حاصل یہ تھا کہ قیامت کے وقوع کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کونہیں۔

"وینزل الغیث" بارش کب ہوگی؟ کتنی ہوگی؟ کن جگہوں پر ہوگی؟ اس کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کے علاہ کسی کونہیں ہے۔ سائنس داں موسمیات سے واقف حضرات جو کچھ خبر دیتے ہیں وہ قطعی نہیں ہوتی، کتنی مرتبہ ان کے خلاف ہوتا ہے۔

"ویعلم مافی الارحام" مادر رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ تام الخلقت یا ناقص الخلقت ہے؟ کالا ہے یا گورا ہے؟ طویل ہے یا ناٹا؟ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ ان تمام چیزوں کی مکمل تفصیلات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کونہیں۔ مشینوں کے ذریعہ دیکھ کر جو کچھ خبر دی جاتی اولاً تو تفصیلی نہیں ہوتی، ثانیاً وہ بھی ظنی ہوتی ہے، کتنی مرتبہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔

"وماتدری نفس ماذا تکسب غدا" دنیا کے اندر خیر حاصل کریگا یا شر؟ اطاعت کریگا یا نافرمانی؟ اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہوگا یا عذاب کا؟ اس کا قطعی علم

صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

"وماتدری نفس بای ارض تموت" دار الاسلام میں مرے گا یا دار الکفر میں؟ کس حالت اور کس عالم میں رخصت ہوگا؟ اس کا یقینی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۹۰)

شدید قحط سالی

﴿۱۴۲۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنِ السَّنَةُ اَنْ تُمْطَرُوْا وَتُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۹۳، باب فی قول النبی الا ان الفتنة ههنا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۹۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سخت قحط سالی صرف یہ نہیں کہ تم پر بارش نہ ہو، لیکن سخت قحط سالی یہ ہے کہ بارش تو ہو اور خوب ہو لیکن زمین کچھ بھی نہ اگائے۔

تشریح: زمین کا فصل اگانا اور نہ اگانا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، زمین کے سبزہ اگانے کا ذریعہ اصل ذات اللہ کی ہے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ایسا بھی کر دیتے ہیں کہ بارش ہونے کے باوجود لوگوں کو قحط سالی کا شکار بنا دیتے ہیں، زمین کو پانی تو خوب ملتا ہے، لیکن فصلیں اگ نہیں پاتی ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۲۹۰، التعلیق: ۲/۱۸۹)

﴿الفصل الثانی﴾

ہوا کو برا کہنے کی ممانعت

﴿۱۴۳۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ تَأْتِیْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوْا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا۔ (رواه الشافعی وابو داؤد وابن ماجة والبيهقی فی الدعوات الکبير)

حوالہ: مسند امام شافعیؒ: ۱۷۵/۱، باب فی الدعاء، حدیث نمبر:۵۰۴۔ ابو داؤد شریف: ۶۹۵/۲، باب مایقول اذا هاجت الريح، کتاب الادب، حدیث نمبر:۵۰۹۷۔ ابن ماجہ شریف: ۲۵۶، باب النهی عن سب الريح، کتاب الادب، حدیث نمبر:۳۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، وہ راحت بھی لاتی ہے، اور عذاب بھی لاتی ہے، لہٰذا اس کو گالی مت دو اللہ سے ہوا کی بھلائی مانگو اور برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔

تشریح: ہوا ہم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے، اس سے ہمارے بے شمار فائدے وابستہ ہیں، ہوا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو ہلاک بھی

کرتے ہیں، ظالموں کا ہلاک ہونا بھی درحقیقت ایمان والوں کے لئے رحمت ہی ہے۔

لاتسبوها: ہوا کو کسی بھی صورت میں برا بھلا نہ کہنا چاہئے، اگر کسی وجہ سے ہوا کے ذریعہ سے نقصان پہونچا ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تادیب ہے، اور بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تادیب بھی رحمت ہوتی ہے۔

وسلوا اللہ من خیرھا وعوذوا بہ من شرھا: صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ہوا کی آٹھ قسمیں ہیں، چار کا تعلق رحمت سے ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) ناشرات۔ (۲) ذاریات۔ (۳) مرسلات۔ (۴) مبشرات۔

اور چار کا تعلق عذاب سے ہے: (۱) عاصف۔ (۲) قاصف۔ یہ دونوں سمندر میں چلتی ہیں۔ (۳) صرصر۔ (۴) عقیم۔ یہ دونوں خشکی میں چلتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فرمان میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ رحمت والی ہواؤں کو طلب کرو، اور جو ہوا عذاب کے لئے چلتی ہے اس سے پناہ طلب کریں۔ ہر صورت میں نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں چونکہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۹۱)

ہوا پر لعنت کی ممانعت

﴿۱۴۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّیْحَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوْا الرِّیْحَ فَاِنَّھَا مَامُوْرَۃٌ وَاِنَّہٗ مَنْ لَعَنَ شَیْئًا لَیْسَ لَہٗ بِاَھْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَۃُ عَلَیْہِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹، باب ماجاء فی اللعنۃ، کتاب البر

والصلۃ، حدیث نمبر:۱۹۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا کو لعنت کی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہوا کو لعنت مت کرو، کیونکہ ہوا تو حکم کے تابع ہے، بلاشبہ جو کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کے قابل نہ ہو تو لعنت اسی پر لوٹتی ہے۔

تشریح: جو بھی چیز لعنت کے قابل نہ ہو اس پر ہرگز لعنت نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی کریگا تو وہ خود اپنے اوپر لعنت کرنے والا ہوگا، کسی بھی معین چیز یا شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی کا کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو، جیسے کہ فرعون اور ہامان تو ان پر لعنت کی جاسکتی ہے، نیز برے اوصاف پر بھی لعنت کی جاسکتی ہے۔ مثلا: لعن اللہ علی الظالمین.

لاتلعنوا الریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہوا پر لعنت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو چیزیں لعنت کا مستحق بناتی ہیں وہ تین ہیں: (۱) کفر۔ (۲) بدعت۔ (۳) فسق۔ اور چونکہ ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی ہوا میں نہیں پائی جاتی ہے اس لئے ہوا کو لعنت کرنا درست نہیں ہے۔

فانھا مامورۃ: ہوا بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے، ایسی صورت میں اگر ہوا سے کسی کو تکلیف پہونچی ہے اور وہ ہوا کو برا بھلا کہتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، اور تقاضۂ عبودیت کے خلاف ہے۔

من لعن شیئا لیس لہ باھل رجعت اللعنۃ علیہ: لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دور کرنا، کوئی ایسی چیز جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قابل ہو اس کو اللہ کی رحمت سے دور کرنے والا خود اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا: ”لیس المؤمن بالطعان

ولاالـلـعـان" (تـرمذی شـریف: ۸ ا / ۲) [مومن نہ تو بہت عیب جوئی کرنے والا ہوتا ہے، اور نہ بہت لعن طعن کرنے والا ہوتا ہے۔] (مرقاۃ: ۲/۲۹۱)

ناپسندیدہ ہوا کے وقت دعاء

﴿۱۴۳۲﴾ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَسُبُّوْا الرِّیْحَ فَاِذَا رَأَیْتُمْ مَاتَکْرَھُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَخَیْرِ مَا اُمِرَتْ بِہٖ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَشَرِّمَا فِیْھَا وَشَرِّمَا اُمِرَتْ بِہٖ۔ (رواہ الترمذی)

حـوالہ: تـرمـذی شـریف: ۱ ۵ / ۲، بـاب مـاجـاء فی النھی عن سب الریح، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۲۵۲۔

تـرجـمـہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ تم لوگ ہوا کو برا مت کہا کرو، جب تم ایسی ہوا دیکھو جو تم کو ناپسند ہو تو یہ دعاء مانگو: "اللھم انا نسئلک الخ" [اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی خیر وبرکت مانگتا ہوں، اور اس ہوا میں جو چیز پوشیدہ ہے، اس کی بھلائی مانگتا ہوں، نیز جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے، اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں، اور میں تجھ سے اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور جو اس میں پوشیدہ ہے اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اور جس چیز کے لئے وہ مامور ہے، اس کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔]"

تشـریح: یہ بات گذر چکی ہے کہ ہوائیں کبھی رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہوتی

ہیں اور کبھی اللہ کا عذاب لے کر آتی ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو چاہئے کہ وہ ہواؤں کے چلنے کے وقت عافیت طلب کریں، اور مصیبت سے پناہ چاہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ بندوں کو ہر حالت میں خالق و مالک تعالیٰ شانہ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے۔

آندھی کے وقت دعاء

﴿۱۴۳۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ مَا هَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَاباً اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحاً وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحاً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحاً صَرْصَراً وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَاَرْسَلْنَا الرِّيْحَ لَوَاقِحَ وَاَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ (رواه الشافعی والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

حوالہ: ترتیب مسند الامام الشافعیؒ: ۱/۱۷۵، باب فی الدعاء، حدیث نمبر: ۵۰۲۔ بیهقی فی دعوة الکبیر: ۱۰۳، حدیث نمبر: ۳۰۱، ذکر مسألة الله ماتهب الرياح.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب بھی تیز ہوا چلتی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو زانوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے، اور یہ دعا مانگتے تھے: "اللّٰهم اجعلها رحمة الخ" [اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنا دیجئے، عذاب نہ بنائیے، اے

اللہ! اس ہوا کو ریاح یعنی رحمت بنائیے ریح، یعنی عذاب نہ بنائیے۔] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں ہے "انا ارسلنا الخ" [اور بھیجی ہم نے ان پر تیز و تند ہوا، اور ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی، اور ہم نے مینہ لانے والی ہوا بھیجیں اور ہم نے خوشخبری لانے والی ہوا بھیجیں۔]

تشریح: انا ارسلنا علیهم ریحا صرصرا: اس حدیث شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو تاویل کی ہے کہ ریح مفرد سے عذاب مراد ہوتا ہے، اور ریاح سے رحمت مراد ہوتی ہے، اس کا امام ابوجعفر طحاوی نے انکار کیا ہے، اس لئے کہ آیات واحادیث میں بہت سی جگہیں ہیں جہاں لفظ خیر اور شر دونوں کے لئے مستعمل ہوا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں: "وجرین بهم بریح طیبة" [اور کشتیاں ان کو لے کر چلیں اچھی ہوا سے۔] تو یہاں ریح کا لفظ عذاب کے لئے استعمال نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں: "الریح من روح اللہ" یعنی ہوا اللہ کی رحمت سے ہے، تو اس حدیث میں لفظ ریح مفرد ہے، شر اور عذاب کے لئے نہیں ہے، اس لئے علامہ خطابیؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ہوائیں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو اس سے بدلی آتی ہے، اور بارش ہوتی ہے جس سے کھیتیاں بڑھتی ہیں اور درخت بھی بڑھتے ہیں، اور ایک ہوا میں یہ بات نہیں ہوتی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء میں ریاح کی تلقین کی، ریح کی تلقین نہیں فرمائی۔ (مرقاۃ: ۲/۲۹۲، التعلیق: ۲/۱۹۰)

بادل دیکھنے وقت کی دعا

﴿۱۴۳۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرْنَا شَيْئاً مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِيْ

السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ فَاِنْ كَشَفَهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنْ مَطَرَتْ قَالَ اَللّٰهُمَّ سَقْياً نَافِعاً۔ (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجة والشافعی) واللَّفْظُ لَهُ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۶۹۵، باب مایقول اذا هاجت الریح، کتاب الادب، حدیث نمبر:۵۰۹۹۔نسائی شریف: ۱/۱۷۲، باب القول عند المطر، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر:۱۵۲۴۔ابن ماجه شریف:۲۷۷، باب مایدعو به الرجل اذا رأی السحاب والمطر، کتاب الدعاء، حدیث نمبر:۳۸۸۹۔مسند شافعی: ۱/۱۷۴، باب الدعاء، حدیث نمبر:۵۰۱۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں کوئی چیز یعنی بادل وغیرہ دیکھتے تو اپنے کام کاج چھوڑ دیتے اور اس بادل کی طرف متوجہ ہوجاتے اور دعا کرتے: "اللهم انی اعوذبک الخ" [اے اللہ! اس بادل میں جو بھی شر ہے اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔] اگر اللہ تعالیٰ اس بادل کو ہٹادیتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد فرماتے، اور اگر بارش ہوتی تو دعا فرماتے: "اللهم سقیا نافعا الخ" [اے اللہ! فائدہ مند بارش عطا فرما۔] (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، شافعی) روایت کے الفاظ مسند شافعیؒ کے ہیں۔

تشریح: بادلوں میں خیر بھی ہوسکتی ہے، اور شر بھی، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بادلوں کو دیکھ کر فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتے، اور دعا میں مشغول ہوجاتے۔

ترک عمله: یعنی جن مباح کاموں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لگے ہوتے ان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس سے دعا والتجا میں لگ جاتے۔

کشف اللّٰہ: یعنی اگر اللہ تعالیٰ بادل ہٹا لیتے اور بارش نہ ہوتی تو بادل کے شر سے نجات پانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرماتے۔

سقیا نافعا: اگر بارش ہونے لگتی تو چونکہ بارش میں بھی نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے نفع بخش بارش کی دعا فرماتے۔

بادل کے گرج کے وقت کی دعاء

﴿١٣٣٥﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ (رواه احمد والترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: مسند احمد: ١٠٠/٢، ١٠١/٢، ترمذی شریف: ١٨٣/٢، باب مایقول اذا سمع الرعد، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ٣٤٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک کی آواز سنتے تو یہ دعا فرماتے: "اللھم لا تقتلنا الخ" [اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ فرمائیے، اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ فرمائیے، اور ہمیں عذاب نازل ہونے سے پہلے عافیت عطا کیجئے۔] (احمد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب ترجمہ سے ظاہر ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

ایضاً

﴿۱۴۳۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک:۳۸۸، باب القول اذا سمعت الرعد، کتاب الکلام.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرج کی آواز سنتے تو بات چیت موقوف کردیتے، اور یہ دعا پڑھتے:"سبحان الذی الخ" [پاک ہے وہ ذات جس کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ رعد بیان کرتا ہے، اور دوسرے فرشتے بھی بیان کرتے ہیں اس کے خوف کی وجہ سے۔]

تشریح: بجلی کے کڑکنے اور چمکنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی حمد بیان کرنا چاہئے، یہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔

الرعد: "رعد" وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بادلوں کو ہانکنے پر متعین ہے، اور گرج اس فرشتے کی تسبیح کی آواز ہے، جو شخص مذکورہ تسبیح کو تین مرتبہ پڑھے گا اسے عافیت مل جائے گی، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث نقل کی اور کہا ہے کہ ایک موقعہ پر

ہم لوگوں نے مذکورہ تسبیح تین مرتبہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو عافیت عطا فرمادی۔ (التعلیق:۲/۱۹۰،مرقاۃ:۲/۲۹۳)

❁❁❁

تم

الجزء التاسع بحمد اللہ تعالی

و احسانہ و توفیقہ تعالی و بمنہ و کرمہ

و یلیہ الجزء العاشر اولہ کتاب الجنائز ان شاء

اللہ تعالی ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب

علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک

سید المرسلین و صلی اللہ تعالی علیہ

و علی الہ و اصحابہ اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ